خواتینِ اسلام

مُصنّفہ

مفتی انتظام اللہ شہابی

مدینہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل میکلوڈ روڈ۔ کراچی

خواتین اسلام

جامع

مفتی انتظام اللہ شہابی

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل میکلوڈ روڈ کراچی ۱

(مشہور پریس کراچی)

فہرست خواتین اسلام

کتاب آپ کے پاس امانت ہے
اس کو احتیاط و حفاظت سے رکھیں

شکریہ

مقدمہ

خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم کے مصداق صحابہ تابعین و تبع تابعین و صلحائے اُمت جنکے نقش قدم پر چل کر ہی موجودہ دور کے مسلمانوں کی اصلاح و فلاح ہو سکے گی۔ انکے احوال میں بکثرت کتابیں بفضلہ تعالیٰ اُردو زبان میں لکھی گئیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کتاب "اسوۂ صالحین" ہیں نے بھی پیش کی ہے۔ صالحات اُمت کے کردار اور زہد و عبادت اور اُن کی علمی و سیاسی زندگی پر بحث اس کتاب کا موضوع ہے۔ گو اسوۂ صحابیات، الصحابیات، حور المقصورات، مخدرات تیموریہ، گلدستہ نازنینان وغیرہ لکھی جا چکی ہیں۔

صالحات امت کے متعلق کافی سرمایہ عربی زبان میں محفوظ ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں قرن اول کی پندرہ سو سینتالیس محدث خواتین کا ذکر کیا ہے۔ تہذیب الاسماء۔ تاریخ بغداد خطیب وغیرہ کتب میں خواتین سلف کے تذکرے لکھے گئے ہیں۔ نفحات الانس، اخبار الاخیار میں عارفات

کا تذکرہ ہے۔ غرض کہ اسلامی تاریخ میں ہزار ہا خواتین کے احوال ملتے ہیں۔ ہم نے قرون اولیٰ سے لے کر آج تک کی مشہور صالحات کے احوال لکھے ہیں۔ ورنہ کئی جلدیں بھی ناکافی ہوتیں۔

خواتین کا مرتبہ اسلام میں بہت بلند ہے۔ پہلے پہل جس محترم خاتون نے اسلام قبول کیا وہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں اسی طرح علم و فضل دینی میں بھی ان کا درجہ بلند ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اپنی نصف دینی تعلیم کے لئے انہیں عائشہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پوتی نفیسہ مستند محدثہ تھیں۔ فسطاط میں امام شافعی ان کے حلقہ درس میں شریک ہوا کرتے (تہذیب الاسماء ص ۸۴۸)

فاطمہ بنت الاقراع اعلیٰ درجہ کی خوشنویس اور فاضلہ خاتون تھیں۔ کثرت سے ان کے شاگرد تھے۔ (ابن خلکان ص ۲۵۱)

فخر النساء جامع بغداد میں وعظ کہتی تھیں (الکامل صفحہ ۱۰۸)۔

ابو الخیر الاقطاع کی دادی عنیدہ کے حلقہ درس میں پانچ سو طلبا شریک ہوا کرتے تھے۔

خطیب بغدادی کی استاد کریمہ بنت احمد المروزی تھیں۔ موصوف نے صحیح بخاری انہی سے پڑھی تھی۔ (معجم الادبا ص ۲۴۷) علی بن عساکر کے اساتذہ میں اس سے زیادہ خواتین ہیں۔ (معجم الادبا ص ۲۴)

ابن بطوطہ نے عائشہ بنت محمد اور زینب بنت کمال الدین سے سند حاصل کی بغرض کہ اس تذکرہ میں کثیر التعداد خواتین کا ذکر ہے جن کی علمی خدمات بجد

بے پایاں ہیں۔ خواتین کرام علم و فضل کے سوا عابدہ ناہدہ اس پایہ کی تھیں کہ اکابر و علما مشائخ نے ان کے آغوش میں تربیت پائی ہے۔

تاریخ تعلیم نسواں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ العلم فریضۃٌ علیٰ کل مسلمٍ و مسلمۃٍ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد سے ہی قرآن مجید جو نازل ہوتا وہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو سناتے اور جو لکھ سکتے ان کو لکھوا دیتے۔ دار ارقم میں قرآنی تعلیم کا انتظام تھا۔ یہ پہلی درسگاہ تھی کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جو مسلمان ہونے آتا اس کو قرآن کی تعلیم دیتے۔ اور جو تعلیم پا لیتا اس کو معلم بنا کر مسلمانوں کے گھروں پر بھیجتے جیسے جناب بن الارت حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو ان کے گھر جا کر قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔[1] یہ قرآن کا حصہ سورۂ طٰہٰ کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔ پھر مدینہ کے لوگوں نے بیعت کی۔ ان کے ساتھ ایک معلم صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دینے کے لئے مدینہ بھیجا۔ یہ مقری کہلاتے تھے یہ ابو امامہ کے ہاں مقیم تھے[2] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں مسجد کی تعمیر کے ساتھ اس کے متصل ایک صفہ تعمیر کیا۔

یہاں غریب صحابہ کو ٹھہرایا جاتا اور ان کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا۔ اسی طرح صحابیات کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کے مطابق انتظام کیا۔ آپؐ ہفتہ میں ایک بار خواتین کو جمع کر کے ان کو باقاعدہ تعلیم دیتے اور پند و نصائح فرمایا کرتے۔

---

[1] و [2] سیرت ابن ہشام اردو صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۵

بلاذری نے لکھا ہے۔

ابتدائی دور اسلام میں پانچ عرب خواتین ایسی تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ حفصہ بنت عمر رضہ۔ ام کلثوم بنت عقبہ۔ عائشہ بنت سعد۔ مریم بنت مقداد۔ الشفا بنت عبداللہ۔[1]

الشفا کا درس و تدریس کا مرکز کہاں تھا۔ تاریخ خاموش ہے مگر حضرت حفصہ رضہ کو انہوں نے پڑھایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا کہ وہ آنحضرت سے شادی کے بعد بھی حفصہ رضہ کو پڑھاتی رہیں۔"

ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضہ اور حضرت ام سلمیٰ رضہ پڑھ سکتی تھیں لیکن انہیں لکھنا نہیں آتا تھا۔ (فتوح البلدان صہ ۴۸۰)

حضرت فاطمہ رضہ کے کاشانہ میں صحابہ کی بچیاں قرآن شریف پڑھا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضہ سے تو صدہا خواتین نے قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ خود ام المومنین انصار خواتین کی تعریف کیا کرتی تھیں کہ وہ ہر مضمون پر عبور حاصل کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتیں۔ (بخاری صہ ۴۶)

عموماً صحابہ کرام اپنی اولاد کو خود تعلیم دیتے۔ مرد ایک مقام پر تعلیم حاصل کرتے اور عورتوں کے لئے گھر پر ہی تعلیم کا انتظام ہوتا۔ عیسیٰ بن مسکین متوفی ۲۷۵ھ ظہر کے وقت تک شاگردوں کو پڑھاتے اس کے بعد اپنی بیٹیوں، برادر زادیوں، پوتیوں، نواسیوں کو قرآن مجید اور دیگر علوم کی تعلیم دیا کرتے (التعلیم عند القابسی صہ ۲۲)

غرض کہ اس کتاب میں مشہور صالحات کے حالات قرن اول سے لے کر

---

[1] فتوح البلدان صہ ۴۵۸

اب تک کے جمع کر دیئے ہیں۔ ان میں صحابیات کے بعد محدثہ۔ فقیہہ۔ عالم شجاع، زاہدہ، عارفہ، شہزادیاں مصنفہ، معلمہ وغیرہ کا حال اور ان کی اخلاقی اور علمی زندگی پیش کی گئی ہے۔

کالج کی طالبات اس کے مطالعہ سے اپنی زندگی کو سنوارنے میں بہت کچھ فائدہ اٹھا سکیں گی۔

اس کتاب کی ترتیب مرحومہ بیگم بلقیس معین کے پیہم اصرار پر کی گئی ہے اس کے مبیضہ میں ذکی الدین قریشی سلمہٗ کی سعی قابل ذکر ہے۔ محبی سید سخاوت علی اور نجیب الحسین شہابی مدیر دائرہ معارف قرآنیہ کی اعانت الٰہی سعی مشکور ہے

انتظام اللہ شہابی

سکریٹری جناح لٹریری اکڈیمی

اُمّ الانبیا حضرت سارٰی علیہ السلام

حضرت سارٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد بہن اور زوجہ مکرمہ تھیں ان کے والد کا نام ناحُور تھا۔

اُر میں قیام تھا حضرت ابراہیمؑ نے کاددلا امر نمرود کو دعوت اسلام دی وہ درپے آزار ہوگیا تو آپ اپنی زوجہ محترمہ کو ہمراہ لے کر زیریں مصر پہونچے وہاں کا بادشاہ (فرعون) رقیوں تھا اس کی نگاہ جناب سارٰی پر پڑی مگر آپ کی معجز نمائی سے وہ آپ کے تقدس کا معترف ہوگیا اور اس نے اپنی دختر حضرت ہاجرہ کو جناب سارٰی کی خدمت کے لئے پیش کیا۔ (تالمود یہود)

یہاں سے حضرت ابراہیم اپنے کنبہ کو لے کر شام آئے بیر سبع میں قیام فرمایا۔ آخر عمر میں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے بیر سبع بیت الخلیل کہلاتا ہے۔ یہیں حضرت سارٰی نے انتقال فرمایا۔

حضرت ہاجرہؑ

حضرت ہاجرہ ملک رقیوں (فرعون) کی دختر نیک اختر تھیں۔ مثل شہزادی کے پرورش ہوئی۔ جب حضرت ابراہیمؑ اس کے ملک میں آئے حضرت سارٰی کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوا تو اپنی لخت جگر حضرت ہاجرہ کو ان کی خدمت کے لئے پیش کیا چنانچہ کچھ عرصہ بعد حضرت سارٰی

نے اولاد کی خاطر سے حضرت ابراہیمؑ کے حبالہ عقد میں دے دیا۔ جن سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے جب ان کی ۸۶ ۔ ۱۵۰ برس کی عمر ہوئی۔ اللہ کے حکم سے ماں بیٹوں کو وادیٔ غیر ذی ذرع میں آباد کیا۔ یہ مکہ معظمہ مقام کہلایا۔ حضرت ہاجرہ کی برکت سے چاہ زمزم، ودار ہوا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی حضرت اسمٰعیلؑ کی ۱۲ اولادیں تھیں جنکی نسل عرب میں پھیلی۔ مکہ میں عمر طبعی پاکر حضرت ہاجرہ نے انتقال فرمایا۔

حضرت آمنہ بنت وہب

مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ خاندان قریش سے تھیں۔ وہب بن عبد مناف بن زہرۃ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر کی لڑکی تھیں۔ بھائی کا نام قصٰی بن کلاب تھا جو بنی ہاشم کے جد تھے۔ آپ کے پرپوتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ماں کا نام برّہ دختر عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدر بن قصے تھا۔ شوہر کا نام حضرت عبد اللہ تھا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چھ سال بعد انتقال ہوا یعنی ۴۶ قبل ہجرت اس دار فانی سے راہی دار بقا ہوئیں۔ طبیعت میں خداتعالیٰ نے وہ پاکی عنایت فرمائی تھی جس کو اس زمانہ کے لوگ خوب جانتے تھے۔ نہایت نیک طینت اور صاحب فراست تھیں علم وفضل میں یکتا تھیں۔ صاحب کتاب مواہب لدنیہ لکھتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے اپنے فرزند یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کی تعریف میں یہ اشعار

لکھے تھے جن کو پڑھنے سے ان کی علمی قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بارک فیک اللہ من غلام | یا ابن الذی من حومۃ الحمام
نجا بعون الملک المنعام | فودی غداۃ الضرب بالسھام
بمائۃ من اہل سوام | ان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام | تبعث فی الحل وفی الحرام
تبعث فی التحقیق والاسلام | دین ابیک البر ابراھام

فاللہ انھاک عن الاصنام
ان لا توالیھا مع الاقوام

بوقت رحلت آپ کی زبان سے یہ کلمات جاری تھے۔

کل حی میت وکل جدید بال وکل کبیر یفنی وانا میتۃ
وذکری باق وقد ترکت خیرا وولدت طھرا ۵

"کل زندہ رہیں گے۔ کل نئی چیزیں پرانی ہوں گی۔ بزرگ فنا ہوں گے
میرا ذکر باقی رہ جائے گا اور میں فنا ہو جاؤں گی۔ میں خیر و نیکی کو چھوڑتی
ہوں کیونکہ میں نے ایک طاہر لڑکے کو جنا ہے۔"

اپنے شوہر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پدر بزرگوار کی وفات پر جو مرثیہ
آپ نے لکھا ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

عفا جانب البطحاء من آل ھاشم | وجاور لحدا خارجا فی الثمام
دعتہ المنایا دعوۃ فاجابھا | وما ترکت فی الناس مثل ابن ھاشم
عشیۃ راحوا یحملون سریرہ | تعاورہ اصحابہ فی التزاحم
فان تک غالتہ المنون وریبھا | فقد کان معطاء کثیر التراحم

آنحضرت صلعم کی دودھ پلائی

حلیمہ سعدیہؓ

حضرت حلیمہؓ قبیلہ بنی سعد کی ایک غریب خاتون تھیں ان کے والد کا نام ابی ذویب اور خاوند کا نام حارث تھا۔ ان کو ایک ایسے مقدس بچے کے دودھ پلانے کی سعادت عظمہ حاصل ہوئی جو دین و دنیا کا عظیم ترین سردار تھا اگر سرورِ کائنات صلعم کے دودھ پلانے کی یہ عزت اور بزرگی ان کو نہ ملتی تو آج کوئی دنیا میں حضرت حلیمہ کا نام بھی نہ جانتا۔

قبیلہ بنی سعد زبان کی شیرینی اور فصاحت و بلاغت یعنی گفتگو کی عمدگی اور زبان کے صاف اور صحیح ہونے میں شہرۂ آفاق تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ خداوند کریم نے مجھ کو تمام عرب میں فصیح بنایا ہے اول تو ہمارا قبیلہ قریش زبان اور گفتگو کی خوبی میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور دوسرے میری پرورش قبیلہ بنی سعد میں ہوئی جو فصاحت و بلاغت میں ممتاز درجہ رکھتا ہے"۔

دنیا میں تشریف لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات روز تک اپنی مہربان والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا دودھ پیتے رہے۔ سات روز کے بعد ثوبیہ رضہ نے چند روز تک دودھ پلایا۔ آپ سے دو برس پہلے حضرت حمزہ آپ کے چچا پیدا ہوئے تھے ثوبیہ رضہ ان کو بھی دودھ پلاتی تھیں اور ان کے ساتھ ابو سلمہ رضہ کو بھی دودھ پلایا تھا اس وجہ سے حمزہ رضہ اور ابو سلمہ رضہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضائی بھائی ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ حمزہؓ کی بیٹی سے نکاح کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں دودھ کے رشتہ سے ان کی بیٹی میری بھتیجی ہوتی ہے اس سے نکاح مجھ کو حلال نہیں۔ اسی طرح ابو سلمہؓ کی بیٹی کی نسبت لوگوں نے عرض کیا کہ سُنا ہے آپ کا ارادہ ان سے نکاح کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا نکاح اس سے کیسے ہو سکتا ہے اول تو اس لڑکی کی ماں یعنی ام سلمہؓ میرے نکاح میں ہے اس کے علاوہ ابو سلمہؓ میرے دودھ شریک بھائی ہیں۔

ثوبیہ ابو لہب کی لونڈی تھیں۔ جب انہوں نے ابو لہب کو جا کر خوش خبری دی کہ تمہارے بھائی عبداللہ کے گھر بیٹا (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوا ہے تو ابو لہب نے اسی خوشی میں ان کو آزاد کر دیا اور کہا کہ لڑکے کو دودھ پلایا کرو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان بھی ہو گئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔

عرب کے دستور کے مطابق والدین خواہ امیر ہوں یا غریب۔ بچوں کو ماں کے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ پرورش کے لئے دوسری عورتوں کو دیتے اور وہ اُن کو قرب و جوار کے دیہات میں لے جا کر پرورش کرتیں کبھی والدین جا کر اُن کو دیکھ آتے کبھی پرورش کرنے والی خود لا کر والدین سے ملا جاتیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد گاؤں کی عورتیں بچے لینے کے لئے شہر آتیں اور جو بچے اس مدّت میں پیدا ہوتے ان کو لے جاتیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد سے چند روز بعد بنی سعد کی عورتیں بھی بچے لینے مکے لئے مکہ میں آئیں حلیمہ سعدیہ بھی انہیں میں تھیں۔

دوسری تمام عورتوں نے مال دار لوگوں کے بچے لئے جن سے انعام واکرام کی امید تھی. مگر اس یتیم بچہ (محمدؐ) کو کسی نے نہ لیا. جس نے کبھی باپ کی صورت بھی نہ دیکھی تھی، دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے ہی باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا. کسے خبر تھی کہ یہ بچہ خدا کا پیارا محبوب اور تمام نبیوں کا سردار ہے اور تمام دنیا کو اس سے وہ فائدہ پہنچے گا جو اس سے پہلے کسی سے ہوا ہے نہ ہو گا۔

حلیمہ کی قسمت اچھی تھی اور مقدر یاوری پر تھا کہ اُن کو کوئی بچہ نہ ملا کیوں کہ یہ عزت خداوند کریم نے صرف انہیں کے لئے مخصوص کر دی تھی. انہوں نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا کہ خالی ہاتھ جانے کو بھی دل نہیں چاہتا اور یتیم بچہ کو لیتے ہوئے بھی جھجک محسوس ہوتی ہے صرف وہی ایک بچہ رہ گیا ہے جو عبد المطلب کا پوتا ہے گو یتیم ہے مگر اس کے دادا کی شرافت اور قبیلہ قریش کی سرداری کوئی چھپی ہوئی بات نہیں. خاوند نے کہا کہ لے لو کوئی حرج نہیں ممکن ہے خداوند کریم نے اسی میں ہمارے لئے کوئی بہتری رکھی ہو حلیمہ کو تو پہلے ہی اس بچہ پر پیار آتا تھا اور لینے کو دل چاہتا تھا خاوند کا اشارہ پاتے ہی فوراً جا کر آپؐ کو لے آئیں.

حلیمہ خود بیان کرتی ہیں کہ جب ہم مکہ میں آئے تو ملک میں قحط پڑ رہا تھا جنگلوں کی گھاس اور جانوروں کا دودھ خشک ہو چکا تھا سواری کے جانوروں سے چلا نہ جاتا تھا. ہمارے ساتھ ایک ہمارا بچہ اور ایک اونٹنی ایک سواری کا گدھا تھا جن کے کھانے کے لئے بھی کچھ نہ تھا اور میرے کچھ دودھ نہ اُترتا تھا اس لئے بچہ بھوکا تڑپتا تھا اس مصیبت میں نہ دن کو چین تھا نہ رات کو آرام۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس آنا تھا کہ حالت بدل گئی میری خشک چھاتیوں میں اتنا دودھ آگیا کہ آپ نے بھی خوب پیا اور میرے بچے نے بھی پیٹ بھر کر پی لیا۔ وہ اونٹنی جو ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی آج اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے میرے خاوند نے دودھ نکالا اور ہم دونوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ بھوک کی تکلیف دور ہونے سے رات کو آرام سے سوئے۔ میرے خاوند نے کہا حلیمہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی مبارک اور خوش نصیب بچہ ہم کو مل گیا ہے۔ ساری برکت اسی کی نظر آتی ہے۔ کئی روز تک آرام سے مکہ میں رہے جب سب عورتیں بچوں کے ماں باپ سے رُخصت ہو کر مکہ سے چلنے لگیں تو میں بھی آپ کی والدہ سے رخصت ہو کر اپنے مکان کو واپس ہوئی اور آپ کو گود میں لے کر سوار ہوئی تو میرا وہی گدھا جو تمام قافلے سے پیچھے تھا اور نہایت دقت سے چلتا تھا بہت تیز قدم ہو گیا اور تمام قافلے کو پیچھے چھوڑ گیا۔ یہ باتیں دیکھ کر میری ساتھی عورتوں نے کہا کہ حلیمہ بہت ہی خوش نصیب ہے جس کو ایسا سعادت مند بچہ مل گیا ہے کہ اس کی ساری تکلیفیں دور ہو گئیں۔

گھر پہنچنے کے بعد اور بھی زیادہ برکت کا ظہور ہوا، وہ بکریاں جن کو مہینوں سے کھانے کو نہیں ملا تھا اور جن سے دو چار گھونٹ بھی دودھ مشکل سے ملتا تھا جب جنگل سے واپس آئیں تو سب کے تھن دودھ سے بھرے ہوتے تھے۔

میری بکریاں روزانہ اسی طرح آئیں اور دوسرے گاؤں کے جانوروں کا دودھ بدستور خشک تھا۔ اب تو سب عورتیں مجھ پر رشک کرنے لگیں اور ایسے خوش نصیب بچہ سے محروم رہنے پر افسوس کرنے لگیں۔ آخر سب

گاؤں والے میرے جانوروں کے ساتھ اپنے جانور چرانے لگے خدا کی قدرت سے اُن کے بھی دودھ اُتر آیا۔

حلیمہ رضؓ کو ان باتوں سے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں بلکہ کوئی ہونہار لڑکا ہے جس کے نصیب کا ستارہ کبھی ایسا چمکے گا کہ سب کی روشنی ماند پڑ جائے گی وہ نہایت شفقت اور بہت محبت سے آپ کو پرورش کرتی تھیں دودھ پلانے والی عورتوں کی طرح مارنا یا بُرا کہنا تو درکنار کبھی غصہ کی نظر سے دیکھتی بھی نہ تھیں۔ آپ کی باتیں ایسی ہی تھیں کہ حلیمہ رضؓ کو ایسا سلوک کرنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ کبھی ایسا نہ ہوتا تھا کہ نجاست اور ناپاکی میں کپڑے بھر جاتے ہوں بلکہ ایک وقت مقرر تھا جس کو حلیمہ جانتی تھیں۔ ان دنوں آپ عام بچوں کی طرح روتے بھی نہ تھے۔ حلیمہ رضؓ کا ایک بچہ بھی تھا جو آپ کے ساتھ دودھ پیتا تھا۔ آپ ہمیشہ ایک ہی چھاتی سے دودھ پیتے تھے دوسری سے وہ بچہ پیتا تھا۔

آپؐ پرورش پاتے رہے اور رفتہ رفتہ پیروں چلنے لگے۔ جب آپؐ کی عمر دو برس کی ہوئی تو حلیمہ رضؓ کو خیال ہوا کہ اس بچہ کو اس کی ماں کو ضرور دکھلانا چاہئیے اسی ارادہ سے وہ آپ کو ساتھ لے کر مکہ کو گئیں۔ آمنہ اپنے پیارے بچہ کو تندرست اور کھیلتا ہوا دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں اگرچہ ایسی ماں کو جس کے سر پر خاوند بھی نہ ہو اور لے دے کر اس کے ایک ہی بچہ ہو اپنے عزیز کی جدائی بڑی سخت گزرتی ہے لیکن مکہ کی آب و ہوا اس وقت خراب ہو رہی تھی حلیمہ رضؓ نے آپ کو واپس لے جانے کی درخواست کی آپ کی والدہ نے بھی مان لیا اور حلیمہ رضؓ مکہ سے آپ کو ساتھ لے کر چلی آئیں اور اپنے گاؤں میں رہنے لگیں۔

آپ کے رضاعی بھائی یعنی حلیمہ رضؓ کے لڑکے عبداللہ جب کبھی بکریاں چرانے جاتے تو آپ بھی کبھی کبھی ان کے ساتھ جنگل چلے جاتے تھے اسی طرح حلیمہ رضؓ نے تین برس اور آپ کی خدمت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ برس کی عمر میں نہایت ہوشیار سمجھ دار ہو گئے۔ ہمیشہ پاکی صفائی اور دوسروں کی امداد کرنے کو پسند کرتے تھے۔ اب حلیمہؓ کو مناسب معلوم ہوا کہ آپؐ کو والدہ کے پاس مکہ میں پہنچا دیں۔ چنانچہ عام الفیل[1] کے چھٹے سال جب کہ آپ کی عمر پانچ سال دو روز کی تھی اس قیمتی امانت کو ماں کے سپرد کر دیا جس کی قیمت کے آگے زمین و آسمان اور تمام دُنیا کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ گو یہاں مال و دولت تو زیادہ نہ تھا لیکن پھر بھی حلیمہ رضؓ کی اتنی خدمت کی گئی جو اُن کے خوش کرنے کو کافی تھی مگر ایسے خوش نصیب بچے کے چُھٹنے کا جو رنج تھا اس کے مقابلہ میں یہ خوشی کچھ بھی نہ تھی۔ حلیمہ رضؓ آپ کی جدائی کا غم لئے اپنے وطن واپس ہو گئیں اور آپؐ اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے۔ آمنہ رضؓ خاتون آپ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتیں اور آپ کی باتیں اور عادات و اطوار کو دیکھ کر پھولی نہ سماتی تھیں مگر یہ خبر نہ تھی کہ ماں کی آغوش اس بچے کی قسمت میں نہیں ہے اور ایک ہی سال کے بعد اس کو تنہا چھوڑ کر دُنیا سے رُخصت ہونے والی ہوں۔

---

[1] خانہ کعبہ کی عظمت کو کم کرنے کے لئے ابرہہ بادشاہ یمن نے ایک دوسرا کعبہ تعمیر کرایا تھا کہ لوگ اس میں آکر حج کیا کریں۔ کوئی مسافر آکر اس میں پاخانہ ڈال گیا اور چند روز بعد اس میں آگ لگ گئی بادشاہ بہت خفا ہوا اور جل کر ہاتھی لے کر کعبہ کو گرانے کی غرض سے آیا اللہ تعالیٰ نے اُسے ابابیلوں کے ذریعہ ہلاک کر دیا الم تر کیف میں اس کا ذکر ہے اسی سال کو عام الفیل یعنی ہاتھیوں والا سال کہتے ہیں اسی سال حضورؐ کی ولادت ہوئی۔

کچھ دنوں مکہ میں رہنے کے بعد آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر آپ کے باپ دادا کی ننہیال میں مدینہ چلی گئیں۔ چند مہینے وہاں رہ کر واپس ہوئیں۔ راستہ میں ابواء پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ موت کے پیغام نے ماں کو بچہ سے جدا کر دیا۔

وہ بچہ جس کو قدرت نے تمام انبیاء کی سرداری کے لئے منتخب کر لیا تھا اور جس کی عمر ابھی چھ سال کی تھی کہ باپ کے سایہ سے پہلے ہی محروم تھا اور اب ماں کی آغوش سے بھی ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو گیا۔ یہ جگہ جہاں آپ کی والدہ محترمہ نے جان جاں آفریں کے سپرد کی مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے اور وہی مقام ہے کہ نبوت پانے کے کئی سال بعد اس طرف کو گزرتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم والدہ کی قبر پر جا کر اس قدر روئے تھے کہ پاس والے بھی سب رونے لگے تھے۔ خداوند قدوس نے اپنے محبوب کے دل میں صبر و شکر، محبت، مروت اور عزیزوں کی یاد غرض کہ تمام اوصاف کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے۔

ام ایمن جو آپ کی والدہ کی لونڈی تھیں اور آپ کو میراث میں مل گئی تھیں آپ کے ساتھ تھیں اور وہی اس مقام سے آپ کو مکہ میں لے آئی تھیں۔

اب وہ وقت تھا کہ نہ آپ کے سر پر والد کا سایہ تھا نہ والدہ کی شفقت آپ کو میسر تھی۔ آپ کے دادا عبد المطلب بھی ایک سو بیس سال دنیا میں زندگی گزارنے کے بعد عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے تھے مگر خداوند تعالیٰ روز اول سے اپنے نبی برحق اور محبوب کا حال دیکھتا تھا اور کہتا تھا کہ اس در یتیم کو میری حفاظت کافی ہے۔ ایک دن وہ آنے والا ہے کہ اس کے ذریعے دین حق کی اشاعت ہو گی اور اس کے دین سے تمام ادیان منسوخ ہو جائیں گے اور بڑے بڑے دنیا کے جاہ و جلال والے شہنشاہ اس کے نام سے لرزہ

براندام ہو جائیں گے۔"

آپؐ کو مکہ پہنچا کر واپس ہونے کے بعد عرصہ تک حلیمہؓ زندہ رہیں چنانچہ مکہ میں تیرہ برس نبوت کے گزار کر ہجرت فرمانے کے آٹھ سال بعد جب کہ آپؐ کی عمر اکسٹھ سال کی تھی ایک دفعہ آپ جعرانہ میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے اس وقت حلیمہؓ آپ کے پاس آئیں آپ نے اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کو بٹھایا اور ان کی بہت عزت کی۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوا مگر بعد میں لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ آپؐ کی دایہ حلیمہ سعدیہؓ ہیں اس وجہ سے آپ ان کی اس قدر تعظیم کرتے ہیں۔

حلیمہؓ کے کئی بچے اور بھی تھے دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام انیسہ تھا اور ایک کا حذافہ جن کو شیماء بھی کہتے تھے اور ایک بیٹا تھا جس کا نام عبداللہ تھا یہ تینوں آپ کے دودھ شریک بھائی بہن تھے۔ عبداللہ نے تو آپ کے ساتھ ہی دودھ پیا تھا۔ شیماء آپ سے عمر میں بہت بڑی تھیں جو کبھی کبھی آپ کو گود میں لے کر کھلایا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ اسلامی لشکر نے لڑائی میں قبیلہ ہوازن کے بہت سے لوگ گرفتار کر لئے ان میں شیماء بھی تھیں انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو میں ان کی ہمشیرہ ہوں جب آپؐ کی خدمت میں لائے تو شیماء نے ایسے پتے بتلائے جس سے آپ پہچان گئے اور اپنا بچپن اور اس وقت کی خدمت کرنے والوں کو یاد کر کے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور شیماء سے فرمایا کہ اگر ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو یہاں بہت عزت اور راحت کے ساتھ رہ سکتی ہو اور اگر اپنے گھر جانا چاہتی ہو تو تم کو وہاں پہنچا دیں انہوں نے واپس ہی جانا پسند کیا آپ نے تین غلام اور ایک لونڈی اور کئی اونٹ اور بکریاں ان کو دلوا دیں اور یہ مسلمان ہو کر

آپ سے رُخصت ہوئیں۔

خداوند تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات میں تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں۔ اخلاق، مروت وفاداری باوجود اس بلند مرتبہ کو پہنچ جانے کے اپنے قدیم خادموں کا خیال آپ ہی کا حصہ تھا۔ ثوبیہ کے بیٹے جنہوں نے آپؐ کو چند روز دودھ پلایا تھا آپ مدینہ سے روپیہ اور کپڑا بھیجتے تھے اور بڑی عزت کرتے تھے۔ مکہ میں رہتے ہوئے بھی وہ آپ کے مکان پر آتی رہتی تھیں اور آپ ان کا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے اور اسی وجہ سے حضرت خدیجہؓ بھی ان کی خاطر کرتی تھیں۔ ہجرت کے چھٹے سال جب آپ نے خیبر فتح کیا تو اس وقت ان کی وفات کی خبر پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوئے۔

ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ فتح ہوا اور آپ وہاں تشریف لائے تو ثوبیہ رضہ کے بیٹے مسروح کا حال دریافت فرمایا جس نے آپ کے ساتھ دودھ پیا تھا اس کا کچھ پتہ نشان نہ ملا تو ثوبیہ کے دوسرے رشتہ داروں کو پوچھا مگر اس وقت ان میں سے کوئی بھی دنیا میں موجود نہ تھا۔

ام ایمن کے مکان پر آپ کبھی کبھی خود ملنے کو جاتے جنہوں نے والدہ کے انتقال کے بعد آپ کی خدمت کی تھی یہ حبشہ کی رہنے والی تھیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت ہی شفقت و محبت تھی۔ آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ آپ کے طریقہ کے موافق ان سے ملنے گئے تو یہ آپ کو یاد کر کے رو پڑیں اور یہ دونوں حضرات بھی رونے لگے۔ کیسی سچی محبت تھی آپ کے خادموں کو آپ کے ساتھ اور کیسا خیال تھا اپنے جاں نثاروں کا رسول اللہ کو (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وخدامہ وسلم اجمعین)

مناقب صحابیات

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ صحابہ کرام میں سب سے افضل کون ہے؟ عام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خلفائے راشدین تمام صحابہ میں افضل ہیں اور خود خلفا میں فضیلت کے مدارج ترتیب خلافت کی رُو سے قائم ہوئے ہیں لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواج مطہرات تمام صحابہ سے افضل ہیں اور اس مسئلہ کو انہوں نے اپنی کتاب ملل ونحل میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور اسی سلسلہ میں ان آیات واحادیث کے جوابات بھی دیئے ہیں جن سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہوتا ہے لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو وجوہ فضیلت قائم ہو سکے ان کو پیش نظر رکھ کر صحابیات کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں جن سے یہ ثابت ہو گا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرام کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے ان میں ان کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دوؔ عورتیں بھی شامل ہیں یعنی حضرت خدیجہ رضؓ اور سمیہ یا ام ایمن چنانچہ صحیح بخاری مناقب ابوبکر رضؓ میں حضرت عمار رضؓ سے روایت ہے۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام، دو عورتیں اور حضرت ابوبکرؓ تھے"

تقدم فی الاسلام کی سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الہجرات ہے اور اس فضیلت میں تمام مہاجرات اولات صحابہ کی شریک ہیں چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری ملل ونحل میں لکھتے ہیں:

ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیبیوں میں مہاجرات اولات فضیلت میں صحابہ کی شریک ہیں ان میں کسی عورت کو کسی عورت پر اور کسی مرد کو کسی مرد پر فضیلت حاصل ہے۔ عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں اس طرح مردوں میں بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو شامل نہ کیا ہو۔

اسلام میں سب سے پہلے ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے اور اس ہجرت میں ایک صحابیہ کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا جس پر تمام مہاجرین حبشہ کو ناز تھا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا اس غرض سے کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سوء اتفاق سے کشتی حبش میں جا پہنچی اور ان لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کے رفقاء سے ہو گئی چنانچہ جعفرؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہ صلعم نے یہاں بھیجا ہے اور یہیں اقامت کا حکم دیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو، ان لوگوں نے وہاں اقامت اختیار کی۔ یہاں تک کہ جب خیبر فتح ہوا تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں رسول اللہ صلعم سے

ملے اس موقع پر ان لوگوں کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوہ خیبر میں شریک نہ تھے اُن میں اِن کے سوا رسول اللہ صلعم نے کسی کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ ان لوگوں میں بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس بھی انہی لوگوں کے ساتھ حبشہ سے آئی تھیں وہ ایک روز حضرت حفصہؓ کی ملاقات کو گئیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ حبشیہ ہے یہ بحریہ ہے (یعنی سمندر کی رہنے والی) حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے کہا کہ ہاں ہم ہیں اب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے ہم تم سے زیادہ رسول اللہ صلعم کے مستحق ہیں یہ سن کر حضرت اسماء برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر تم غلط کہتے ہو خدا کی قسم تم رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتے تھے اور آپ تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہل کو نصیحت کرتے تھے اور ہم حبش کی دور ترین مبغوض زمین میں پڑے ہوئے تھے ہم کو ایذا دی جاتی تھی ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ خدا اور خدا کے رسول کی ذات کے لئے تھا۔ خدا کی قسم تم نے جو کچھ کہا ہے جب تک اس کا ذکر رسول اللہ صلعم سے نہ کر لوں گی نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی۔ کج روی اختیار نہ کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی .... چنانچہ آپؐ تشریف لائے تو انھوں نے اس واقعہ کو بیان کیا اور آپؐ نے سن کر ہنسے فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں، عمر اور ان کے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ابو موسیٰ اور دوسرے کشتی والے جوق در جوق میرے پاس آتے تھے اور اس حدیث کو پوچھتے تھے۔ ان کے لئے دنیا کی کوئی چیز اس سے

زیادہ مسرت خیز اور باعظمت نہ تھی حضرت ابو موسیٰ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے[1]۔

فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبت رسول ہے اور اس محبت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجہ تقرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوا جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے سوا بجز حضرت ام سلیم رضؓ (حضرت انس رضؓ کی ماں) کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے[2]۔ جس لطف و محبت کے ساتھ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اسی لطف و محبت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گزاری بھی کرتی تھیں۔ بخاری، کتاب الاستیذان میں ہے کہ جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے بچھونا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے جب آپ سو کر اٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی، کفن میں حنوط کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کیا جائے حضرت انسؓ بن مالک کی خالہ ام حرام کو بھی اکثر یہ شرف حاصل ہوتا تھا چنانچہ معمول تھا کہ جب آپ قبا کو تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے، وہ اکثر کھانا لاکر پیش کرتیں تو آپ نوش فرماتے آپ سو جاتے تو وہ آپ کے بالوں

---

[1] مسلم باب من فضائل جعفر بن ابی طالب و اسماء بنت عمیس و اہل مقیم حبشہ

[2] صحیح مسلم باب من فضائل ام انس بن مالک و بلال رضی اللہ عنہما

سے جوئیں نکالتیں۔[1]

مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی صحابیات کو بعض فضلیتیں حاصل ہیں ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات شامل ہیں مثلاً ایک بار رسول اللہ صلعم نے حضرت ام ہانی رضؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہوگیا ہے اور میرے لڑکے ہیں جن کی پرورش میرے لئے ضروری ہے اس موقع پر آپ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی۔

شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں بچپن میں اپنے یتیم بچے سے نہایت محبت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔

انصار کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجہ فضیلت رکھتا ہے اور اس قبیلے کے مرد عورتیں دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یکساں محبوب تھے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضؓ سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آرہے تھے آپ نے ان کو دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور تین بار فرمایا کہ تم لوگ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصار صحابیہ اپنے بچے کو ساتھ لے کر آئیں اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی اور اسی سلسلہ میں دو بار فرمایا کہ اسی ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب قول النبی صلعم۔

زیادہ محبوب ہو۔[1]

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم ایمن رضہ کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضہ نے حضرت عمر رضہ سے فرمایا کہ آؤ چلیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے اسی طرح ہم بھی ان سے ملاقات کر آئیں، چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو خدا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو درجہ ہے وہ نہایت بہتر ہے، بولیں میں اس لئے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لئے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا اس پر یہ دونوں بزرگ بھی رونے لگے۔[2]

عام صحابیات کے علاوہ ازواج مطہرات کو جو عزت حاصل تھی عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ جب رسول اللہ صلعم کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضہ سجدے میں گر پڑے، لوگوں نے کہا آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ بولے جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو، پھر ازواج مطہرات کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہوگی؟[3] مقام سرف میں حضرت میمونہ رضہ نے وفات پائی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضہ بھی ساتھ تھے۔ بولے کہ یہ میمونہ ہیں ان کا جنازہ اٹھاؤ

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب قول النبی صلعم [2] مسلم باب من فضائل ام ایمن [3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ۔

تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو۔[1]

بعض صحابہ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہرات پر اپنی جائدادیں وقف کرتے تھے چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضؓ نے ازواج مطہرات کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار ہزار پر فروخت کیا گیا تھا۔[2]

خلفاء ازواج مطہرات کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے تھے جب ان کے پاس میوہ یا اور کوئی کھانے کی چیز آتی تو ان پیالوں میں بھر کے تمام ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے۔[3]

سنہ ۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہراتؓ کو بھی نہایت عزت کے ساتھ ہمراہ لے گئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے اور کسی کو سواریوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے، ازواج مطہرات منزل پر اترتی تھیں تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[4]

عام مسلمان ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن عقیدت رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لئے دعائے برکت فرماتی تھیں۔[5] حضرت عائشہ بنت طلحہ نے حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش

---

[1] نسائی کتاب النکاح ذکر امر رسول اللہ صلعم فی النکاح و ازواج وما اباح اللہ عزوجل۔

[2] ترمذی کتاب المناقب حضرت عبدالرحمن بن عوف [3] موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ

[4] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن بن عوف [5] ادب المفرد باب الطیرہ من الجن

پائی تھی ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس حاضر ہوتے تھے اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہ رضؓ سے تقرب حاصل تھا اس لئے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے [1]

غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا اور خلفائے راشدین اور عام مسلمانوں نے اسی درجہ کو قائم رکھا۔ لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب، اخلاق اور حسن معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا اور آج بھی انہیں چیزوں سے عورتیں اپنے درجہ کو بلند کر سکتی ہیں۔ ع سیرت عائشہ

اُمّ المومنین

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

تمام دُنیا میں سب سے پہلی مسلمان عورت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بی بی حضرت خدیجہ رضؓ ہیں جو اسلام سے پہلے بھی طاہرہ مشہور تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پندرہ برس پہلے یہ پیدا ہو چکی تھیں اور ان کے والد کا نام خویلد تھا جو عرب کے نہایت ذی عزت اور خاندانی شخص تھے۔ والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ خدیجہ رضؓ کی قسمت میں جناب سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بننے کی سعادت خداوند کریم

---

[1] ادب المفرد باب الکتابۃ الی النساء۔

نے لکھی تھی لہذا ویسے ہی اسباب پیدا فرما دیئے یعنی ان کے دو نکاح ہوئے مگر دونوں خاوند زندہ نہ رہے ان کے والد نے ان کی شادی دستور کے مطابق اپنے خاندان کے ایک شخص سے کردی جن کو ابوہالہ کہتے تھے ان سے دو بچے پیدا ہوئے کچھ دنوں کے بعد ابوہالہ کا انتقال ہوگیا۔ تھوڑے عرصہ بعد خدیجہ رضؓ کا نکاح عتیق نامی ایک شخص سے کر دیا گیا۔ عرصہ تک اُن کے ساتھ رہیں اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اتفاق سے اُن کو حکم خداوندی پہنچا اور یہ بھی رُخصت ہوگئے۔

اب حضرت خدیجہ رضؓ بیوگی کے دن گزارنے لگیں۔ گو قریش کے بڑے بڑے ذی وجاہت اور معزز لوگ ان سے نکاح کی آرزو رکھتے تھے لیکن چونکہ ان کے لئے ایک خاص فضیلت اور امتیاز مقدر ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے نکاح کرنا منظور نہ کیا۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ساتھ نکاح اور تجارت

حضرت خدیجہ رضؓ نہایت عزت و فراغت سے زندگی گزارتی تھیں کچھ مال ان کے باپ کا تھا اور کچھ خاوند کا چھوڑا ہوا تھا اس کو انہوں نے کھویا نہیں بلکہ اپنی خداداد عقل اور عمدہ تدبیر دل سے اسے بڑھانا شروع کیا جس سے ایک نہایت باثروت اور قریش کی عورتوں میں سب سے زیادہ مالدار خاتون سمجھی جاتی تھیں۔

جن غریب لوگوں کو ہوشیار اور معتبر سمجھتیں ان کو اپنا مال سپرد کردیتیں کہ فلاں جگہ جاکر فروخت کر آؤ تم کو تمہارا حصہ مل جائے گا وہ لوگ مال لے جاکر فروخت کرتے اور وہاں سے ان کی فرمائش کے مطابق دوسرا مال خرید لاتے جس سے حضرت خدیجہ رضؓ کو بھی بہت منافع ہوتا

اور ان لوگوں کو بھی اتنا معاوضہ مل جاتا کہ وہ خوش ہو جاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اگرچہ اس وقت تک ظہور نہ ہوا تھا لیکن آپ کی دیانت وامانت کا تمام مکہ والوں میں شہرہ تھا اور ہر ایک کو آپ کے برگزیدہ اور پاک اخلاق کا اعتبار تھا اس لئے آپ امین کے لقب سے مشہور تھے یہ شہرت اور بزرگی حضرت خدیجہ رضہ سے بھی پوشیدہ نہ تھی اس لئے انھوں نے چاہا کہ اپنی تجارت آپ کے سپرد کر کے آپ کی دیانت سے نفع اٹھائیں چنانچہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ اگر آپ ہمارا تجارتی مال شام لے جائیں تو ہم اپنا غلام آپ کی خدمت کے لئے ساتھ کر دیں اور دوسرے لوگوں کو نفع میں سے جو کچھ دیا جاتا ہے اس سے زیادہ آپ کی خدمت کریں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت نے بلند ہمت اور وسیع الخیال انسان بنایا تھا اس لئے اس بعید سفر اور تجارت کے تعلق سے مطلق نہ گھبرائے اور فوراً منظور فرما لیا۔ اسباب تجارت اور حضرت خدیجہ رضہ کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر شام کی طرف تشریف لے گئے وہاں اس مال کو نہایت عقلمندی سے بہت نفع کے ساتھ آپ نے فروخت کیا اور شام سے دوسرا مال خرید کر واپس ہوئے۔ مکہ میں لا کر حضرت خدیجہ رضہ کو مال سپرد کیا جس کی فروخت سے حضرت خدیجہ رضہ کو یہاں دوچند نفع ہوا۔

اب تو حضرت خدیجہ رضہ پر آپ کی دیانت داری اور حسن انتظام نے اور زیادہ اثر کیا اور ان کے دل میں آپ کی قدر اور زیادہ ہو گئی۔ شام کے راستہ میں جب آپ ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے تو ایک راہب نے جس کا نام نسطورا تھا آپ کو دیکھا اور نبی آخر الزمان کی جو علامات اس

نے اپنی کتابوں میں پڑھی تھیں آپ میں دیکھ کر پہچان گیا راہب میسرہ کو جانتا تھا اس نے میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں اس نے کہا کہ مکہ کے رہنے والے خاندان قریش کے ایک شریف جوان ہیں۔ راہب نے کہا کہ یہ نبی ہوں گے کیونکہ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں ٹھہرتا۔ میسرہ نے یہاں سے واپس ہونے پر اس واقعہ کا ذکر بھی حضرت خدیجہ رضؓ سے کر دیا چونکہ حضرت خدیجہ رضؓ ایک ذی فہم اور عقلمند عورت تھیں ان تمام باتوں کے دیکھنے اور سننے سے ان کو آپ کے ساتھ سچا اعتقاد اور خالص اُنس ہو گیا۔ جس بناء پر حضرت خدیجہ رضؓ نے ارادہ کر لیا کہ اگر آنحضرتؐ منظور فرماویں تو آپ ہی سے نکاح کر لیں۔

حضرت خدیجہ رضؓ نے یعلی بن امیہ کی بہن نفیسہ کو نکاح کا پیغام دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ دنیاوی مال و متاع میرے پاس نہیں ہے لہذا فی الحال نکاح کا ارادہ نہیں۔ نفیسہ نے عرض کی کہ اگر ایسی جگہ نکاح ہو جائے کہ جہاں آپ کے مال کی ضرورت نہ ہو بلکہ مال بھی موجود ہو اور خاندانی شرافت و عزت بھی تو کیسا ہے آپ نے فرمایا کہ ایسا موقع کہاں ہے۔ تب نفیسہ نے بیان کیا کہ حضرت خدیجہ رضؓ آپ کے حسن اخلاق اور پاک خصلت اور شرافت کی وجہ سے آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہیں اس کے علاوہ آپ میں اور ان میں دور کی قربت بھی ہے۔

آپ نے اس نسبت کو بلا تکلف منظور فرما لیا اور اپنے چچا حضرت حمزہ رضؓ وغیرہ سے اس کا ذکر کیا سب نے اس کو پسند کیا۔

چوں کہ حضرت خدیجہ رضؓ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضؓ کو ساتھ لے کر حضرت خدیجہ رضؓ کے چچا

عمرو بن اسد کے پاس دستور کے مطابق رشتہ یا پیام نکاح کے لئے تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ شرافت خاندانی سے کون واقف نہ تھا اور آپ کے پاکیزہ اخلاق کی مکہ میں کس کو خبر نہ تھی پھر عمرو بن اسد اس مبارک تعلق سے کیسے انکار کر سکتے تھے انہوں نے بھی منظور فرمالیا۔

نکاح کے لئے آپؐ کے چچا ابو طالب وغیرہ آپ کے ہمراہ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر گئے وہاں عمرو بن اسد حضرت خدیجہ رضؓ کے چچا نے قاعدہ کے مطابق نکاح کا خطبہ پڑھا پھر ابو طالب نے بھی خطبہ پڑھا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضؓ کے چچا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا عقد کر دیا اور پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔ آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس عقد سے بڑی خوشی ہوئی اور آپ نے ایک اونٹ ذبح کر کے ولیمہ بھی کیا یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ظاہر ہونے میں پندرہ برس باقی تھے اور آپ کی عمر شریف پچیس سال کی تھی۔

جو لوگ حضرت خدیجہ رضؓ کے نکاح کی امید میں تھے ان کو اس واقعہ سے بہت مایوسی ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ نہ معلوم حضرت خدیجہ رضؓ کی عقل پر کیا پردہ پڑ گیا کہ ایک غیر غنی سے نکاح کر بیٹھی۔ حضرت خدیجہ رضؓ کو جب یہ خبر پہونچی تو کہہ دیا کہ میرے پاس جو کچھ مال ہے وہ سب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے دیتی ہوں پھر تو آپ سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے۔ اسی واقعہ کی طرف سورۂ والضحیٰ میں خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دیکھو اے محمدؐ تم مفلس تھے ہم نے (خدیجہ رضؓ کے مال سے) تم کو مالدار بنا دیا۔

حضرت خدیجہ رضؓ اور آپ ساتھ رہنے لگے۔ حضرت خدیجہ رضؓ آپؐ کی

دل سے عزت کرتی تھیں اور ہر بات میں آپ کی مرضی کو مقدم سمجھتی تھیں۔ آپ بھی نہایت مروت و محبت سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے تھے اب جو کچھ حضرت خدیجہ رضہ کے پاس تھا وہ آپ ہی کا سمجھا جاتا تھا۔ اب دنیاوی فکر سے آپ کو بالکل آزادی ہو گئی اور پہلے سے زیادہ فراغت و اطمینان کے ساتھ عبادت میں مشغول رہنے لگے۔

حضرت خدیجہ رضہ کی اولاد

حضرت خدیجہ رضہ کو ایک یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضہ سے ہوئی اور کسی سے اولاد نہیں ہوئی۔ صرف آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ام المومنین ماریہ قبطیہ رضہ کے بطن سے تھے جو والی مصر مقوقس کی نذر کردہ تھیں۔ جن سے آں حضرت نے نکاح کیا تھا۔ (مستدرک حاکم)

حضرت خدیجہ رضہ کے پہلے خاوند (ابو ہالہ) سے دو بچے پیدا ہوئے۔ لڑکے کا نام ہالہ اور لڑکی کا نام ہند تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد عرصہ تک حضرت خدیجہ رضہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پانچ سال کے بعد چار لڑکیاں۔ زینب رضہ، رقیہ رضہ، ام کلثوم رضہ، فاطمہ رضہ اور دو لڑکے قاسم و عبداللہ پیدا ہوئے۔ یہ سب اولاد اس عرصہ میں ہوئی جو نبوت سے پہلے حضرت خدیجہ رضہ کو آپ کے ساتھ رہتے گزرا ہے سب اولاد میں بڑی زینب رضہ تھیں جو آپ کی نبوت کے ظہور سے دس برس پہلے مکہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص سے کر دیا تھا۔ ابوالعاص کی والدہ کا نام ہالہ تھا (خویلد کی بیٹی تھیں اور حضرت خدیجہ رضہ کی بہن)۔ ہجرت کے گیارہویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

سے دو برس پہلے زینب رضؓ کا انتقال ہو گیا۔ جب عورتیں ان کو غسل دینے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر کھڑے ہوئے غسل و کفن کی ترکیب بتاتے جاتے تھے۔

دوسری بیٹی رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ (تیسرے خلیفہ) سے ہوئی تھی انہوں نے مدینہ جانے کے بعد ہجرت کے دوسرے سال وفات پائی اور ان کے بعد ان کی چھوٹی بہن اُم کلثوم رضؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے ہو گیا اسی لئے حضرت عثمانؓ کو ذی النورین (دو نور والے) کہتے ہیں۔ ان کی بھی عمر بہت کم ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سال پہلے ۹ھ میں اپنی بہن کے پاس قبر میں جا کر آرام کیا۔

لڑکیوں میں سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ رضؓ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں اور مدینہ جانے کے بعد دوسرے سال رمضان المبارک میں حضرت علی رضؓ سے نکاح ہوا۔ امامؑ حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور ام کلثوم زوجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زینب انہیں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل دنیا میں جاری ہے حضورؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد عالم جاودانی کو رخصت ہوئیں۔

صاحبزادوں میں سب سے پہلے قاسم رضؓ پیدا ہوئے انہیں کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو القاسم (یعنی قاسم کے باپ) کہتے ہیں یہ صرف ڈیڑھ سال کی عمر پا کر انتقال کر گئے۔ مکہ میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں وفات پائی۔ آپؐ کی اولاد میں سب سے پہلے انہیں کی وفات ہوئی۔

ان کے بعد دوسرے صاحبزادے عبد اللہ رضؓ پیدا ہوئے اور بہت تھوڑے دن دنیا کی ہوا کھا کر گوشہ قبر میں جا سوئے۔ خدا کی رضا پر راضی

رہنے والے صابر وشاکر ماں باپ جس طرح اپنی اولاد کے مرنے پر صبر کرتے ہیں اسی طرح حضرت خدیجہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صدمات کو صبر سے برداشت کیا ان کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کے طیب و طاہر دو اور لڑکوں کا ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ عبداللہ ہی کو طیب و طاہر کہتے تھے کوئی دوسرے لڑکے نہ تھے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سب سے پہلے اور سب سے چھوٹے ابراہیمؓ ہیں مگر یہ حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں داخل نہیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کے آٹھویں سال ذی الحجہ میں ماریہ قبطیہ[1] سے پیدا ہوئے اور پیدائش کے وقت ابورافع کی بی بی (سلمہ) ماریہ کے پاس تھیں انہوں نے اپنے خاوند سے کہا کہ جاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دو کہ ماریہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے آپ نے یہ خوش خبری سن کر ابورافع کو ایک غلام انعام دیا اور کچھ کپڑا بھی دیا اور نہایت خوش ہوئے ساتویں روز عقیقہ کیا اور ابراہیم نام رکھا ان کے بالوں کے وزن

---

[1] ماریہ قبطیہ قبطی قوم سے تھیں اس لئے ماریہ قبطیہ کہتے ہیں اسکندریہ کے حاکم مقوقس نے ماریہ اور ان کی بہن سیرین ایک غلام ایک خچر ایک کپڑا ایک اونٹ اور بہت سے سونا ۷ھ میں مدینہ تحفۃً بھیجا تھا آپ نے ماریہ کی بہن سیرین کو حضرت حسان (اسلامی شاعر) کو دے دیا اور ماریہ کو اپنے لئے رکھ لیا انہیں سے ابراہیم پیدا ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ برس زندہ رہیں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۱۶ھ میں انتقال کیا۔ حضرت عمرؓ ان کے جنازے کے لئے لوگوں کو خود بلاتے پھرتے تھے۔ اللہ اللہ ان بزرگوں کے دل میں رسول برحق کی کتنی قدر تھی کہ آپ کی بی بی کے جنازے کے لئے اس قدر اہتمام تھا۔

کے برابر آپ نے چاندی خیرات فرمائی اور بالوں کو دفن کر دیا۔

آپ نے ان کو پرورش کرنے اور دودھ پلانے کے لئے ایک عورت (ام سیف) کے سپرد کر دیا تھا جن کے خاوند کا نام ابوسیف تھا اور آہنگری کا کام کرتے تھے اللہ اللہ اولاد کی محبت سب کو ہوتی ہے بلکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس کو اولاد پر شفقت نہ ہو تو سمجھو کہ خدا نے اس کے دل سے اپنی رحمت کو نکال لیا ہے باوجود ابوسیف کا مکان بہت دور تھا مگر آپ اپنے پیارے بچے کو دیکھنے کے لئے کبھی کبھی تشریف لے جاتے ابوسیف اپنی آہنگری کے کام میں مشغول ہوتے اور مکان دھوئیں سے بھرا رہتا صحابہ آگے دوڑ کر خبر کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں تب دھواں موقوف کرتے۔ جب آپ ابراہیم کی زیادہ بیماری کی خبر سن کر تشریف لے گئے ہیں تو ایسے وقت پہنچے کہ بچے کو ہچکیاں آ رہی تھیں اور روح جنت کو جانے کے لئے تیار تھی یہ منظر دیکھ کر اس رحمت عالم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لوگوں نے تعجب سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی آنسو بہاتے ہیں آپ نے فرمایا دل سے رنج کرنے اور آنکھ سے رونے میں کوئی حرج نہیں یہ تو خدا کی رحمت ہے ہاں بدن نوچنا اور چلا کر رونا شیطانی کام ہے۔

ان کی وفات ہجرت کے دسویں سال سولہ مہینے کی عمر میں ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی اور آپ نے نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ ان کو جنت البقیع میں دفن فرمایا ان کی قبر پر پانی چھڑکا اسی روز اتفاق سے آفتاب کا گرہن ہوا لوگوں نے خیال کیا کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے آفتاب کو گرہن لگا ہے آپ نے اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ چاند سورج کو کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے گہن نہیں لگتا یہ صرف خدا تعالیٰ کی قدرت کے نشان

ہیں جن سے بندوں کو ڈرا دیتا ہے کہ دیکھو ہم ایسی بڑی بڑی روشن چیزوں سے کس طرح نور چھین سکتے ہیں۔

نبوت کا ظہور اور حضرت خدیجہؓ کی تصدیق

حضرت خدیجہ رضؓ سے نکاح ہو جانے کے بعد پندرہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضؓ کو آرام سے زندگی بسر کرتے گزر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی نبوت کے اظہار اور دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلانے کا زمانہ آگیا۔ چھ مہینے سے آپ کو ایسے خواب نظر آنے لگے تھے کہ جو کچھ رات کو خواب میں نظر آتا بالکل وہی ظاہر ہو جاتا۔ آپؐ کی عادت تھی کہ مکے کے ایک پہاڑ حرا کی کھوہ میں جس کو غار حرا کہتے تھے عبادت کیا کرتے تھے حضرت خدیجہ رضؓ کچھ کھانا ساتھ کر دیتیں اور آپؐ کئی کئی روز تک وہیں عبادت میں مشغول رہتے اسی عادت کے مطابق ایک مرتبہ کئی روز تک عبادت میں مصروف رہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے (حضرت جبرئیلؑ) نے انسانی صورت میں آکر آپ کو نبوت کا پیام پہنچایا۔ تین بار آپؐ کو سینے سے لگا کر زور سے دبایا اور سورۂ اقراء کی شروع کی آیتیں پڑھائیں۔

چونکہ یہ سب سے پہلا واقعہ تھا اور نبوت کا بار اٹھانا کوئی آسان کام نہ تھا اس لئے آپ گھبرا گئے کانپتے ہوئے مکان پہنچے اور حضرت خدیجہ رضؓ سے فرمایا کہ مجھے چادر اڑھا دو۔ جب ذرا دل قابو میں ہوا تو اپنے دکھ درد اور مشکل کام کا ایک سچے غم خوار اور ہمدرد سے بیان کرتے ہیں حضرت خدیجہ رضؓ سے تمام حال بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے اس امر میں جان کا خوف ہے۔

حضرت خدیجہ رضؓ کو جو ایک تجربہ کار اور دانشمند عورت تھیں یہ واقعہ

سن کر فوراً آپ کی نبوت کا یقین آگیا اور ایمان لے آئیں اور تسلی و تشفی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں آپ میں چونکہ بہت سی عمدہ خصلتیں موجود ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں مہمانوں کی تواضع اور رشتہ داروں سے شفقت سے پیش آتے ہیں اس لئے خدا سے امید ہے کہ وہ کوئی ایسی بات آپ کے ساتھ نہ کریگا جس میں آپ کے واسطے کسی نقصان کا احتمال ہو آپ نے اس تسلی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے چچازاد بھائی کے پاس لے گئیں جن کا نام ورقہ بن نوفل تھا وہ بہت بوڑھے ضعیف العمر قدیم زمانے کے شخص اور توریت و انجیل کے عالم تھے ورقہ نے تمام حال سن کر نہایت خوشی سے کہا کہ بیٹا گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے نبوت مبارک ہو بے شک یہ وہی فرشتہ تم کو نظر آیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔

نبوت کے عطا ہونے کا یقین تو آپ کو غار ہی میں ہو گیا جب فرشتہ نے آکر قرآن پڑھایا لیکن ابتدا میں کسی بڑے مشکل کام کو کرنے سے جیسے دل ڈرتا ہے اسی قسم کا اندیشہ آپ کو تھا حضرت خدیجہ رضؓ اور ورقہ کی تسلی سے وہ بھی جاتا رہا۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ایسے وقت میں آپ کو تسلی دینے اور ہمت بندھانے سے خود حضرت خدیجہ رضؓ کی ہمت بلند اور دانشمندی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے یہی ایک بڑی فضیلت ہے جو ان کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہوئی۔

اب وہ زمانہ شروع ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کا پیام پہنچایا کرتے اور عرب کے لوگ جن بتوں کو صدہا برس سے پوجتے چلے آئے تھے ان کو چھڑا کر خدائے واحد کی عبادت کرنے اور کفر سے توبہ کرنے کی تلقین فرماتے اسی بنا پر تمام لوگ آپ کے دشمن ہو گئے طرح طرح

کی تکلیفیں پہنچانے کی تدبیریں کرنے لگے اور بہت سی اذیتیں دینی شروع کر دیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت و استقلال کے آگے ان لوگوں کی کچھ نہ چلی اور آپؐ نہایت مستعدی سے کلمہ حق کی اشاعت میں مشغول رہے۔

پوری قوم کا مخالف ہو جانا ایک تنہا ہستی کے مقابلہ میں کچھ تھوڑی مصیبت نہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ عزیزوں اور رشتہ داروں نے بھی مخالفین کا ساتھ دیا اس مصیبت کے زمانہ میں اگر کوئی بہ ظاہر مددگار اور ہم نوا تھا تو وہ صرف آپ کے چچا ابوطالب تھے یا حضرت خدیجہ رضؓ۔ ابوطالب چونکہ قریش کے سردار اور بزرگ سمجھے جاتے تھے اس لئے لوگ ان کا ادب کرتے تھے اور اکثر دفعہ صرف ان ہی کے رعب اور لحاظ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کے ارادے سے رُک جاتے تھے۔

خاندانی شرافت اور عزت کے ساتھ جب کسی شخص کو دنیاوی عروج اور ثروت حاصل ہوتی ہے اور کچھ لوگ اس کے سہارے پر گزارہ کرنے والے ہوتے ہیں تو عام لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی شرافت اور ثروت کا بھی لوگوں کو بہت لحاظ تھا اور حضرت خدیجہ رضؓ بھی آپ کو تکلیف سے بچانے اور آپؐ کی حفاظت کی پوری کوشش کرتی تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب آپ کی باتوں کو حق سمجھتے تھے اور دل میں جانتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتا ہے وہی حق ہے لیکن اسلام قبول کرتے ہوئے شرم کرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ ابوطالب جیسا عقلمند سردار ایک بچے کی باتوں میں آگیا جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے

آپ کی ہر طرح کی حمایت اور محبت و شفقت میں بھی کوئی کمی نہ رکھتے تھے اور آپ کے نہایت زبردست پشت پناہ و مربی سمجھے جاتے تھے اور ان کا رعب اور وجاہت اور حضرت خدیجہ رضؓ کی دنیاوی عزت و شرافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی ایذا رسانی سے بچانے کے لئے ایک بہت بڑے محافظ کا کام دیتی تھی۔"

اب خداوند تعالیٰ کو یہ دکھانا منظور تھا کہ بلا ظاہری نصرت کے ہم اپنے سچے نبی کی کیسے حفاظت کرتے ہیں اور کس طرح ان کے دین کو مشرق سے مغرب تک پھیلاتے ہیں۔"

ابو طالب کی عمر اسی برس سے زیادہ ہو گئی تھی۔ نبوت کے دسویں سال ذیقعدہ کے مہینے میں ان کو پیام اجل پہنچا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے انتقال کے رنج کے ساتھ اس کا بھی نہایت افسوس رہا کہ وہ آخر دم تک ایمان نہیں لائے۔

جس شخص کی تمام قوم اور رشتہ دار دشمن اور جان کے خواہاں ہوں اور دنیا میں کوئی اپنی طرف نظر نہ آتا ہو اس کو ایسے مہربان چچا کے دنیا سے اٹھ جانے کا جو کچھ صدمہ ہو بجا ہے اور وہ جتنا رنج کریں تھوڑا ہے۔

یہی مصیبت آپ کے مبارک اور پاک دل کو پریشان کرنے کے لئے کچھ کم نہ تھی کہ ایک اور صدمہ سے دوچار ہونا پڑا یعنی ہمیشہ کی ہمدرد و ہمدم خادمہ اور جاں نثار بی بی سے بھی جدائی کی گھڑی آ گئی۔ یعنی ابو طالب کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ رضؓ کو سفر آخرت پیش آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو دسواں سال تھا کہ اس نیک دل، پاک بی بی نے پینسٹھ سال کی عمر میں اس چند روزہ دنیا سے منہ پھیر کر آخرت کا رستہ لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جدائی سے بہت رنج ہوا۔ اس وقت تک نماز جنازہ کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے غسل و کفن کے بعد ان کو مدینہ کے مقبرہ حجون[1] میں دفن کیا گیا۔

اب تو آپ پر دوہرا صدمہ اور دو طرفہ مصیبت ہو گئی جس کو آپ نے راضی بہ رضا و قضا ہو کر نہایت صبر و شکر سے برداشت کیا۔ آپؐ پر اس قدر رنج غالب تھا کہ اندیشہ ہوتا تھا کہ دیکھئے آپ بھی زندہ رہتے ہیں یا نہیں۔

حضرت خدیجہ رضؓ کی محبت اور سچے دل سے خدمت گزاری کا خیال تو آپ کو ہمیشہ ہی رہا اور تمام عمر یاد فرماتے رہے لیکن عرصہ تک ان کی وفات کا بہت اثر اور رنج خاطر مبارک پر رہا۔ حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح ہو جانے کے بعد اس رنج میں تخفیف ہو گئی۔

حضرت خدیجہ رضؓ نے بیس سال چھ ماہ آپؐ کی خدمت بابرکت اور نکاح میں رہ کر آپ کو آرام پہنچایا یہ مدت نہایت خوبی سے بسر ہوئی وہ بھی دل سے آپ کی قدر کرتی تھیں اور آپ کو بھی پوری محبت تھی جب تک یہ زندہ رہیں دوسرا نکاح آپ نے نہیں کیا اور ان کے بعد باوجود کئی نکاح ہو جانے کے برابر ان کو یاد فرما کے تعریف کیا کرتے تھے۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ گھر میں تشریف لاتے ہوں اور ان کا ذکر نہ آجاتا ہو۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگرچہ حضرت خدیجہ رضؓ کو میں نے دیکھا بھی نہیں اور وہ میرے آنے سے بہت پہلے دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں لیکن مجھے اتنی غیرت اور رشک آپ کی کسی بی بی پر نہیں آتا جتنا حضرت خدیجہ رضؓ

---

[1] حجون ایک پہاڑ کا نام ہے وہیں قبرستان ہے اب اس کو جنت المعلیٰ کہتے ہیں۔

پڑ آتا تھا آپ ان کو اکثر یاد فرماتے رہتے اگر کبھی کوئی چیز تقسیم کرنے کے قابل ہوتی تو آپ تلاش کر کے حضرت خدیجہ رضہ کی ہمجولیوں اور سہیلیوں کو بھیجا کرتے تھے وفاداری اور یادگاری کی کتنی بہترین مثال ہے۔

حضرت خدیجہ رضہ کی وفات کو عرصہ گزرنے کے بعد ایک دفعہ آپ گھر میں تشریف فرما تھے کہ باہر سے حضرت خدیجہ رضہ کی بہن نے آواز دی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو حضرت خدیجہ رضہ کی آواز سمجھ کر چونک پڑے پھر فوراً ہی خیال آ گیا کہ ان کی بہن پکارتی ہیں۔

ایک روز آپؐ نے بہت تعریف فرمائی تو حضرت عائشہ رضہ نے کہا کہ بس اب قریش کی ایک بڑھیا کو کہاں تک یاد کیجئے گا خدا نے آپ کو اس سے اچھی بیبیاں عطا فرما دی ہیں اور آپ غصہ سے کانپ اٹھے اور فرمایا نہیں اس سے بہتر زوجہ نہیں ملی اس نے ایسے وقت میری بات کو مانا اور ایمان لائی جبکہ تمام لوگ مجھ کو جھٹلاتے تھے اور ایمان نہیں لاتے تھے اور اپنے مال سے ایسے وقت میں میری مدد کی ہے کہ جب کسی کے مال سے بھی مجھے سہارا نہ تھا اور خدا نے مجھے اس سے اولاد عطا کی اور سب بیبیوں کی اولاد سے محروم رکھا۔ حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں کہ پھر تو میں نے عہد کر لیا کہ حضرت خدیجہ رضہ کو کبھی کسی برائی سے نہ یاد کروں گی۔ ایک بہت بڑی عزت و فضیلت جو دُنیا میں کسی کو حاصل نہیں حضرت خدیجہ رضہ کو یہ حاصل ہے کہ وہ تمام دنیا میں سب سے پہلے ایمان لائیں۔ ان سے پہلے نہ کوئی مرد ایمان لایا تھا نہ عورت نہ بوڑھا اور نہ بچہ اول ہی مرتبہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا سے تشریف لا کر اپنی نبوت اور فرشتہ کا حال بیان فرمایا تو انہوں نے اسی وقت گواہی دی اَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللہِ (بے شک تم خدا کے رسول ہو) اس کے

بعد جو کچھ امداد و اعانت ان کی ذات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی اور آپ کے رنج و مصائب میں ان کی وجہ سے جس قدر تخفیف ہوئی اس کا بیان ہو چکا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک مرتبہ آکر عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رض ایک برتن میں کھانا لئے ہوئے آتی ہیں جب آپ کے پاس پہنچیں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اور میری جانب سے سلام کہدیجے اور ان کو جنت میں ایک موتی کا محل مل جانے کی خوشخبری سنا دیجیے گا جس میں آرام ہی آرام ہوگا۔ تکلیف کا نام نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین و آسمان کی بہترین عورتوں میں حضرت خدیجہ رض ہیں ان دینی فضیلتوں کو لئے ہوئے جن کا اندازہ ان کے حالات سے ہو سکتا ہے حضرت خدیجہ رض عقل و دانش، ہوشیاری و بلند ہمتی کے زیور سے بھی آراستہ تھیں۔ حضرت خدیجہ رض کی دانشمندی کی ایک بہت بڑی مثال یہ بھی تھی کہ آپ کو اپنی تجارت کے لئے پسند کیا تھا۔

غرض کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہ رض کی وفات کے بعد دشمنوں کو تکلیف پہنچانے کا موقعہ مل گیا اور خوب مخالفت کی آپ تمام تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے مکہ میں رہا کئے یہاں تک کہ تین سال کے بعد جن دنوں میں کافر آپ کے قتل کا ارادہ کر رہے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو وطن چھوڑنے کا حکم فرمایا اور آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے جہاں پہنچ کر اسلام کو وہ رونق اور ترقی ہوئی کہ تمام دنیا میں کلمہ حق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آواز پہنچ گئی۔ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وازواجہ وسلم۔

(ماخوذ از اسوہ صحابیات و الصحابیات)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلیفہ اور سب سے افضل صحابی تھے. حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ آپ کی بیٹی تھیں ان کی والدہ کو اُم رُدمان کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چار سال ہو چکے تھے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پیدا ہوئیں۔

چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا گھر نور اسلام سے روشن ہو چکا تھا اس لئے ان کی ولادت پر کسی قسم کے رنج و ناراضی کا ظہور نہیں ہوا جیسا کہ عرب کے لوگوں میں ایام جہالت میں لڑکیوں کی پیدائش پر ہوتا تھا بلکہ ایک قسم کی مسرت کا اظہار کیا گیا اور جس طرح ایک سیدھی سادھی طرز پر زندگی بسر کرنے والوں کی اولاد پرورش پاتی ہے اسی طرح حضرت عائشہ رضؓ کی پرورش ہوئی خدا تعالیٰ کے سوا ابھی کسے خبر تھی کہ اس لڑکی کے مبارک نصیب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ عزیز بی بی بننے کی سعادت لکھی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بی بی حضرت خدیجہ رضؓ کا چونکہ انتقال ہو چکا تھا لہذا آپ کو نکاح کی ضرورت تھی۔

عثمان بن مظعونؓ[1] کی بی بی نے ایک مرتبہ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] رسول اللہ صلعم کے خاص صحابی ہیں مسلمان ہونے سے پہلے بھی شراب نہیں پیتے تھے مکہ سے جو لوگ آپ کے ہمراہ مدینہ آئے ان میں سب سے پہلے مدینہ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ انتقال کے بعد آپ نے ان کے چہرہ کو بوسہ دیا اور بقیع میں سب سے پہلے ان کو دفن کیا ان کی قبر پر آپ نے نشان کے لئے پتھر رکھ دیا تھا۔

علیہ وسلم آپ نکاح کیوں نہیں کرتے آپ نے فرمایا کس سے نکاح کریں انہوں نے عرض کیا کنواری اور بیوہ ہر قسم کی عورتیں موجود ہیں اگر آپ کنواری لڑکی سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے سب سے زیادہ عزیز دوست ابوبکرؓ کی بیٹی موجود ہے اور اگر بیوہ سے کرنا ہے تو زمعہ کی بیٹی سودہؓ سے ہو سکتا ہے جو آپ کے ساتھ خدا تعالیٰ پر ایمان لاکر آپ کی تمام باتوں کو مان چکی ہیں۔

چونکہ دونوں موقع نہایت مناسب تھے آپ نے فرمایا دونوں جگہ جاکر ذکر کرو جہاں ہو جائے گا بہتر ہے۔ عثمان بن مظعون کی زوجہ ایک دانشمند عورت تھیں اول حضرت صدیق اکبرؓ کے مکان پر گئیں اور نہایت خوبی سے اظہار مدعا کیا۔ جو خاندان رسول برحق پر جاں نثاری اور آپ کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے کو ہمیشہ دوسروں سے آگے رہتا تھا اسے اس عزت کو نہایت خوشی سے قبول کرنے میں کیا انکار ہو سکتا تھا۔ لیکن چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہمی دوستی کی وجہ سے بھائی سمجھے جاتے تھے اور اس علاوہ سے حضرت عائشہؓ آپ کی بھتیجی ہوتی تھیں اس لئے عائشہؓ کا نکاح آپ سے ہو سکتا ہے یا نہیں اسی خیال سے کہا کہ عائشہؓ کے والد آجاتے ہیں ان کو آنے دو وہ آئیں تو جواب دیں اسی وقت حضرت ابوبکرؓ بھی تشریف لے آئے ان سے اس کا ذکر کیا تو ان کو بھی یہی خیال ہوا اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو میرے بھائی ہیں عائشہؓ کا نکاح ان سے کیسے ہو سکتا ہے۔

عثمانؓ کی بی بیؓ نے یہ سب حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا آپ نے فرمایا کہ جاکر کہہ دو بے شک ابوبکرؓ میرے اسلامی بھائی ہیں لیکن ان کی لڑکی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے کیونکہ وہ رشتہ کے حقیقی بھائی نہیں۔ انہوں نے جب حضرت ابوبکرؓ سے یہ کہا تو حضرت صدیق اکبرؓ

نے نہایت خوشی سے رشتہ منظور کر لیا اور فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاہیں تشریف لائیں نکاح کر دیا جائے گا۔

اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ظاہر ہوئے دس برس ہو چکے تھے اور عائشہ رضہ کی چھ سال کی عمر تھی شوال کا مہینہ تھا آپ اور بعض خاص لوگ حضرت ابوبکر رضہ کے مکان پر تشریف لائے اور اسلام کے قاعدہ کے مطابق سیدھا سادھا نکاح ہو گیا۔

یہ زمانہ عائشہ رضہ کے ایسے بے خبری اور بچپن کا تھا کہ ان کو نکاح کی خبر بھی نہ ہوئی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ دین و دنیا کی سب سے بڑی دولت، برکت اور عزت جو کسی عورت کو مل سکتی ہے مجھ کو حاصل ہوئی اسی کم عمری کی وجہ سے رخصت بھی ابھی ملتوی رہی۔

حضرت ابوبکر رضہ کو جاں نثار دوست اور خادم خاص ہونے کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگرچہ پہلے سے حاصل تھا مگر اس رشتہ اور تعلق سے ایک خاص عزت امتیاز حاصل ہو گیا سودہ رضہ کے پاس جو پیام گیا تھا وہ بھی منظور ہو گیا اور نکاح ہو کر یہ آپ کے مکان پر بھی آ گئیں اس کے بعد تین برس کے قریب سب لوگ مکہ میں رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ پیش آیا جو آپ کی زندگی کا ایک ممتاز واقعہ اور اسلام کے لئے ایک شاندار حکم تھا جب آپ مدینہ میں جا کر اطمینان سے ٹھہر گئے تو زید بن حارثہ کو ابو رافع[1] کے ساتھ دو اونٹ اور پانچسو درہم

---

[1] ابو رافع عباس رضہ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرت صلعم کو دے دیا تھا جب عباس رضہ کے مسلمان ہونے کی خوشخبری لائے تو آنحضرت[2] نے ان کو آزاد کر دیا تھا زید بن حارثہ جب بچے تھے تو ان کی والدہ ان کو لے کر ان کی ننہیال میں گئی تھیں وہاں ڈاکو زید کو اٹھا لے گئے اور فروخت

خرچ دے کر مکہ بھیجا کہ اپنی بی بی ام ایمن اور بیٹے اُسامہ کو اور فاطمہ زہرا اور کلثوم آپکی صاحبزادیوں کو اور سودہ رضی اللہ عنہا کو جن کے نکاح کا حال ابھی بیان ہوا ہے مدینہ میں لے آئیں انہیں کے ہمراہ حضرت ابوبکر رضہ کے بیٹے عبداللہ کو بھی مکہ میں بھیجا تاکہ سب کے ساتھ اپنی والدہ ام رُومان اور اپنے بھائی عبدالرحمن اور عائشہ رضہ اور اسماء رضہ اپنی دونوں بہنوں کو مدینہ میں لے آئیں۔

مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے سات مہینے بعد عائشہ رضہ کی عمر نو سال کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر شوال کے مہینے میں حضرت عائشہ رضہ کو رُخصت کیا گیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں اتفاق و محبت و اتحاد سے حضرت عائشہ رضہ کی عمر گذری کہ آپ کے حالات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہو گئے۔

عرب کے لوگ قدیم خیال کے مطابق شوال کے مہینہ میں نکاح کو نحس اور نامبارک خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضہ ان کا یہ خیال دور کرنے کے لئے فرماتی تھیں کہ دیکھو میرا نکاح اور رُخصت دونوں باتیں شوال ہی میں ہوئی ہیں اب تم ہی بتلاؤ کہ میرے سے زیادہ خاوند کا اتفاق کس کو نصیب ہوگا اور سب بیبیوں میں میرے سے زیادہ کسی سے بھی محبت والفت ہے؟

(بقیہ صفحہ ۴۶ کا) کر دیا حضرت خدیجہ رضہ کے بھتیجے نے چار سو درہم میں خرید لیا اور خدیجہ رضہ کو دے کر دیدیا نکاح کے بعد خدیجہ رضہ نے آنحضرت صلعم کو دے دیا ان کے گھر والوں کو خبر ہوئی تو ان کے باپ اور چچا لینے آئے آپ نے زید کو اختیار دیدیا کہ چاہے ہمارے پاس رہو خواہ گھر چلے جاؤ۔ مگر آپ کے اخلاق و احسانات کے شیدا ہو چکے تھے گھر والوں کے ساتھ نہ گئے آپکی خدمت میں رہنا پسند کیا۔

حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلعم کی محبت اور دوسرے حالات

مدینہ میں رہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ اور بھی کئی نکاح کئے تھے مگر جو محبت آپ کو حضرت عائشہ رض سے تھی وہ کسی بی بی سے نہ تھی۔ ظاہری مراسم اور خوش معاملگی میں آپ سب بیبیوں سے برابر پیش آتے تھے اور خدا سے عرض کرتے تھے کہ یا اللہ جو باتیں میرے اختیاری ہیں ان میں برابری کرتا ہوں اور جو چیز اختیاری نہیں (یعنی قلبی محبت) اس میں میرا قصور معاف کرنا۔

بعض دفعہ سفر میں بھی حضرت عائشہ رض آپ کے ساتھ ہوتی تھیں کبھی آپ ہی کے اونٹ پر کبھی دوسری سواری میں۔

ایک دفعہ سفر میں جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رض کے اونٹ پر سوار تھے باتیں کرتے جاتے تھے ایک مقام پر اترے تو حفصہ رض نے کہا کہ آؤ عائشہ رض تم ہمارے اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور ہم تمہارے اونٹ پر سوار ہو جائیں گو عائشہ رض بہت عقلمند تھیں مگر پھر بھی نو عمر تھیں بلا سوچے سمجھے اسے منظور کر لیا چلتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی معمولی اونٹ پر سوار ہوئے جس پر آج خلاف معمول حفصہ رض سوار تھیں قافلہ چل دیا اور آپ راستہ میں ان سے باتیں کرتے رہے حضرت عائشہ رض کو حضرت حفصہ رض کی اس دل لگی اور ہنسی کی بات سے بڑا رنج ہوا اور اس اونٹ کے تبادلہ کو بہت ہی ناگوار سمجھ کر تمام راستہ افسوس کرتی رہیں کہ بڑا ہی دھوکہ کھایا منزل پر اترے تو بیٹھ کر رونے لگیں اور بچوں کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنے آپ کو کوسنے لگیں آپ نے تسلی دے کر بہلا دیا اور خوش کر کے حسب معمول اپنے اونٹ پر سوار کر لیا جس سفر میں تیمم کا حکم نازل ہوا ہے اس میں عائشہ رض بھی

ساتھ تھیں۔ خداوند کریم نے ان ہی کی برکت سے مسلمانوں کی آسانی کے لئے یہ احسان فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ جہاں پانی نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضہ کا ایک موتیوں کا ہار جسے وہ اپنی بہن اسماء سے مانگ کر لائی تھیں گلے سے ٹوٹ کر گر گیا آپ نے دو آدمی تلاش کے لئے روانہ کئے مگر نہ ملا اس میں نماز فجر کا وقت ہو گیا پانی کے لئے سب پریشان تھے۔ حضرت ابوبکر رضہ حضرت عائشہ رضہ پر ناراض ہوئے اور کہا کہ تمہاری نادانی سے تمام لشکر کو تکلیف ہوئی اور ایسی جگہ ٹھہرنا پڑا کہ جہاں پانی کا نام ونشان تک نہیں ہے آنحضرت صلعم لیٹے ہوئے تھے۔ عائشہ رضہ نے باپ کے ادب اور آپ کی بے آرامی کے سبب دم نہ مارا تھوڑی دیر کے بعد خداوند کریم نے وہ آیتیں نازل فرمائیں جن میں یہ حکم ہے کہ

"جب تم کو پانی نہ ملے یا بیمار ہو تو مٹی سے تیمم کر لیا کرو۔"

چلتے وقت جب عائشہ رضہ کا اونٹ اٹھایا گیا تو وہیں سے ہار بھی مل گیا۔

حج کعبہ کے فرض ہونے کا حکم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے چھٹے سال ہی آگیا تھا لیکن آپ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے ہی اس کو ادا کیا ہے جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک قابل یادگار حال اور اسلام کے لئے دینی و دنیوی فائدوں سے بھرا ہوا سفر تھا۔ اس کثرت سے مسلمان اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے کہ حساب وشمار نہ ہو سکتا تھا۔ پھر بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں کا اندازہ کیا گیا۔ اس میں آپ نے فرما دیا تھا کہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو۔ شاید اس سال کے بعد پھر تم لوگوں سے ملنا نہ ہو۔ اس سفر میں حضرت عائشہ رضہ بھی آپ کے ہمراہ حج کرنے گئی تھیں اور آپ کی دوسری بیبیاں بھی تھیں۔

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رض سے نہایت الفت تھی۔ اسی طرح حضرت عائشہ رض بھی دل وجان سے آپ سے محبت رکھتی تھیں اور جہاں تک ہو سکتا تھا آپ کو راحت و آرام پہنچانے میں مصروف رہتی تھیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ رض تمہارے رنجیدہ اور خوش ہونے کی حالت کو میں خوب سمجھتا ہوں جب تم خوش ہوتی ہو تو اس طرح قسم کھاتی ہو کہ محمدؐ کے رب کی قسم اور جب رنجیدہ ہوتی ہو تو ہمارا نام نہیں لیتیں بلکہ یوں کہتی ہو کہ ابراہیمؑ کے رب کی قسم۔ حضرت عائشہ رض نے عرض کیا کہ درست ہے لیکن رنج میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں مگر دل سے آپ کی محبت نہیں جاتی۔

ایک روز رات کو دیکھا کہ آپ بستر پر نہ تھے حضرت عائشہ رض کو شبہ ہوا کہ آپ کسی دوسری بی بی کے گھر تشریف لے گئے اندھیرے میں ہاتھ سے ٹٹولنا شروع کیا تو ان کے ہاتھ آپ کے قدموں پر پڑے۔ آپ نماز پڑھتے تھے۔ تب تو عائشہ رض نے سانس بھر کر کہا: "ہم کس خیال میں ہیں اور آپ کس حال میں ہیں۔"

ایک مرتبہ آپ نے اپنی تمام بیبیوں کو خداوند کریم کے فرمان کے مطابق یہ حکم سُنا دیا کہ اگر تم دنیوی مال و متاع اور عیش و آرام کو پسند کرتی ہو تو ہم تم کو خوشی سے طلاق دے دیتے ہیں اگر خدا اور خدا کے رسول کی مرضی اور آخرت کی راحت چاہتی ہو تو دُنیا کی تکلیفوں سے دل برداشتہ نہ ہو اور ہمارے نکاح میں رہو۔ سب سے پہلے یہ حکم آپ نے حضرت عائشہ رض کو سنایا مگر ان کی نوعمری اور ناتجربہ کاری کی بنا پر فرمایا کہ اپنے والدین سے پوچھ کر جواب دینا (کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ ان کے والدین تو ہرگز جدائی

کی اجازت نہ دیں گے یہ شاید اپنی نادانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے جدائی کو پسند کرلیں) لیکن آفرین ہے حضرت عائشہ کی سمجھ کو کہ انہوں نے فوراً تعجب سے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے معاملے میں بھی کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ میں اللہ کو، اللہ کے رسول کو اور آخرت کو پسند کرتی ہوں اور اس لئے آپ کا دامن فیض چھوڑنا مجھے ہرگز گوارا نہیں مگر دوسری بیبیوں کو میرا یہ جواب نہ تبلایئے گا۔

حضرت عائشہ رضہ کے کوئی اولاد نہ تھی مگر اس کا انہیں مطلق خیال اور رنج نہ تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ان کو دوسری باتوں کا خیال تک نہ آتا تھا اور آپ کی خدمت میں اس قدر مشغول تھیں کہ اس قسم کے خیالات ان کو غمگین نہ کرسکتے تھے۔ کیونکہ ان کے بھانجے کا نام عبداللہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کبھی ام عبداللہ کہہ کر پکارتے تھے۔

تمام زندگی میں جو سب سے بڑی مصیبت حضرت عائشہ رضہ نے دیکھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تھی اٹھارہ برس کی عمر میں خاوند کا سر سے اٹھ جانا زبردست صدمہ کی بات ہے اور پھر خاوند بھی کیسا نبیوں کا پیشوا اور دین و دنیا کا سردار جس کی مثل نہ کوئی ہوا اور نہ ہوگا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض شروع ہوا جو دنیا سے مفارقت کا سبب بنا تو ابتدا میں باری باری آپ ہر بی بی کے مکان پر رہتے تھے لیکن آخر میں سب بیبیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر تم بخوشی اجازت دو تو میں عائشہ رضہ کے مکان میں مرض کے ایام گزاروں چونکہ آپ کی خوشی اور راحت و آرام سب کو مقدم تھا اس لئے سب نے اسے منظور فرمالیا پھر تو دنیا سے رخصت ہونے تک آپ وہیں رہے اور حضرت عائشہ رضہ بھی تمام دنیا سے علاقہ

چھوڑ کر آپؐ کی خدمت میں مصروف ہوگئیں ان کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ کب دن ہوا اور کب رات آگئی ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتیں۔

حضرت عائشہ رضؓ نہایت فخر سے فرمایا کرتی تھیں کہ جب آپؐ کی وفات ہوئی تو آپ میرے سہارے سے بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ کے نازک اور پاک دل نے آج تک کوئی صدمہ نہ اٹھایا تھا۔ آپؐ کی وفات کے صدمہ سے بہت زیادہ متاثر ہوئیں سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں لیکن اپنی دانشمندی عقل و تدبر سے کام لے کر جو قدرت نے انہیں بڑی فیاضی سے عطا کیا تھا صبر کیا اور دل کو سنبھالا جب تک زندہ رہیں اس صدمہ کو دل میں رکھا۔ دل سے جس قدر یاد کرتی ہوں گی اس کا حال تو خدا ہی کو معلوم ہوگا۔ مگر زبان سے بھی موقعہ بہ موقعہ پر ہر بات میں آپ ہی کا ذکر کرتیں اور آپ کو یاد کرتی تھیں اور ایسے خاوند کو کیوں نہ یاد کرتیں جن کی یاد دین و دنیا کی بھلائی کا سبب ہے۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وسلم۔

حضرت عائشہ رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو ہی برس بعد اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات کا صدمہ عظیم اٹھانا پڑا۔ ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد اگرچہ زندگی کا لطف باقی نہ رہا لیکن خداوند کریم نے مسلمانوں کو علم کا فیض پہنچانے کے لئے بہت عرصہ تک ان کو زندہ رکھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضؓ آکر ان سے مشکل مسائل پیش کرتے اور نہایت اطمینان اور تشفی کا جواب پاتے تھے۔

جس زمانہ میں حضرت عثمان رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے

خلیفہ) شہید ہو گئے اور حضرت علی رضؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں کو گرفتار کرنا اور ان سے بدلہ لینا اس وقت مشکل ہو رہا تھا بعض آدمیوں کو شبہ ہو گیا کہ حضرت علی رضؓ ان کو بچانا چاہتے ہیں انہیں قاتلوں کو حضرت علی رضؓ سے طلب کرنے اور سزا دلانے کے لئے حضرت زبیر رضؓ و طلحہؓ حضرت عائشہ رضؓ کو مکہ سے اونٹ پر سوار کر کے حضرت علی رضؓ کے پاس بصرہ لے گئے وہاں دونوں کے درمیان بعض شری اور فسادی لوگوں کی سازشی تدبیروں سے ایسا اتفاق ہوا کہ باہم جنگ کی نوبت آگئی اور جنگ جمل کا واقعہ پیش آگیا۔ آخر حضرت عائشہ رضؓ کی سواری کا اونٹ جس پر وہ سوار تھیں اسکی کونچیں کاٹ دی گئیں آپ کو محمد بن ابی بکر نے سنبھالا اور حضرت علی رضؓ نے ان کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ مدینہ واپس بھیج دیا۔

حضرت عائشہ رضؓ کی وفات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا زمانہ تو حضرت عائشہ رضؓ کے لئے نہایت مبارک زمانہ اور خوشی کا وقت تھا۔ مگر آپؐ کے بعد جو عمر گزری اس میں بہت سے رنج دیکھے مسلمانوں کے باہمی جھگڑے اور دنیا میں طرح طرح کی خرابیاں دیکھ کر ان کے دل کو بہت صدمہ پہنچتا تھا اور دل ہی دل میں بہت کڑھتی تھیں بہت سے واقعات دیکھے اور صبر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سینتالیس سال بعد جس زمانہ میں حضرت امیر معاویہ رضؓ خلیفہ تھے ان کو بھی سفر آخرت پیش آیا۔ رمضان المبارک میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کو ستاون برس گزر چکے تھے۔ طبیعت علیل ہوئی اور منگل کی رات میں سترہ رمضان کو چھیاسٹھ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی کو چھوڑ دیا۔

گو ان کی وفات سے تمام مسلمانوں کو غم اور صدمہ عظیم ہوا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابہ اس وقت موجود تھے ان کو بہت زیادہ رنج ہوا۔ کیونکہ وہ لوگ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار اور نشانی سمجھتے تھے اور دین کے بڑے بڑے کاموں میں ان سے مدد لیتے تھے غسل و کفن کے بعد جنازہ باہر لایا گیا اور حضرت ابوہریرہ رضؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی چوں کہ بقیع میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی اس لئے وہیں آپ کے بھانجوں اور بھتیجوں نے قبر میں اتار کر دفن کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عائشہ رضؓ کا علم و فضل

حضرت عائشہ رضؓ کی فضیلت علمی اور بزرگی کے لئے کافی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و صحبت میں نو برس رہیں اور آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ ایک مرتبہ عمرو بن العاص[1] نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو عورتوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے۔ فرمایا عائشہ رضؓ۔ پوچھا مردوں میں فرمایا ان کے والد ابوبکر رضؓ۔[2]

وہ علم جس کی بزرگی دنیا میں سب سے زیادہ ہے حضرت عائشہ رضؓ اس سے مالا مال تھیں۔ دنیا بھر میں آپ سے زیادہ عالم کوئی عورت

---

[1] یہ مشہور صحابی ۸ھ میں مسلمان ہوئے حضرت عمر رضؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے مصر فتح کیا اور حضرت امیر معاویہ رضؓ کی خلافت تک وہیں رہے۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ کے خاص مددگار تھے۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۴۳ھ میں وفات ہوئی اُن کے بیٹے عبداللہ نہایت عابد و زاہد مشہور صحابی تھے۔

[2] طبقات ابن سعد

نہ ہوگی۔ اگر تمام دنیا کی عورتوں کے علم کو ملایئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کا علم اس سے زیادہ رہے گا اور اگر آپ کی تمام بیبیوں کے علم کو یکجا کریں تو حضرت عائشہ رضؓ کا علم اس سے بڑھ جائے گا۔ بڑے بڑے صحابہ میں جو علم کے کمال میں اول درجہ کے سمجھے جاتے تھے جب کسی مسئلہ پر بحث آپڑتی اور باہم فیصلہ نہ ہوتا تو سب حضرت عائشہ رضؓ سے رجوع کرتے اور ان کے محققانہ فیصلے کو سب نہایت خوشی سے مانتے اور اگرچہ عزت واحترام کی خاطر ان کو ام المومنین (یعنی مومنوں کی ماں) ہونے کی فضیلت کافی تھی لیکن اس علمی خصوصیت کی وجہ سے سب صحابہ ان کا نہایت ہی احترام و تعظیم کرتے تھے۔ بعض مشکل مسائل میں بڑے بڑے اہل علم وفضل صحابہ سے ان کی رائے علیحدہ ہوتی اور اپنی بات کو بزرگی یا زبردستی سے منوانا نہ چاہتی تھیں بلکہ خوبی کے ساتھ قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرتی تھیں۔ چنانچہ اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ سے اختلاف تھا کہ رشتہ داروں کے رونے چلانے سے میت کو عذاب ہوتا ہے یا نہیں۔[1]

حضرت عطا[2] کہتے تھے کہ حضرت عائشہ رضؓ کی رائے سب سے عمدہ ہوتی تھی اور وہ

---

[1] حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہ رضؓ کہتی تھیں کہ اگر رشتہ دار ماتم کریں اور چلائیں تو مردہ کی کیا خطا ہے عذاب جب ہوتا ہے کہ زندگی میں وہ شخص رونے چلانے کو پسند کرے یا رشتہ داروں سے کہہ گیا ہو کہ مجھ کو اس طرح رونا۔

[2] عطا اور عروہ دونوں مشہور تابعی اور جلیل القدر عالم تھے ان کے علم وفضل کی کوئی انتہا نہ تھی۔ عروہ حضرت عائشہ رضؓ کے بھانجے بھی ہوتے ہیں ان کے والد کا نام زبیرؓ تھا جو رسول مقبول صلعم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ صلعم کو نہ دیکھا ہو مگر آپ کے دیکھنے والے کو دیکھا ہو۔ حضرت عروہ کا ذکر اور باب سیر التبی میں دیکھئے۔

سب سے زیادہ سمجھدار تھیں عروہ رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ سمجھدار کوئی فقہ میں تھا نہ طب میں نہ شعر میں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ سو حدیثیں بیان کی ہیں بہت سے نامی گرامی صحابہ ان سے سن کر حدیثیں بیان کرتے ہیں چنانچہ حضرت عمر رضؓ اور ان کے بیٹے عبد اللہؓ۔ ابو ہریرہ رضؓ مشہور صحابی۔ ابو موسیٰ اشعری رضؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عباس رضؓ۔ سائب بن یزید۔ زید بن خالد وغیرہ مشہور صحابی (رضی اللہ عنہم) حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

علم کے ساتھ ذہانت، حاضر جوابی۔ فصاحت اور تقریر کی عمدگی کے جوہر بھی موجود تھے حدیث کی کتابوں میں چند موقعوں پر ان کی تقریر بیان ہوئی ہے جس سے ان کی پوری ذہانت و فصاحت اور تقریر کی صفائی ظاہر ہوتی ہے۔

نکاح سے کچھ روز بعد ایک دن عائشہ رضؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے کی بنی ہوئی چیز کی طرف اشارہ کر کے پوچھا عائشہ رضؓ یہ کیا چیز ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا کہ حضرت یہ گھوڑا ہے اور یہ اس کے پَر ہیں۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کیا گھوڑے کے بھی پَر ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے بھی تو پَر تھے۔ آپ اس بھولے پن کے جواب کو سن کر اور ان کی حاضر جوابی سے خوش ہو کر خاموش رہے۔

علم و عقل کی دولت کے ساتھ عمل کا ذخیرہ بھی ان کے پاس کچھ کم نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تو ان کا زمانہ بھی نو عمری کا تھا اور تمام دُنیا کی عبادتوں سے بڑی عبادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

کو سمجھتی تھیں اس لئے ضروری عبادات ادا کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں مصروف رہتی تھیں۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضؓ عبادات میں اس طرح مشغول ہوئیں کہ تمام عمر عبادت میں ہی گزار دی ادنیٰ سی خطا پر بہت شرمندہ ہو جاتیں۔ بھتیجے کی موت کے صدمہ میں اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے چلی گئیں پھر ساری عمر افسوس کرتی رہیں کہ بڑی غلطی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورتوں کو قبروں پر جانے سے منع فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم خاص اور صحبت فیض اثر نے تمام خوبیاں حضرت عائشہ رضؓ میں جمع کر دی تھیں۔ کبھی کوئی سامان دنیوی راحت و آسائش کی غرض سے ذخیرہ نہ کیا۔ عروہ رضؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضؓ نے ستر ہزار درہم خیرات کر ڈالے لیکن کپڑے جو پھٹے ہوئے تھے یا پیوند لگے ہوئے تھے ان کو نہ بنایا۔

ایک مرتبہ روزے سے تھیں اسی دن ان کے بھانجے عبداللہ[ا] نے ایک

[ا] عبداللہ بن زبیر صحابی ہیں ان میں اتنی فضیلتیں جمع ہیں کہ کسی میں نہ ہوں گی جب پیدا ہوئے تو ان کو نہلا کر رسول اللہ صلعم کی گود میں دیا آپ نے کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی سب سے پہلے حضورؐ کا لعاب مبارک ان کے پیٹ میں گیا ان کے نانا حضرت ابوبکر رضؓ نے کان میں اذان دی۔ رسول اللہؐ ان کے خالو حضرت عائشہ رضؓ ان کی خالہ۔ رسول اللہ صلعم کی پھوپھی صفیہ ان کی دادی۔ ان کے والد عشرہ مبشرہ میں داخل۔ خود عابد و زاہد حق کے معاملہ میں کسی سے نہ ڈرنے والے۔ آٹھ حج کئے ان کو خلافت کی طمع نہ تھی مگر لوگوں نے مجبور کر کے ان کو ۶۴ھ میں خلیفہ بنایا ۷۳ھ میں حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کیا اور سولی پر لٹکایا۔ ان کے والد زبیر رسول اللہ صلعم کے خاص صحابی پھوپھی زاد بھائی تھے آپؐ نے ان کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی تھی احد کی لڑائی میں آنحضرتؐ کے ساتھ برابر جمے رہے۔

لاکھ درہم بھیج دیئے انہوں نے کچھ رشتہ داروں کو اور مساکین، محتاج فقیروں کو دے کر ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ لونڈی نے عرض کیا کہ رات کے کھانے وغیرہ کے لئے تو کچھ رکھ لیتیں فرمانے لگیں کہ مجھے تو کچھ خیال نہیں رہا اگر تو یاد دلاتی تو رکھ لیتی۔

انتقال کے قریب کہتی تھیں کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں پیدا نہ ہوتی۔ دنیا میں کوئی مجھے نہ جانتا۔ حضرت ام سلمہ رضؓ کو جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو کہنے لگیں کہ خدا رحمت کرے اس عورت پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکرؓ کے سوا سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ الصحابیات

صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین

سیرت عائشہؓ پر ایک عمومی تبصرہ

جس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی سیرۃ مبارک پر عام تبصرہ کیا جاتا ہے تو سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت جو نہ صرف صحابیات بلکہ بعض صحابہ کرام کے مقابلہ میں بھی آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، یہ تھی کہ آپ فطرت کی طرف سے فلسفیانہ دماغ لے کر آئی تھیں اور تفقہ فی الدین۔ قوت اجتہاد سلیقہ، ضبط واقعات، صرف درایت، صحت فکر و اصابت رائے میں آپ کا مرتبہ بلند تھا۔

آپ جو بات فرماتی تھیں، جو توجیہ آپ کرتی تھیں وہ بالکل عقل کے مطابق ہوتی تھی اور مشکل سے کوئی روایت آپ کو ایسی ملے گی جسے باور کرنے کے لئے عقل انسانی کو دور از کار تاویلوں سے کام لینا پڑے۔

اس میں کلام نہیں کہ رسول اللہ کی قربت کی وجہ سے آپ کو آنحضرت

صلعم کے اقوال وافعال کے مطالعہ کا نہایت اچھا موقعہ حاصل تھا لیکن جس وقت ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علاوہ آپ کے اور بھی متعدد ہستیاں ایسی تھیں جنہیں قربت کا یہی درجہ حاصل تھا تو ہمیں حضرت عائشہ رض کا ذہنی تفوق نمایاں نظر آنے لگتا ہے کہ وہی ایک بات تھی جس کو رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے علاوہ حضرت عائشہ رض کے اور بھی سنتے تھے، لیکن جس نتیجہ پر آپ پہنچتی تھیں اور اس کی حقیقی روح تک جس طرح آپ کے ذہن مبارک کی رسائی ہو جاتی تھی، وہ دوسروں کو نصیب نہ تھی۔

آپ کورانہ تقلید کی سخت مخالف تھیں اور ہمیشہ رسول اللہ صلعم کے اقوال وافعال کے حقیقی مدعا تک پہنچنے کی کوشش کیا کرتی تھیں۔

رسول اللہ ؐ کے عہد مبارک میں عورتوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت تھی اور چاہیئے تھا کہ حضرت عائشہ اس کو ہمیشہ جائز قرار دیتیں، لیکن چوں کہ آپ اچھی طرح واقف تھیں کہ قدرتاً یہ اجازت کس وقت تک قائم رہ سکتی ہے اسی لئے آپ نے زمانہ مابعد میں عورتوں کی اخلاقی حالت کا تنزل محسوس کر کے فرمایا۔

اگر رسول اللہ کو معلوم ہوتا کہ عورتوں کی حالت کیا ہو گئی ہے تو
آپ ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل
کی عورتوں کو روک دیا جاتا تھا۔

اسلام میں شرک فی العبادات سے لوگوں کو باز رکھنے کے لئے جس قدر احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ وہ کسی سے مخفی نہیں اور خصوصیت کے ساتھ حضرت عمرؓ کو آپ نے اس درخت کو جس کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی، صرف اسی لئے قطع کرا دیا کہ کہیں لوگ اسے بھی متبرک نہ سمجھنے لگیں۔

حضرت عائشہ رضؓ بھی اس باب میں بہت سخت تھیں چنانچہ جب شیبہ بن عثمان نے جو آپ کے زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے، آپ سے ذکر کیا کہ کعبہ کا غلاف اتارنے کے بعد دفن کر دیا جاتا ہے "تاکہ وہ انسانوں نے غیر طاہر ہاتھوں تک نہ پہونچے تو آپ نے فرمایا کہ " یہ تو کوئی معقول بات نہیں ہے۔ جب غلاف اُتر گیا تو پھر کیا جس کا جی چاہے استعمال کرے، تم کیوں نہیں اس کو بیچ کر قیمت غرباء وغیرہ کو تقسیم کر دیا کرتے [۱]

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ آپ کو تفقہ فی الدین اور صرف و روایت کے ساتھ کلام الٰہی کا بھی علم پورا حاصل تھا اور جب کبھی ایسے مباحث پیش آتے تھے تو آپ کی رائے ایسی مجتہدانہ رنگ میں ڈوبی ہوتی تھی کہ اس سے آپ کا علوئے مرتبت پوری طرح ثابت ہوتا تھا۔ مثلاً۔ حضرت عمرؓ سے ایک روایت سماع موتٰی کے متعلق یہ پائی جاتی ہے کہ رسول اللہ نے آپ کے دریافت کرنے پر فرمایا۔

" یعنی وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے "

جب حضرت عائشہ رضؓ نے اس روایت کو سُنا تو فرمایا کہ رسول اللہ کا ارشاد یہ نہیں تھا کیونکہ کلام مجید میں اس کے خلاف نص قطعی موجود ہے کہ

" اے رسول تو نہ مُردوں کو اپنی بات سنا سکتا ہے اور نہ قبر میں مدفون ہونے والوں کو"

اس طرح جب شب معراج کے واقعہ میں رویت باری تعالیٰ اور مردے پر اہل وعیال کے رونے سے عذاب ہونے کے مسائل پیش ہوئے تو آپ نے

---

[۱] عین الاصابہ

رویت کے متعلق کلام مجید کی آیت لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ (سورۂ انعام) اور دوسرے مسئلہ کے نسبت، دوسری آیت لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (سورہ بنی اسرائیل) پیش کرکے نہ صرف کلام الٰہی پر کامل عبور رکھنے کا ثبوت دیا بلکہ حقیقتاً یہ بھی بتا دیا کہ مسائل شرع میں درایت سے کام لینا ضروری ہے اور نیز یہ کہ وہ درایت کس نوع کی ہونی چاہیئے۔

آپ کی زندگی کے بعض واقعات ایسے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے اسلام کی حقیقی روح کو کس قدر تکمیل کے ساتھ سمجھا تھا۔ رسول اللہ کی تمام تعلیمات اور آپ کے ہر طرز عمل سے یہ بات مترشح ہوتی تھی کہ اسلام میں حد درجہ سہولت مرکوز ہے اور اسی لئے اسے فطری مذہب کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رض نے اس نکتہ کو جس قدر خوبی کے ساتھ سمجھا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ کے زمانہ میں ابن ابی السائب تابعی وعظ کے بڑے شایق تھے اور ہر نماز کے بعد دیر تک مسجع عبارت میں دعا مانگا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رض کو معلوم ہوا تو ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ ہفتہ میں ایک دن اور حد تین دن سے زیادہ وعظ نہ کہا کرو اور دعائیں مختصر مانگا کرو۔ مسجع ومقفیٰ عبارت کی ضرورت نہیں ہے۔ رسول اللہ اور ان کے صحابہ کا یہ وطیرہ نہیں تھا کہ وہ وعظ وتلقین اور دعا کی طوالت سے لوگوں کو گھبرا دیں۔[1]

حضرت عائشہ اگر چاہتیں تو صرف یہ کہہ سکتی تھیں کہ وعظ ودعا میں اختصار کرو لیکن آپ نے دعاؤں کی طوالت کے اصل راز کو معلوم کرکے مسجع عبارت کے بنانے سے منع کیا، کیونکہ آپ سمجھتی تھیں کہ طوالت کی وجہ یہی ہے۔ اس کے بعد ہم آپ کے وسعت معلومات، صحت فکر، اصابت رائے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل

اور تفقہ فی الدین کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔[1]

(۱) فجر کی نماز میں باوجود اس کے کہ وقت کافی ہوتا ہے صرف دو رکعت فرض کی اور دو سنت کی رکھی گئیں جس کی وجہ بہ ظاہر سمجھ میں نہ آتی تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نماز فجر میں اس لئے زیادہ رکعتیں نہیں رکھی گئیں کہ اس وقت قرأت طویل کی جاتی ہے۔"

(۲) حضرت عمر رضؓ سے روایت کی گئی ہے کہ عصر اور فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہئے بظاہر اس مخالفت کا کوئی سبب معلوم نہ ہوتا تھا لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اگر کوئی شخص ٹھیک طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھے گا تو آفتاب پرست لوگوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی۔

آج کل عام طور سے لوگ نفل کی نماز بیٹھ کر ادا کرتے ہیں کیوں کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ؐ نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عائشہ رضؓ سے اس کے بابت سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہؐ کمزور ہو گئے تھے۔

ایک بار رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔ بعض صحابہ نے خیال کیا کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے اور بعض نے صرف اس وقت و زمانہ کے لئے مخصوص سمجھا حضرت عائشہ رضؓ نے بھی اس حکم کو وقتی سمجھا جس کی وہ نہایت معقول وجہ یہ بیان کرتی ہیں کہ اس زمانہ میں کم لوگ

---

[1] اسوۂ صحابہ جلد ۲

قربانی کر سکتے تھے اس لئے اللہ نے یہ حکم دیا تاکہ جن لوگوں نے قربانی نہیں کی ہے انہیں بھی مل جائے۔

مکہ معظمہ کے قریب ایک وادی ہے جس کا نام محصب ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلعم نے ایام حج میں یہاں قیام فرمایا تھا اس لئے بعد کو صحابہ بھی یہاں قیام کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے تو یہاں کے قیام کو سنن حج میں شامل کر لیا۔

حضرت عائشہ رضہ اس کے خلاف تھیں وہ فرماتی تھیں کہ یہاں کے قیام کو سنن حج میں داخل کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ کا قیام یہاں صرف اس لئے ہوتا تھا کہ یہاں سے حج کے لئے کوچ کرنے میں آسانی ہوتی تھی نہ اس نیت سے کہ یہاں کا قیام مذہبی نقطہ نظر سے اولیٰ و احسن ہے۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کس دل و دماغ کی خاتون تھیں اور آپ کی نگاہ نکتہ رس معاملات کی حقیقت تک کیونکر پہنچ جاتی تھی۔ عام طور سے دیکھا جاتا ہے اور یہی فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ جو لوگ فلسفیانہ دماغ رکھتے ہیں وہ مذہبی احکام کی طرف سے ذرا بے پروا ہو جاتے ہیں ہر بات کو عقل کی روشنی میں دیکھنے کی وجہ سے وہ بہت سی باتوں کی تاویل کر لیتے ہیں اور آخر کار تقویٰ کی حدود تک نہیں پہنچتے لیکن حضرت عائشہ باوجود اس کے بے انتہا تقویٰ کا لحاظ رکھتی تھیں۔

جب فتح عجم کے بعد جدید شرابوں کے جدید ناموں کا رواج عرب میں ہوا تو لوگوں کو ان کے حلال و حرام کی نسبت دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی کیونکہ عربی میں خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں اور اب بہت سی جدید شرابیں آگئیں تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ " شراب کے برتنوں

میں چھوارے تک نہ بھگوئے جائیں۔" پھر عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اگر تمہارے مٹکوں کے پانی سے نشہ پیدا ہونے لگے تو وہ بھی حرام ہے۔ رسول اللہؐ نے عام طور سے ہر مسکر چیز کو حرام قرار دیا ہے۔[1]

عرب میں جہاں اور بہت سی مذموم رسمیں رائج تھیں، وہیں ٹوٹکے کا بھی بہت رواج تھا علی الخصوص عورتوں میں جن کا کوئی کام بغیر شگون کے پورا ہی نہیں ہوتا لیکن حضرت عائشہؓ باوجود عورت ہونے کے ٹوٹکوں کو بہت برا سمجھتی تھیں۔ آپ نے ایک مرتبہ کسی بچے کے سرہانے استرہ[2] رکھا ہوا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا کہ رسول اللہؐ ٹوٹکوں کے سخت مخالف تھے۔

آپ میں ان تمام صفات کے ساتھ وہ جوہر بھی تھا جس کے لئے سرزمین عرب کے مرد و عورت مشہور ہیں یعنی وہ خطرے کے وقت بے انتہا جری تھیں اور میدان جنگ میں پیٹھ پر مشک لاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔[3]

دنیا کی عام تہذیب میں بھی آپ کا وہ عالم تھا جس پر آج بھی فخر کیا جا سکتا ہے۔ طلحہ کی صاحبزادی نے جن کا نام بھی عائشہ تھا، حضرت عائشہ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی، اور لوگ دور دور سے ان کے پاس آتے، خطوط روانہ کرتے اور تحائف بھیجتے۔ جب یہ حضرت عائشہ سے ذکر کرتیں تو آپ فرماتیں کہ "خطوں کا جواب لکھ دو اور ہدیہ کا معاوضہ دے دو۔"[4]

حضرت عائشہ کا مرتبہ طبقہ رواۃ میں بھی بہت بلند ہے اور سوائے

---

[1] سنن نسائی کتاب الخمر۔ [2] استرہ اس لئے رکھا جاتا تھا کہ بچہ آسیب سے محفوظ رہے

[3] مسلم کتاب الجہاد۔ [4] اسوۂ صحابہ جلد دوم

حضرت ابوہریرہ رضؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباس کے کسی اور صحابی سے اتنی روائتیں بیان نہیں کی گئیں جتنی حضرت عائشہ رضؓ سے منقول ہیں۔

حضرت ابوہریرہ کی روایتیں ۵۳۷۴ ہیں ان کے بعد عبداللہ ابن عباس کا درجہ ہے جنہوں نے ۲۶۶۰ حدیثیں بیان کی ہیں اور پھر حضرت عائشہ رضؓ ہیں جن سے ۲۲۱۰ احادیث روایت کی گئی ہیں۔

اُمّ المومنین حضرت سودہ رضؓ

آپ کا نام سودہ باپ کا نام زمعہ بن قیس اور ماں کا نام شموس بن قیس تھا۔ آپ کا نکاح آپ کے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا تھا۔ جب سکران بن عمرو سرزمین حبش سے مکہ آئے تو سودہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ سکران بن عمرو اور حضرت سودہ دونوں کے اسلام اور ہجرت کا ایک ہی زمانہ ہے۔ سکران کی وفات مکہ میں ہوئی۔ جب عدت کے دن پورے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام دیا اور سودہ رضؓ کی طرف سے حاطب بن عمر بن عبد شمس کی ولایت میں نکاح ہو گیا۔ حضرت سودہ رضؓ پہلی خاتون ہیں جو حضرت خدیجہ رضؓ کے بعد آنحضرت صلعم کے نکاح میں آئیں۔

اس کی تفصیل مورخین اسلام نے یوں بیان کی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ رضؓ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان دنوں آپ حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کی وجہ سے بہت مغموم رہتے تھے اور تنہائی کا رنج پریشان کرتا تھا۔ خولہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم میں خدیجہ رضؓ کی

وفات سے آپ کو بہت ملول دیکھتی ہوں آپ نے فرمایا ہاں ہے تو کچھ ایسا ہی خولہ نے کہا پھر میں آپ کا نکاح کیوں نہ کرادوں آنحضرت صلعم نے اسے منظور فرمایا تو خولہ نے سودہ کو خوشخبری سنائی۔ سودہ نے قبول کیا مگر کہا میرے والد سے بھی دریافت کرلو۔ غرضیکہ سب مرحلے طے ہو جانے کے بعد سنہ ۱۰ نبوت میں ان کے باپ نے آنحضرت صلعم سے ۴۰۰ درہم مہر پر نکاح پڑھا دیا۔ ان کے والد زمعہ بہت بوڑھے تھے اس لئے حاطب بن عمر بن عبد شمس ممکن ہے کہ ولی بنا دیئے گئے ہوں۔

اس نکاح کے بعد سودہ رض کے بھائی عبداللہ ابن زمعہ جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے آئے اور ان کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو بہت افسوس کیا اور سر پر خاک ڈالی اسلام لانے کے بعد جب اپنی اس حرکت پر خیال کرتے تھے تو ان کو بہت افسوس ہوتا تھا۔

ابن سعد نے ہشام بن محمد کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ جس زمانہ میں سودہ اپنے پہلے شوہر سکران بن عمرو کے پاس تھیں تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلعم آئے اور آپ نے اپنے پاؤں سودہ کی گردن پر رکھ دیئے۔ سودہ نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا تو انہوں نے کہا اگر تو نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد رسول اللہ صلعم تجھ سے نکاح کریں گے۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میں ایک تکئے کے سہارے لیٹی ہوں اور آسمان سے چاند پھٹ کر مجھ پر گر پڑا ہے۔ اس کا ذکر بھی سکران سے کیا تو سکران نے کہا میں عنقریب مر جاؤں گا اور تم میرے بعد نکاح کرو گی۔ اسی روز سے سکران بیمار ہوئے اور چند روز میں انتقال کر گئے۔

حضرت سودہ رضہ اور حضرت عائشہ رضہ کے نکاح کی مدت میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضہ کے نکاح سے قبل حضرت سودہ رضہ کا نکاح ہو چکا تھا اور دونوں بیویوں کے تعلقات میں کسی قسم کی کشیدگی نہ تھی۔ واقعات سے ظاہر ہے کہ آپس میں رشتہ اتحاد قائم تھا اور اکثر خانگی امور میں وہ حضرت عائشہ رضہ کو مشورہ دیتی تھیں۔

حجۃ الوداع میں آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات کو ہدایت فرمائی کہ اب اس حج کے بعد گھر سے نہ نکلنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضہ کا بیان ہے کہ آپ کی وفات کے بعد اور بیویاں حج کرتی تھیں مگر سودہ بنت زمعہ اور زینب بنت جحش نے اس حکم کی سختی سے تعمیل کی اور گھر سے باہر نہ نکلیں۔

حضرت سودہ رضہ کے ایثار اور ان کی اطاعت شعاری کا حال مذکورہ روایتوں سے واضح ہو گیا ہوگا ذیل میں وہ روایتیں درج کی جاتی ہیں جن سے ان کی بقیہ اوصاف و اخلاق پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سودہ رضہ کے پاس تھیلی میں کچھ درہم بھیجے تو آپ نے کہا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا "درہم" بولیں "تھیلی میں کھجوروں کی طرح"؟ یہ کہہ کر سب اسی وقت تقسیم کر ڈالے۔

حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں میں نے کسی عورت کو حسد سے خالی نہ دیکھا سوائے سودہ رضہ کے نہ علاوہ سودہ کے کسی عورت کی نسبت میری یہ خواہش ہوئی کہ میری روح اس کے قالب میں ہوتی۔ حضرت سودہ رضہ مزاج کی تیز تھیں اور بعض اوقات ذرا سی بات میں ناراض ہو جاتی تھیں مگر ساتھ ہی ظرافت کا پاکیزہ مذاق بھی قدرت سے ودیعت ہوا تھا اور اکثر آنحضرت صلعم کو ہنسا دیتی تھیں۔

ایک بار حضرت سودہ رضؓ نے آنحضرت صلعم سے کہا۔ کل رات کو میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی آپ اتنی دیر تک رکوع میں رہے کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری نکسیر نہ پھوٹ جائے اور خون بہنے لگے اس لئے میں اپنی ناک پکڑے رہی آپ نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔

حضرت عمرؓ کا عہد خلافت قریب الختم تھا جب حضرت سودہ رضؓ کی وفات ہوئی ہے یہ قول علامہ ابن عبدالبر کا ہے اور اسی پر امام بخاری اور دیگر ثقات محدثین متفق ہیں۔

ابن سعد نے عفان بن مسلم کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن سب ازواج مطہراتؓ نے آپؐ سے کہا یا رسول اللہؐ ہم میں کون سب سے پہلے آپ سے ملے گا۔ فرمایا جو تم میں سب سے زیادہ بڑے ہاتھ والا ہوگا آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد سب بیویاں ایک دوسرے کے ہاتھ ناپا کرتی تھیں سودہ کا ہاتھ سب سے بڑا نکلتا تھا جب سب سے پہلے زینب بنت جحش کی وفات ہوئی تو معلوم ہوا کہ طول ید سے مراد صدقہ تھا جو حضرت زینب کو بہت محبوب تھا محمد بن عمرو بھی اس حدیث کو سودہ کے حق میں غلط بتاتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کیونکہ یہ حدیث زینب بنت جحش سے متعلق ہے جن کی وفات آنحضرت صلعم کی ازواج میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ہوئی سودہ بنت زمعہ اس وقت زندہ تھیں۔

ان کی اولاد کے تذکرہ سے اکثر کتب سیر خالی ہیں۔ زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۶۰ میں لکھا ہے کہ ان کے صرف پہلے شوہر سے ایک لڑکا ہوا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا اور جو جنگ فارس میں رتبہ شہادت سے فائز ہوا۔

ام المومنین حضرت حفصہ رضؓ

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ کی دوسری صاحبزادی تھیں جو نبوت سے پانچ سال پہلے جبکہ قریش کے لوگ تعمیر کعبہ میں مصروف تھے پیدا ہوئیں۔

حضرت عمر رضؓ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو ساتھ ہی آپ بھی مسلمان ہوئیں۔ پہلا نکاح خنیس رضؓ بن حذافہ بن قیس بن عدی سے ہوا۔

خنیس اسلام میں آپ کے دوش بدوش تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی اس وقت بھی زن و شوہر ساتھ تھے۔

حضرت خنیس رضؓ نے جنگ بدر میں مہلک زخم کھائے تھے، مدینہ پہنچ کر وفات پائی یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے جب کہ آنحضرتؐ جنگ بدر سے تشریف لے آئے تھے۔

حضرت حفصہ رضؓ جب بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابو بکر رضؓ سے نکاح کرنے کا خیال ظاہر کیا مگر وہ خاموش رہے اور جواب نہ دیا۔ یہ بات حضرت عمر رضؓ کو ناگوار ہوئی اس وقت حضرت عثمان غنی رضؓ کی بیوی، رقیہ بنت رسول اللہ صلعم کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے حضرت عثمان رضؓ سے کہا، انہوں نے جواب دیا کہ میں ابھی نکاح کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت عمر رضؓ آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے اور آپ سے صورت حال بیان کی۔ حضرت عمر رضؓ اور جناب رسالت مآب صلعم کے تعلقات ایسے نہ تھے کہ قرابت تک نوبت نہ آتی ادھر حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضؓ

سے آپ کا نکاح ہو چکا تھا۔ حفصہؓ کو بھی یہ سعادت نصیب ہونی تھی۔ اس لئے آپ نے فرمایا "حفصہ کا نکاح ایسے شخص سے نہ ہو جائے جو عثمانؓ سے بہتر ہے اور عثمان کو ایسی بیوی نہ دی جائے جو حفصہ سے بہتر ہے"۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ کو حفصہؓ کا پیام دے کر اپنا نکاح کر لیا۔ حضرت حفصہ کا یہ نکاح ۳ھ میں ہوا۔

ابو اسامہ حماد بروایت حضرت عائشہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوا اور شہد بہت مرغوب تھا۔ آپؐ عصر کی نماز کے بعد ازواج کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے ایک دن حضرت حفصہؓ کے کے پاس معمول سے زیادہ دیر ہو گئی۔ بہ تقاضائے فطرت انسانی حضرت عائشہ کو رشک ہوا اور انہوں نے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ کسی عورت نے حفصہؓ کے لئے شہد بھیجا تھا اور آنحضرت صلعم نے اسے کھایا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر سودہؓ سے کیا اور ان کو سکھا دیا کہ جب آنحضرت صلعم تمہارے پاس آئیں تو کہنا یا رسول اللہ آپ نے مغافیر کھایا ہے (مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کو شہد کی مکھی چوستی ہے اس میں کسی قدر بُو ہوتی ہے اور بُو آنحضرت صلعم کو سخت ناپسند تھی) آپ فرمائیں گے مجھے حفصہؓ نے شہد پلایا ہے، تم کہنا شاید یہ شہد عُرفط کی مکھی کا ہے۔ یہی بات حضرت صفیہ کو بھی سکھا دی۔ آپ سودہ کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے پروگرام کے مطابق وہی کہا جو پہلے سے طے ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت صفیہ نے بھی یہی کہا۔ اس کے بعد ایک روز آپ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے تو انہوں نے شہد کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں اور عہد کر لیا کہ آئندہ شہد نہ کھائیں گے۔

اس کے بعد قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اے نبی تم بیویوں کی خوشنودی کے لئے جو چیز خدا نے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو۔

اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلعم نے کوئی بات راز کی حضرت حفصہ سے کہی اور تاکید فرمادی کہ کسی سے نہ کہیں مگر وہ حضرت عائشہ سے نہ چھپا سکیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کر دی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا پھر جب ان سے کہا تو انہوں نے کہا کس نے آپ کو خبر دی پیغمبر نے کہا مجھ کو خدا نے علیم و خبیر نے خبر دی۔[۱]

چونکہ یہ صورت رسول اللہ صلعم کی برہمی کی تھی اس لئے حضرت حفصہ رضؓ و حضرت عائشہ نے متفق ہو کر معاملہ کو سلجھانا چاہا تو دونوں کی شان میں اس آیت کا نزول ہوا۔

اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر رسول اللہ صلعم سے مظاہرہ کرو تو خدا و جبریل اور تمام دنیا سب کے سب فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں۔

اس آیت میں منافقین کی طرف اشارہ ہے اور ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر حفصہ اور عائشہ دونوں مظاہرہ کریں اور منافقین سازش کر کے اس

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۲۹ ۔

سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو بھی خدا پیغمبر کی مدد کرے گا اور خدا کے ساتھ جبریل ملائکہ اور تمام دُنیا ہے۔

فضائل وکمالات

حضرت حفصہ بہت سمجھدار تھیں ان کو تعلیم وتفہیم کا بڑا شوق تھا، عبداللہ بن عمرؓ حمزہ بن عبداللہ حارثہ بن وہب، عبدالرحمان بن حارث، وغیرہ مردوں میں اور صفیہ بنت ابی عبیدہ، ام مبشر انصاریہ عورتوں میں ان کے دائرہ تلامذہ میں داخل ہیں۔ حضرت حفصہ سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں جو انہوں نے خود آنحضرت صلعم اور حضرت عمرؓ سے سُنی تھیں [۱]

مسند ابن حنبل میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین سے ان کو کیا شغف تھا۔ ایک بار آنحضرت صلعم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ اصحاب بدر وحدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے حضرت حفصہؓ نے اعتراض کیا کہ اللہ تو فرماتا ہے۔

وان منکم الا واردھا — تم میں سے ہر ایک وارد جہنم ہوگا۔

آپ نے فرمایا ہاں یہ بھی تو ہے،

ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا۔ — پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اسمیں زانوؤں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے [۲]

اخلاق وعادات

حضرت حفصہؓ بہت بڑی عبادت گزار اور مذہب کی پابند تھیں

---

[۱] زرقانی صفحہ ۲۷۱ جلد ۳۔ [۲] مسند جلد ۶ صفحہ ۲۸۵

قائم اللیل اور صائم النہار تھیں آخر وقت تک روزہ نہ چھوڑا[1]

حضرت عائشہ اور ان میں بہنا پا تھا، اکثر معاملات میں ایک دوسرے کی شریک تھیں کبھی کبھی رقابت کا بھی اظہار ہو جاتا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رض کے ذکر میں لکھا گیا۔

حضرت عائشہ رض ان کی نسبت فرماتی تھیں "حفصہ اپنے باپ کی بیٹی ہیں۔" جیسے راسخ الاعتقاد ہر بات میں وہ ہیں ویسے ہی یہ بھی ہیں[2]

وفات

ان کے سال وفات میں اختلاف ہے ابن اثیر کہتے ہیں کہ جو زمانہ حضرت حسن بن علی رض کے امیر معاویہ سے بیعت کرنے کا ہے وہی زمانہ حضرت حفصہ رض کی وفات کا ہے یعنی ۴۱ھ (اسد الغابہ)

ابن سعد کا خیال ہے کہ حضرت حفصہ نے شعبان ۴۵ھ میں وفات پائی اکثر ارباب سیر اس پر متفق ہیں۔

مروان عامل مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت ابو ہریرہ ان کا جنازہ مغیرہ کے گھر سے مدفن تک لے گئے۔ عبد اللہ بن عمر، عاصم بن عمر اور عبد اللہ بن عمر کے بیٹے سالم، عبد اللہ اور حمزہ قبر میں اُترے اور بقیع میں آپ دفن کی گئیں۔

طبقات ابن سعد والصحابیات

اُم المومنین

حضرت زینب بنت خزیمہ رضؔ

زینب نام اُم المومنین لقب۔ پہلے عبداللہ ابن جحش کی زوجیت میں تھیں جو جنگ احد ۳ھ شہید ہوئے عبداللہ کے بعد اسی سال آں حضرت صلعم نے ان سے نکاح کر لیا۔ لیکن دو ہی تین مہینے کے بعد سفر آخرت پیش آیا۔ یہ پہلی بیوی ہیں جو آپ کی زندگی میں حضرت خدیجہ رضؔ کے بعد رہگرائے فردوس ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر کم و بیش تیس سال تھی۔ زمانہ انتقال آخر ماہ ربیع الاول ہے، رسول اللہ صلعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن فرمایا۔ (طبقات)

آں حضرت صلعم سے ان کا نکاح اوائل رمضان ۳ھ میں ہوا اور بارہ اوقیہ مہر قرار پایا بعض لوگ حدیث اولسکن لحوقابی اطولکن یدًا زینب بنت خزیمہ کے حق میں بتاتے ہیں کیونکہ وہ بہت صدقہ دیا کرتی تھیں اور مساکین پر بہت مہربان تھیں لیکن یہ غلط ہے اصل میں یہ حدیث زینب بنت جحش سے متعلق ہے جن کا انتقال آں حضرت صلعم کے بعد تمام ازواج سے پہلے ہوا زینب بنت خزیمہ تو باتفاق محدثین آں حضرت صلعم کی زندگی میں وفات پا چکی تھیں۔

اُم المومنین

حضرت اُم سلمہ رضؓ

آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ اصل نام ہند ہے لیکن چونکہ کنیت زیادہ متعارف ہے اس لئے اُم سلمہ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ باپ ابو اُمیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھے اور ماں عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک کنانیہ بعض لوگ حضرت ام سلمہ رضؓ کا نام رملہ بھی بتاتے ہیں مگر اس کی کوئی اصل نہیں محدثین اس روایت کو لیس بشئی سے تعبیر کرتے ہیں۔ (اصابہ)

ابو اُمیہ کا نام حذیفہ تھا اور زاد الراکب کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ مکہ کے فیاضوں میں ان کا خاص اعتبار تھا اور جب کبھی سفر کرتے تھے تو تمام قافلہ کے خود کفیل ہوتے تھے یہی فیاضانہ کفالت تھی جس کی دل پذیری نے زبان عرب سے ابو اُمیہ کو یہ لقب دلایا۔

پہلے جناب ام سلمہ رضؓ کا نکاح ابو سلمہ بن عبدالاسد سے ہوا جو ان کے چچیرے بھائی تھے۔ یہ اور ان کے شوہر دونوں اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو قدیم الاسلام کہا جاتا ہے۔ یعنی آغاز نبوت میں جب کہ لوگ "ترک و اختیار" کی کشمکش میں مبتلا تھے اور مذہب کی نسبت حق بجانب فیصلہ کرنا صرف خوش نصیبوں کا حصہ تھا، یہ میاں بیوی اسلام کی غیر فانی دولت سے مالا

مال ہوئے۔

جس طرح اسلام میں دونوں دوش بدوش تھے اسی طرح ہجرت میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ پہلے حبشہ کا رُخ کیا وہاں سے کچھ دنوں کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی مدینہ کی ہجرت میں حضرت اُم سلمہ کو جو المناک واقعات پیش آئے۔ انہیں کی زبان سے ابن اثیر نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں فرماتی ہیں "جب ابو سلمہ نے مدینہ جانے کا فیصلہ کر لیا تو ان کے پاس ایک ہی اونٹنی تھی اسی پر مجھ کو اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کر دیا اور اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لئے چل دیئے۔ بنو مغیرہ نے جو میرے میکے کے لوگ تھے ہم لوگوں کو دیکھ لیا اور ابو سلمہ سے مزاحمت کی کہ ہم اپنی لڑکی کو ایسی خراب حالت میں نہ جانے دیں گے، ابو سلمہ کے ہاتھ سے نکیل چھین لی اور مجھے اپنے ساتھ لے چلے اتنے میں بنو عبدالاسد ابو سلمہ کے خاندان کے لوگ آپہونچے اور انہوں نے میرے بچے سلمہ پر قبضہ کر لیا اور بنو مغیرہ سے کہا اگر تم اپنی لڑکی کو شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم اپنے بچے کو تمہاری لڑکی کے پاس ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اب میں، میرا شوہر میرا بچہ تینوں ایک دوسرے سے جدا تھے، مارے صدمے کے میری حالت خراب تھی چونکہ ہجرت کا حکم صادر ہو چکا تھا اس لئے ابو سلمہ تو مدینہ پہنچ گئے میں تنہا رہ گئی۔ روزانہ صبح کو گھر سے نکلتی اور ایک ٹیلے پر بیٹھ کر شام تک رویا کرتی، اسی حال میں مجھ کو کم و بیش ایک سال ہو گیا۔ ایک دن بنو مغیرہ کے ایک شخص نے جو میرا عزیز تھا، میری یہ پریشانی دیکھ کر ترس کھایا اور بنو مغیرہ کو جمع کر کے سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا "آپ لوگ اس مسکین کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے جس کو آپ نے اس کے

بچہ اور شوہر سے جدا کر دیا ہے۔" یہ مفہوم کچھ ایسے موثر الفاظ میں ادا کیا گیا تھا کہ میرے میکے والوں کو رحم آگیا۔ اور انہوں نے اجازت دے دی کہ اگر تم چاہو تو اپنے شوہر کے پاس جا سکتی ہو۔ یہ سن کر بنو عبد الاسد نے بھی میرے بچے کو میرے پاس بھیج دیا، اب اونٹ پر میں نے کجاوا کسا اور سلمہ کو گود میں لے کر سوار ہو گئی۔ میں بالکل تنہا تھی اور اسی عالم میں تنعیم پہنچی وہاں عثمان بن طلحۃ بن ابی طلحہ ملے انہوں نے میرا ارادہ معلوم کر کے مجھ سے پوچھا کیا کوئی تمہارے ساتھ ہے میں نے کہا نہیں صرف میں ہوں اور یہ میرا بچہ، انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور ہاتھ سے کھینچتے ہوئے آگے آگے چلنے لگے، خدا جانتا ہے مجھے ابن طلحہ سے زیادہ شریف آدمی عرب میں نہیں ملا، جب منزل آتی اور ہم کو ٹھہرنا پڑتا تو وہ کسی درخت کی آڑ میں ہو جاتے، چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ تیار کر لاتے اور جب میں اطمینان سے بیٹھ جاتی تو اونٹ کی مہار لے کر آگے آگے چلنے لگتے۔ اثناء سفر میں یہی معمول رہا، مدینہ پہنچ کر بنی عمرو بن عوف کی آبادی (موضع قباء) سے گذر ہوا تھا تو عثمان ابن طلحہ نے مجھ سے کہا تمہارا شوہر اس گاؤں میں ہے ابو سلمہ یہاں ٹھہرے ہوئے تھے، میں اللہ کے بھروسہ پر اس محلہ میں داخل ہوئی اور خدا خدا کر کے ان سے ملاقات ہوئی۔ عثمان ابن طلحہ مجھے ابو سلمہ کا پتا بتا کر مکہ واپس ہو گئے۔[1]

حضرت ام سلمہ پر اس ہمدردی کا ہمیشہ اثر رہا اور وہ اکثر فرمایا کرتی تھیں۔

---

[1] اسد الغابہ ۵۸۸/۵۸۹

”میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ ساتھ دینے والا شریف آدمی کوئی نہیں دیکھا۔“

اسی دور ابتلا میں جب کہ مسلمان ہر طرف سے آماجگاہ حوادث بنے ہوئے تھے اور ان کی پریشانیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا ہجرت کے موقعہ پر جو مصیبتیں حضرت ام سلمہ کو اٹھانی پڑیں انہیں کا حصہ تھیں چنانچہ ان کا دل خود بھی اس احساس سے خالی نہ تھا اور وہ جب ہجرت کا ذکر کرتیں تو فخریہ کہتی تھیں ”میں نہیں جانتی کہ اہل بیت میں سے کسی نے وہ مصیبتیں اٹھائی ہوں جو اسلام کی خاطر خاندان ابو سلمہ کو جھیلنا پڑیں۔ (اسد الغابہ)

جہاں اور اوصاف میں حضرت ام سلمہ رضؓ دیگر ازواج سے ممتاز تھیں ہجرت میں بھی ان کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ پہلی پردہ نشین بیوی تھیں جن کو ابتداءً مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا اتفاق ہوا۔ (اسد الغابہ)

حضرت ام سلمہ رضؓ بڑی بافغت بیوی تھیں، ان کے باپ ابو اُمیہ قریش کے نہایت معزز شخص تھے۔ ہجرت کے زمانہ میں جب یہ قبا میں داخل ہوئیں تو لوگ اُن کا حال پوچھتے اور باپ کا نام سن کر یقین نہ کرتے تھے۔ کیونکہ شریف عورتیں اس زمانہ میں بھی اس طرح تنہا نکلنے سے پرہیز کرتی تھیں۔ صرف ام سلمہ کو اسلام کا درد تھا۔ اور خدا کے حکم کی پابندی فرض سمجھتی تھیں اس لئے ان کو کچھ خیال نہ ہوتا تھا اور مجبوراً چُپ رہتی تھیں۔ جب کچھ لوگ حج کے لئے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھیجا اس وقت سب کو ان کی خاندانی شرافت و بزرگی کا یقین آیا۔ (اسد الغابہ)

ابھی ہجرت کے مصائب تازہ تھے اور شوہر کے زیادہ رہنے کا

موقعہ نہ ملا تھا کہ حضرت ابو سلمہ کو غزوہ احد میں شریک ہونا پڑا، میدان جنگ میں انہیں کے ہم نام ابو سلمہ حشیمی کے تیر سے ان کا بازو زخمی ہوا۔ ایک ماہ تک علاج ہونے کے بعد صحت ہوئی۔ اس کے دو سال گیارہ ماہ بعد پھر آنحضرت صلعم کے حکم سے قطن کی طرف بھیج دیئے گئے اور وہ وہاں ۲۹ روز تک رہے (اسد الغابہ)

سنہ ۴ھ صفر کی آٹھویں نویں کو پھر مدینہ آئے مگر اب زخم شق ہو گیا تھا اس سے جانبر نہ ہو سکے اور اسی سال جمادی الاخری کو نویں تاریخ کو وفات پائی (طبقات جلد ۸ صفحہ ۶۰-۶۱)

حضرت ام سلمہ آنحضرت صلعم کو خبر وفات سنانے آئیں۔ آپؐ خود ان کے گھر تشریف لائے مکان محشر غم بنا ہوا تھا حضرت ام سلمہ بار بار کہتیں "ہائے غربت میں کیسی موت ہوئی" آپؐ نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو اَللّٰھُمَّ اخلفنی خَیراً مِنھَا اے اللہ مجھے ان سے بہتر ان کا جانشین دے" پھر رسول اللہ صلعم ابو سلمہ کی لاش پر تشریف لائے۔ بڑے اہتمام سے جنازہ کی نماز پڑھائی گئی۔ جس میں آپ نے نو تکبیریں کہیں لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے چونکہ وفات کے وقت ابو سلمہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں اس لیئے رسول اللہ نے خود دست مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۲۵)

جب حضرت ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو حضرت ام سلمہ حاملہ تھیں۔ عدت کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کی غربت و کس مپرسی کے خیال سے اپنے

نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے انکار کر دیا۔ (طبقات جلد ۸ صفحہ ۶۲)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے نکاح کا پیام دیا تھا مگر صاحب اصابہ کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کے واسطہ سے آنحضرت صلعم نے اپنے نکاح کا پیام بھیجا تھا، ابو سلمہ کی جاں نثاری اور اُم سلمہ کی بے مائگی و غربت کا احساس ایسا نہ تھا کہ جناب رسالتماب صلعم کو متاثر نہ کرتا۔ آپ نے بحکم الٰہی حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمرؓ کے ذریعہ سے اپنے نکاح کا پیام بھیجا اب حضرت اُم سلمہ کو یہ جرات نہ تھی کہ تعمیل ارشاد سے انحراف کرتیں پہلے چند عذر کئے مگر آنحضرت صلعم نے سب شرطیں منظور فرمائیں تو راضی ہو گئیں اور اپنے بیٹے عمر سے کہا اُٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو۔ شوال ۴ھ کی اخیر تاریخوں میں رسم از دواج ادا ہوئی اور اس طرح نہ صرف حضرت ام سلمہ کے اُس جانگسل صدمہ کی تلافی ہو گئی جو ان کو ابو سلمہ کی حسرت خیز وفات سے پیدا ہوا تھا بلکہ اُن کی عارضی مدت حیات ابدی مسرت میں بدل گئی۔

احمد بن اسحٰق حضرمی زیاد بن مریم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ایک بار ام سلمہ نے اپنے شوہر ابو سلمہ سے کہا " مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر جنت نصیب ہو اور عورت اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ اس عورت کو بھی شوہر کے ساتھ جنت میں جگہ دیتا ہے۔ یہی صورت مرد کے لئے ہے تو آؤ ہم تم معاہدہ کر لیں نہ تم ہمارے بعد نکاح کرو نہ ہم تمہارے بعد۔ ابو سلمہ نے جواب دیا کیا تم میری اطاعت کرو گی؟ ام سلمہ نے کہا سوائے تمہاری اطاعت کے مجھے کس بات میں خوشی ہو سکتی ہے۔ ابو سلمہؓ نے کہا تو جب میں مر جاؤں تو میرے بعد نکاح کر لینا پھر ابو سلمہ نے

دُعا مانگی "یا اللہ میرے بعد ام سلمہ کو مجھ سے بہتر جانشین عطا فرما۔" حضرت اُم سلمہ رض فرماتی ہیں جب ابو سلمہ مر گئے تو میں اپنے دل میں کہتی تھی ابو سلمہ سے بہتر کون ہو گا اس کے کچھ دنوں کے بعد آنحضرت صلعم سے میرا نکاح ہو گیا۔ (طبقات)

آنحضرت صلعم نے ام سلمہ کو دو چکیاں، دو مشکیزے، ایک تکیہ چمڑے کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی عنایت فرمایا، یہی سامان دوسری ازواج کو عطا ہوا تھا۔

حضرت اُم سلمہ کے واقعات نکاح میں یہ واقعہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ جس روز یہ بیاہ کر لائی گئیں اس دن اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا زینب بنت خزیمہ رض کا انتقال ہو چکا تھا رخصتی کے بعد حضرت ام سلمہ ان ہی کے گھر لائی گئیں۔ اسباب خانہ داری پہلے ہی سے مہیا تھا حضرت ام سلمہ نے ایک گھڑے سے جَو نکالے اور کچھ چربی نکال کر دیگچی میں چڑھا دی۔ جَو پیس کر اسی دیگچی میں چربی ملا کر کھانا تیار کیا یہ تھا وہ کھانا جو جناب رسالت مآبؐ اور ان کی شریک زندگی نے شب عروسی میں تناول فرمایا۔ (طبقات جلد ۸)

صلح حدیبیہ کے سلسلے میں رسول اللہ صلعم کو ان کا مشورہ دینا بہت مشہور واقعہ ہے۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ صلح کے بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں اور چونکہ شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اس لئے عام طور پر شکستہ دلی پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کے تین بار حکم دینے پر بھی کوئی شخص تعمیل ارشاد پر آمادہ نہ ہوا آپ گھر آئے اور حضرت ام سلمہ رض سے واقعہ بیان کیا انہوں نے کہا "آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیے باہر نکل کر خود قربانی کیجئے اور احرام اُتارنے کے لئے بال منڈوائیے۔" آپ

نے ایسا ہی کیا جب لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا فرمان ناطق ہے اور آپ خود اس پر عمل پیرا ہیں تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اُتارا۔ (صحیح بخاری)

حضرت ام سلمہ کی یہ وہ رائے تھی جس کی موزونیت کو سب نے تسلیم کیا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت ام سلمہ رضؓ ہر چند بیمار تھیں مگر آپ کو گوارا نہ ہوا کہ دینی فرض سے پہلو تہی کریں اس لئے باوجود عذر صحیح ہونے کے آنحضرت صلعم کے ساتھ آئیں طواف کے متعلق رسول اللہ صلعم نے فرمایا "ام سلمہ! جب نماز فجر ہونے لگے تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لینا۔

حضرت ام سلمہ کی تمام اولادیں پہلے شوہر سے تھیں آنحضرت صلعم کے صلب مبارک سے ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اخلاق وعادات

حضرت ام سلمہ کی زندگی سراپا زہد تھی۔ دنیا کی طرف بہت کم توجہ کرتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک ہار پہن لیا جس میں کچھ سونا بھی شامل تھا۔ حضورؐ نے اعتراض فرمایا تو اتار ڈالا۔ ہر مہینہ پیر، جمعرات اور جمعہ تین دن روزہ رکھتی تھیں۔ پہلے شوہر کی اولاد ساتھ تھی جن کی پرورش نہایت دل سوزی سے کرتی تھیں آں حضرت صلعم سے ایک بار پوچھا مجھے اس کا ثواب ملے گا۔ فرمایا ضرور ملے گا۔ اوامر و نواہی کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں۔

خود بھی بڑی سخی تھیں اور دوسروں کو بھی سخاوت کی ترغیب دیتی تھیں۔ آپ کو دوسروں کی راحت رسانی کا بڑا خیال رہتا۔ جہاں تک ہوتا کار خیر میں بھی دریغ نہ کرتیں۔ بہ مقتضائے محبت آنحضرت صلعم کے موئے مبارک تبرکاً اپنے پاس رکھتیں۔ صحابہ میں کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ایک پیالہ

پانی بھر کر ان کے پاس لاتے اور وہ موئے مبارک اس میں ڈبو دیتیں اور اس کی برکت سے ان کی تکلیف دور ہو جاتی۔

آپ کو حدیث سننے کا بہت شوق تھا ایک روز بال گندھوانے میں مصروف تھیں کہ اتنے میں آنحضرت صلعم خطبہ کے لئے ممبر پر رونق افروز ہوئے زبان سے "یا ایہا الناس" نکلا تھا کہ مشاطہ سے کہا بال باندھ دو۔ اس نے کہا جلدی کیا ہے ابھی تو زبان مبارک سے یا ایہا الناس ہی نکلا ہے حضرت ام سلمہ نے کہا کیا خوب" ہم آدمیوں میں داخل نہیں؟ اس کے بعد خود بال باندھ کر اٹھیں اور پورا خطبہ سُنا۔

اس واقعہ سے علاوہ ذوق علمی کے ان کی خاطر طبعی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ذیل کے واقعات سے حضرت ام سلمہ کے تفقہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رض رمضان میں جنابت کو ناقص صوم خیال کرتے تھے ایک شخص نے حضرت عائشہ رض اور ام سلمہ رض سے اس خیال کی تصدیق چاہی دونوں نے تردید کی اور کہا کہ آنحضرت صلعم خود بحالت جنابت روزہ سے پائے گئے۔ حضرت ابوہریرہ رض کو معلوم ہوا تو سخت نادم ہوئے اور کہا میں کیا کروں فضل بن عباس نے مجھ سے یہی کہا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ام سلمہ رض اور عائشہ رض کو زیادہ علم ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ کہا آنحضرت صلعم بھی پڑھا کرتے تھے چونکہ حضرت عبداللہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ رض کے

سلسلہ سے سُنی تھی اس لئے مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لئے آدمی بھیجا انہوں نے کہا کہ مجھ کو ام سلمہ سے پہونچی ہے حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا تو بولیں۔

اللہ عائشہ کو بخشے انہوں نے میری بات بیجا طریقہ پر سمجھی میں نے اُن سے یہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلعم نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے"

ایک مرتبہ ایک شخص کو کوئی مسئلہ بتایا اس کو تسکین نہیں ہوئی وہ ان کے پاس سے دوسری ازواج کے پاس گیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا۔ واپس آکر حضرت ام سلمہؓ کو یہ خبر سنائی تو بولیں نعم وَ اَشفِیکْ! ٹھیرو میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں میں نے اس کے متعلق آنحضرت صلعم سے حدیث سُنی ہے۔

اب چند اکابر ملت کی رائیں ان کے فضل و کمال کے متعلق لکھ کر وفات کا حال لکھیں محمود بن بعید کہتے ہیں۔

"یعنی یوں تو ازواج مطہرات میں سب کو کثرت سے احادیث حفظ تھیں مگر حضرت عائشہ اور ام سلمہ کا کوئی حریف نہ تھا۔"

علامہ ابن قیم کا قول ہے۔ اگر ان کے فتاوے جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

امام الحرمین فرماتے ہیں۔ ام سلمہ سے زیادہ صائب الرائے عورتوں میں مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔

وفات ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے واقدی کا خیال ہے کہ شوال ۵۹ھ میں وفات پائی۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن حبان کہتے

کہتے ہیں۔ آخر ۶۱ھ میں بعد شہادت حضرت حسین بن علی آپ نے انتقال کیا اور ابو خثیمہ اس کے قائل ہیں کہ ان کا زمانہ وفات یزید بن معاویہ کا عہد خلافت ہے۔ (یعنی آخر ۶۱ھ) مگر حق یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ کا سال وفات ۶۳ھ ہے اسی سال واقعہ حیرہ پیش آیا تھا یعنی حضرت عبد اللہ ابن زبیر کے محاصرہ کے لئے شامی افواج مکہ پر چڑھ آئی تھیں۔

وفات کے وقت حضرت ام سلمہ کی عمر ۸۴ سال کی تھی حضرت ابوہریرہؓ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی قاعدہ تھا کہ حاکم وقت جنازہ کی نماز پڑھاتا تھا اس زمانہ میں ولید بن عقبہ مدینہ کا والی تھا مگر حضرت ام سلمہؓ کی وصیت کی وجہ سے وہ نہ آنے پایا۔ بجائے اس کے حضرت ابوہریرہ نے یہ فرض ادا کیا کیونکہ صحابہ میں فضل و کمال قدر و منزلت کے اعتبار سے اس وقت سب سے زیادہ جلیل القدر یہی تھے۔

ام المومنین
حضرت زینب بنت جحش

نام ونسب نام زینب، کنیت ام حکم، آپ کا تعلق خاندان اسدیہ سے تھا جو اسد بن خزیمہ سے منسوب ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے۔ زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔ ماں کا نام امیمہ تھا جو آنحضرت کے دادا عبد المطلب کی بیٹی تھیں اور حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی سگی بہن۔ اس رشتہ سے حضرت زینبؓ جناب رسالت

ماںؑ کی حقیقی پھوپھیری بہن ہوئیں۔

ہجرت و اسلام اسلام کے لحاظ سے آپؓ سابقون الاولون میں سے ہیں۔ یعنی پہلے دور میں اسلام لائیں ابن اثیر لکھتے ہیں۔ کانت قدیمۃ الاسلام رسول اللہ صلعم کے ساتھ جن عورتوں نے ہجرت میں ہمرکابی کا شرف حاصل کیا انہی میں یہ بھی ہیں۔

نکاح حضرت زید بن حارثہ آنحضرت صلعم کے آزاد کردہ غلام تھے اور آپ کے متبنیٰ بھی تھے۔ بایماء نبوت پناہ حضرت زینبؓ انہی کے ساتھ بیاہ دی گئیں بظاہر تو یہ نکاح ایک معمولی حیثیت رکھتا ہے لیکن حقیقت میں مساوات اسلام کی بے لوث تعلیم کا عملی سنگ بنیاد ہے۔

"غلامی" کی نسبت ایک ایسی نسبت تھی جس کو اس زمانہ کی تاریک خیالی پر نظر کرتے ہوئے قریش اور خاص کر خاندان بنو ہاشم کا دامن شرافت اپنے لئے کبھی گوارا کر سکتا تھا۔ لیکن چونکہ اسلام اس قسم کا لایعنی امتیاز اُٹھا دینے کے لئے آیا تھا اور حضرت زید بن حارثہ کی دینی خدمات ایسی تھیں کہ اُن کا رتبہ اشراف سے کسی طرح کم سمجھا جاتا اس لئے آں حضرت صلعم نے حضرت زینبؓ کو ان کی زوجیت میں دے دیا۔ دوسرے یہ بھی مدنظر تھا کہ حضرت زید حضرت زینبؓ کو کتاب و سنت کی تعلیم دیں۔

نکاح ہونے کو تو ہو گیا لیکن حضرت زینبؓ کو یہ رشتہ پسند نہ تھا انہوں نے نکاح سے پہلے بھی رسول اللہ صلعم سے عرض کیا تھا "لا ارضاہ لنفسی (میں ان کو اپنے لئے پسند نہیں کرتی) صرف رسول اللہ

صلعم کی تعمیل ارشاد منظور تھی اس لئے تقریباً ایک سال تک نباہا مگر اس کے بعد ناگواریاں بڑھتی گئیں اور حضرت زید نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی کہ

"زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں میرا ارادہ ہے کہ ان کو طلاق دے دوں آنحضرت صلعم ان کو سمجھاتے رہے کہ طلاق نہ دیں قرآن مجید میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں رکھو اور خدا سے خوف کرو۔

مگر نباہ نہ ہو سکا حضرت زید بن حارثہ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے ہی دی۔ جب حضرت زینبؓ طلاق کی عدت پوری کر چکیں تو اس خیال سے کہ وہ آپ کی بہن ہونے کے علاوہ آپ ہی کے زیر تربیت سن شعور کو پہونچی تھیں اور آپ ہی کے حکم سے زید کے نکاح میں آئیں آپ نے اس میں ان کی دلجوئی دیکھ کر خود نکاح کرنا چاہا اس وقت تک رسوم جاہلیت کا اثر باقی تھا اور متبنّٰی کی وہی حیثیت سمجھی جاتی تھی جو اصلی بیٹے کی ہوتی ہے حضرت زید متبنّٰی کے رشتہ سے زید بن محمدؐ مشہور تھے اس لئے منافقوں کے اعتراض کا خیال وجہ تامل ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا زیبا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ایک تو دل سے یہ خطرہ نکال دیا دوسرے کھلے لفظوں میں منافقوں کو یہ مسکت جواب دیا۔

"محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہ ہونگے لوگوں کو ان کے باپ
کے نام سے پکارو۔"

اب کوئی امر مانع نہ تھا۔ آپ نے حضرت زید سے فرمایا کہ تم جاؤ اور زینب کو میرے نکاح کا پیام دو حضرت زید حضرت زینبؓ کے گھر آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلعم تم سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت زینبؓ بولیں جب تک خدا کا حکم نہ ہو ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی یہ جواب دے کر مسجد کا رُخ کیا ادھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"فلما قضیٰ زیدٌ منہا وطراً ا و جنا کہا"

چونکہ حکم الٰہی ہو چکا تھا اب کوئی امر ایسا نہ تھا کہ استحکام ازدواج میں حائل ہوتا اس لئے نکاح کی تکمیل ہو گئی اور آنحضرت صلعم بغیر انتظار اجازت حضرت زینبؓ کے پاس آنے جانے لگے۔

ولیمہ میں گوشت روٹی کا انتظام کیا گیا تھا جو مسلمانوں نے شکم سیر ہو کر کھایا ولیمہ کے بعد ہی آیت حجاب نازل ہوئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ کھانے کے بعد لوگ باتوں میں مشغول ہو گئے آپ حضرت زینبؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے ان لوگوں کے سبب سے بار بار آتے اور چلے جاتے اخلاقاً کچھ نہ فرماتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"اے ایمان والو نبی کے گھر نہ آؤ مگر اس صورت میں کہ تم کو
کھانے کا اذن دیا جائے اس کے برتنوں پر نظر ڈالے بغیر
(آسکتے ہو) لیکن جب تم کو دعوت دی جائے تو آجاؤ اور
جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کیوں کہ
تمہارا یہ فعل نبی کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے بسبب شرم

کے کچھ نہیں کہتا مگر اللہ کو حق بات کہنے سے کوئی شرم نہیں اور جب تم اُن سے (نبی کی بیبیوں سے) کچھ مانگو تو اُن سے پردہ کی آڑ سے مانگو۔"

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہو گئی یہ واقعہ ذی قعدہ ۵ھ کا ہے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حضرت زینب دیگر ازواج کے مقابلہ میں اپنے نکاح پر فخر کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں میرا عقد اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا ہے اور میرے ہی نکاح پر آنحضرت صلعم نے گوشت روٹی سے ولیمہ کیا۔

ابن سعد اس ولیمہ کی خصوصیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

" رسول اللہ صلعم نے اپنی کسی بیوی کا ولیمہ اس شان سے نہیں کیا جس شان سے حضرت زینب کا ولیمہ کیا ان کا ولیمہ بکری کے گوشت سے کیا۔

محمد ابن عمر کی روایت ہے کہ ایک دن حضرت زینب نے جناب رسالت مآب صلعم سے کہا یا رسول اللہ میں آپ کی کسی بیوی کی طرح نہیں ہوں ان میں سے کوئی عورت ایسی نہیں جس کا نکاح باپ یا بھائی یا خاندان کی ولایت میں نہ ہوا ہو سوائے میرے کہ مجھے اللہ نے آسمان سے آپ کی زوجیت میں دیا۔

مذکورہ روایتیں گویا حضرت زینب کی خصوصیات نکاح کا مظہر ہیں جن میں ان کا کوئی شریک نہیں حضرت عائشہؓ اسی خیال سے حضرت زینبؓ کے متعلق فرماتی تھیں۔

" ازواج مطہرات میں ایک یہی تھیں جن کو مجھ سے مساوات کا دعویٰ تھا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کو اس دعویٰ کا حق تھا کیونکہ ان کے اس نکاح سے بعض رسوم جاہلیت کی بیخ کنی ہو گئی مثلاً پہلے عام خیال تھا کہ متبنیٰ صلبی اولاد کا حکم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے ذریعہ اس کی عملی اصلاح کی آزاد و غلام کا امتیاز اٹھ گیا اور حضرت زید کو خاندان ہاشم میں مساوات کی تکمیل کا مظہر بنایا گیا بے پردگی کی مکروہ رسم موقوف ہوئی اور پردہ کا عام حکم مسلمانوں کو پہونچایا گیا۔

اخلاق وعادات حضرت زینب رضؓ میں جو اخلاقی خصوصیات پائی جاتی ہیں کم عورتوں میں ایسی ہونگی جو اس میں ان کی شریک ہوں۔ باوصف اس کے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اکثر ان کا حریفانہ مقابلہ رہتا تھا اور بمقتضائے طبیعت بشری ایک حد تک رشک ورقابت کا بھی تعلق تھا لیکن واقعہ افک میں جب حضرت عائشہ رضؓ کے متعلق ان سے رائے طلب کی گئی تو انہوں نے نہایت صفائی سے کہا کہ میں ان میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی غور کیا جائے تو عورت جیسی کمزور فطرت کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا علاوہ مذکورہ تعلقات کے ایک بات یہ بھی تھی کہ حضرت زینب رضؓ کی بہن حمنہ اس سازش میں شریک تھیں مگر اللہ کو منظور تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی براءت کے ساتھ حضرت زینب رضؓ کی بے لوث حق گوئی کا بھی اعلان کر دے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

"یعنی حضرت عائشہ رضؓ نے افک کے معاملہ میں حضرت زینب رضؓ کی تعریف کی ہے"

آپ نہایت فیاض، فراخ دست، متوکل اور قانع تھیں، یتامیٰ و

مساکین کی سرپرست اور فقرا کی پشت و پناہ تھیں ابن سعد ایک روایت میں لکھتے ہیں۔

زینب بنت جحش نے درہم و دینار کچھ نہ چھوڑا وہ جو کچھ پاتی تھیں صدقہ کر دیتی تھیں وہ مساکین کی ملجیٰ و ماوی تھیں۔

حضرت عائشہ رضہ نے ان کی اکثر تعریف کی ہے فرماتی ہیں۔

"آنحضرت صلعم کی ازواج میں سوائے زینب بنت جحش کے آپ کے نزدیک حسن منزلت میں کوئی میرا مد مقابل نہ تھا۔"

ہاتھ کی صناع تھیں، چمڑا پکاتی تھیں اور اس کی آمدنی راہِ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں۔

سخاوت کا یہ حال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضؓ کے بارہ ہزار درہم مقرر فرما دیئے تھے۔ انہوں نے کبھی نہ لئے صرف ایک سال قبول فرمائے اور کہا "اے اللہ آئندہ یہ سال مجھ کو نہ پائے کیوں کہ یہ فتنہ ہے" پھر اس کو اپنے قرابت داروں میں حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو بولے یہ بیوی بڑی صاحب خیر ہیں" اور ان کے دروازہ پر دیر تک ٹھیرے رہے سلام کہلا بھیجا اور کہا آپ نے جو کچھ کیا مجھے اس کی خبر ہو گئی اس کے بعد ہزار درہم ان کے خرچ کے لئے اور بھیجے انہوں نے وہ بھی اسی طرح صرف کر دیئے۔

آپ نہایت خاشع و خاضع اور عبادت گزار بیوی تھیں ایک موقع پر مہاجرین کے گروہ میں آنحضرت صلعم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے یہ بیچ میں بول اٹھیں تو حضرت عمر رضی اللہ نے جھڑک دیا کہ دخل در معقولات نہ کریں آپ نے فرمایا "عمر ان سے کچھ نہ کہو یہ اداہ (یعنی بڑی عابد و زاہد) ہیں۔

فضائل ومناقب

حضرت زینب رضؓ کے فضائل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ جیسی سلیم الفہیم اور عظیم المرتبت بیوی ان کے اوصاف میں رطب اللسان ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے ان کے حالات زندگی کا جس غائر نظر سے مطالعہ کیا تھا کتب احادیث اس کی شاہد ہیں۔ ہم یہاں بعض اقوال حضرت عائشہ رضؓ کے اپنے بیان کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

موسیٰ بن طارق اپنی روایت میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت زینبؓ کا ذکر کیا تو بولیں

"ان سے بہتر عورت، معاملات دین، تقویٰ، صداقت، صلہ رحم سخاوت اور نیک نفس میں کوئی نہ تھی۔"

ایک موقعہ پر علامہ ابن عبدالبر نے حضرت عائشہ رضؓ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

"میں نے مذہبی نقطہ نظر سے حضرت زینب رضؓ سے بہتر کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

محمد بن عمر نے موسیٰ بن محمد کے سلسلہ سے حضرت عائشہ رضؓ کا یہ قول نقل کیا ہے

"اللہ زینب بنت جحش پر رحم کرے، واقعی ان کو دنیا میں بے نظیر مرتبہ حاصل ہوا۔ اللہ نے اپنے نبی سے ان کو بیاہ دیا اور ان کے سبب سے قرآن کی بعض آیتیں اتریں۔

حضرت ام سلمہ کا ارشاد ہے۔

کانت صالحۃً صوامۃً قوامۃً

وفات

:۔ بہ عہد خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنہ ۲۰ھ میں

دنیا کو خیر باد کہا اسی سال مصر فتح ہوا تھا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ترپن سال کی تھی یہ روایت حافظ ابن حجر نے لکھی ہے اور اسی طرف عام مورخین کا رجحان ہے مگر واقدی کی رائے ہے کہ حضرت زینبؓ کی کل مدت حیات ۵۰ سال ہے جو اکثریت کے خلاف ہے۔

حضرت زینبؓ کی فیاضانہ روش آخر تک قائم رہی جب انتقال ہوا ہے تو آپ کے پاس کچھ نہ تھا سب صدقہ کر چکی تھیں صرف ایک مکان ان کی یادگار تھا جو ولید بن عبدالملک نے پچاس ہزار درہم میں ان کے اعزہ سے خرید کر مسجد نبوی میں ملا دیا۔

آپ نے مرنے سے قبل تاکید کر دی تھی کہ میں نے اپنا کفن تیار کر لیا ہے شاید عمر میرے لئے کفن بھیجیں اگر ایسا ہو تو ایک کفن صدقہ میں دے دینا۔

آپ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت پر مجھ کو اٹھایا جائے " اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق کو اس تابوت پر قبر تک پہونچایا جا چکا تھا۔ یہ پہلی خاتون تھیں جو حضرت ابوبکرؓ کے بعد تابوت نبوی پر اٹھائی گئیں۔

حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ عقیل اور ابن حنفیہ کی قبروں کے درمیان ان کا مزار تیار ہوا اس دن گرمی بہت شدت کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جہاں قبر کھد رہی تھی خیمہ لگوایا تھا کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع میں قبر پر نصب ہوا۔

دفن کے وقت حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے دریافت کرایا کہ جناب زینبؓ کی قبر میں کون اترے جواب آیا کہ جو ان کی زندگی میں

ان کے پاس آتا جاتا رہا ہو چنانچہ حضرت عمر کے حکم سے محمد بن عبداللہ بن جحش اسامہ ابن زید، عبداللہ ابن ابی احمد بن جحش اور محمد بن طلحہ نے قبر میں اُتارا یہ سب حضرت زینب رضؓ کے رشتہ دار تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی وفات کا زیادہ صدمہ تھا جب حضرت زینب رضؓ کا انتقال ہوا تو کہنے لگیں " وہ نیک بخت بے مثل بیوی چلی گئیں اور یتامیٰ و بیوگان کو بے چین کر گئیں "۔

حضرت زینب رضؓ کے متعلق بہت مشہور ہے اور ان کی خصوصیات سے ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے وفات سے قبل ازواج کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم میں سے جس کا ہاتھ سب سے بڑا ہوگا وہی سب سے پہلے مجھ سے ملے گا۔ دراصل ہاتھ کی بڑائی سے فیاضی مقصود تھی ازواج نے حقیقی معنی ملحوظ رکھے جب سب یکجا ہوتیں ایک دوسرے کے ہاتھ ناپا کرتیں۔ جب تک حضرت زینب رضؓ کی وفات نہیں ہوئی تھی اس وقت تک یہی ہوا کرتا تھا پھر غور کیا تو اصل مدعا رسول اللہ کا سمجھ میں آیا چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا۔

" ہم میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والی حضرت زینب رضؓ تھیں کیونکہ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی میں صدقہ کرتی تھیں "۔

(الصحابیات)

ام المومنین

حضرت جویریہ بنت حارث

نام ونسب جویریہ نام تھا اور بنی خزاعہ کے خاندان مصطلق سے تعلق رکھتی تھیں آپ کا نسب یہ ہے جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار بن عائذ بن مالک بن خذیمہ ابن مصطلق۔

پہلا نکاح پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا جو ان کا ابن عم تھا اور ابن ذی الشفر کے نام سے زیادہ مشہور تھا۔

نکاح ثانی و دیگر حالات غزوہ مریسیع جو بنی مصطلق کی جنگ کا دوسرا نام ہے ۵ھ میں اور بقول بعض ۶ھ میں ہوا تھا حضرت جویریہؓ اسی جنگ کی غنیمت میں ہاتھ آئی تھیں جب اموال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو آپ ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ چونکہ نازک مزاج، خوبرو اور سردار قبیلہ کی بیٹی تھیں لونڈی بن کر رہنا گوارا نہ ہوا ثابت سے مکاتبت کی درخواست کی وہ راضی ہوئے تو آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ میں مبتلائے مصیبت ہوں اپنے تئیں آزاد کرانا چاہتی ہوں آپ میری امداد فرمائیے ارشاد ہوا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں تمہارا زر کتابت ادا کر دوں اور تم سے نکاح کرلوں

جویریہؓ نے کہا بہتر ہے۔ آنحضرتؐ نے روپیہ دے کر نکاح کر لیا جب یہ حال مسلمانوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے بنو مصطلق کے سارے قیدی آزاد کر دیئے کیونکہ اب قرابت نبوی کا پاس مانع تھا ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اس تقریب میں بنو مصطلق کے سو خاندان آزادی کی دولت سے بہرہ مند ہوئے حضرت عائشہؓ حضرت جویریہؓ کو اس خصوصیت پر مستحق تحسین قرار دیتی ہیں اور فرماتی ہیں۔

"میں نے کسی عورت کو جویریہ سے زیادہ اپنی قوم کے لئے وجہ برکت نہیں دیکھا"

عام حالات

رسول اللہ کے نکاح میں آنے کے کچھ دن بعد حارث ابن ابی زار بغیر اس علم کے کہ ان کی بیٹی حرم نبوی میں داخل ہو گئی ہے اموال و اسباب اونٹوں پر بار کر کے حضرت جویریہؓ کی رہائی کے لئے مدینہ روانہ ہوئے۔ مکہ میں مقام عقیق پر اپنے اونٹ چرانے کے لئے چھوڑ دیئے ان میں سے دو اونٹ ان کو بہت پسند تھے۔ اس لئے ان کو کسی گھاٹی میں چھپا دیا مدینہ پہنچ کر جناب رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "تم میری بیٹی کو قید کر لائے ہو اس کا فدیہ مجھ سے لے لو اور اس کو میرے ساتھ کر دو" پھر جو مال اور اونٹ وغیرہ فدیہ دینے کے لئے لائے تھے پیش کرنے لگے آپ نے فرمایا۔ "وہ دو اونٹ کہاں ہیں۔ جن کو تم عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا آئے ہو"

حارث پر اس اطلاع کا بڑا اثر ہوا اور وہ فوراً مسلمان ہو گیا اب اس کو معلوم ہوا کہ جس بیٹی کو چھڑانے کے لئے اس نے اتنی زحمت اٹھائی

ہے وہ حرم نبوی کی رونق بنی ہوئی ہے بہت خوش ہوا اور بڑی مسرت کے ساتھ اپنی بیٹی سے مل کر ہنسی خوشی مع اپنی قوم کے گھر روانہ ہوا۔

پہلے حضرت جویریہ رض کا نام برہ تھا آپؐ نے بدل کر جویریہ رکھا کیوں کہ پہلے نام میں ایک طرح کی بدشگونی پائی جاتی تھی اور خودستائی کا پہلو نکلتا تھا ابن عباس کی روایت میں ہے۔

"یعنی آپ کو برہ نام ناپسند تھا کہ برہ کے پاس سے چلے آئے۔

مگر ہماری رائے میں اس توجیہ کے مقابلہ میں آیہ لا تزکوا اَنفُسَکُم کی تاویل زیادہ مناسب ہے۔

ابن سعد نے حضرت جویریہ رض کا مہر یہ بتلایا ہے۔

" بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کی آزادی ان کا مہر قرار پائی تھی۔

حضرت جویریہ رض جس وقت آنحضرت صلعم کے نکاح میں آئیں جوان تھیں صورت اچھی پائی تھی۔ حضرت عائشہ رض نے ان کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے

" جویریہ میں حلاوت و ملاحت دونوں وصف تھے جو شخص ان کو دیکھتا اپنے دل میں جگہ دیتا۔

اخلاق و عادات

آپ بہت خود دار تھیں عزت نفس کا بے انتہا خیال رکھتی تھیں چنانچہ اپنی آزادی کے لئے جد و جہد اس کا کافی ثبوت ہے زہد و عبادت سے بہت شغف تھا اکثر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم تشریف لائے اور ان کو تسبیح و تہلیل میں مصروف پایا۔

صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ" نبی صلعم جویریہ رض کے پاس آئے وہ

مسجد میں تھیں دوپہر کے قریب دوبارہ پھر تشریف لائے اور ان سے فرمایا تم ہمیشہ اسی حالت میں رہتی ہو کہا "ہاں" فرمایا میں تم کو ایسے کلمے نہ سکھلا دوں جن کا کہہ لینا تمہاری نفل عبادت سے زیادہ ترجیح رکھتا ہے پھر آپ نے چند کلمات تعلیم فرمائے۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ جمعہ کے دن آنحضرت صلعم حضرت جویریہؓ کے پاس آئے اس دن وہ روزہ سے تھیں آپ چونکہ ایک روزہ رکھنا مکروہ خیال فرماتے تھے اس لئے دریافت فرمایا "تم نے کل روزہ رکھا تھا بولیں "نہیں" پھر فرمایا کل ارادہ ہے کہا "نہیں" ارشاد ہوا تو تم افطار کرلو۔

آنحضرت صلعم ان سے بہت محبت فرماتے تھے ایک مرتبہ تشریف لائے تو پوچھا "کچھ کھانے کو ہے"۔ جواب دیا" میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

فرمایا لے آؤ کیوں کہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا اس کو پہونچ گیا۔

حضرت جویریہؓ نے بعمر ۶۵ سال ۵۰ھ میں وفات پائی

وفات بروایت محمد ابن عمران کا سال وفات ۵۶ھ ہے جو امیر معاویہ کا عہد خلافت ہے ماہ ربیع الاول میں انتقال ہوا۔ مروان بن حکم نے جو اس زمانہ میں مدینہ کا والی تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع میں دفن کی گئیں۔ آپ بڑی فضل وکمال والی بیوی تھیں چند احادیث بھی آں حضرت سے روایت کی ہیں۔

حسب ذیل بزرگوں نے ان سے احادیث بیان کی ہیں۔

ابن عباس، جابرؓ، ابن عمرؓ، عبید بن السباق طفیل، ابوایوب مراغ، مجاہد، مرکب، کلثوم بن مصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد۔

اُمّ المومنین

حضرت اُمّ حبیبہ

نام و نسب رملہ نام ہے اور یہی مشہور ہے بعض کے نزدیک ہند ہے مگر بہ نسبت نام کے آپ کی کنیت ام حبیبہ زیادہ معروف ہے۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص تھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سگی پھوپھی تھیں اور باپ کا نام ابوسفیان صخر بن امیہ بن عبد شمس تھا۔

ولادت بعثت نبوی سے سترہ سال قبل پیدا ہوئیں۔

نکاح آپ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش بن یاب سے ہوا جو بنی اسد بن خزیمہ کے خاندان سے تھے اور جبیبہ بن امیہ کے حلیف تھے۔

ہجرت و اسلام اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور ساتھ ہی ہجرت کر گے حبشہ چلی گئیں، یہاں پہنچ کر عبید اللہ کے صلب سے ان کی لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی جس کے نام سے آپ ام حبیبہ مشہور ہوئیں۔ کچھ دنوں بعد عبید اللہ نے ترک اسلام کر کے عیسائی مذہب اختیار کیا۔ عبید اللہ کے ارتداد سے پہلے حضرت اُم حبیبہ نے شوہر کو نہایت بدنما صورت میں دیکھا بہت گھبرائیں اور دل میں کہنے لگیں کہ یقیناً اس کی حالت خراب نظر آتی ہے۔ صبح ہوئی تو عبید اللہ نے ان سے کہا "اُم حبیبہ میں نے مذہب کے معاملہ میں غور کیا تو مجھے نصرانیت سے بہتر کوئی مذہب نہ معلوم ہوا گو میں پہلے مسلمان ہو چکا ہوں لیکن اب پھر عیسائی ہوتا ہوں۔ حضرت ام حبیبہ نے بہت ملامت کی اور اپنا خواب بھی

بیان کیا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا وہ آخر تک عیسائی رہا چونکہ رندانہ زندگی بسر کرتا تھا شراب خواری کے عالم میں مرگیا۔

نکاح ثانی

اب حضرت ام حبیبہ تنہا تھیں اور حبشہ میں بیوگی کے دن کاٹ رہی تھیں۔ عدت پوری ہوگئی تو جناب رسالت مآب صلعم نے نکاح کا پیغام دینے کے لئے عمر بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبش کے پاس بھیجا ان کے پہونچتے ہی نجاشی نے ابرہہ اپنی لونڈی کے ذریعہ سے حضرت ام حبیبہ کے پاس رسول اللہ صلعم کا پیام پہونچایا اور کہلا دیا کہ آنحضرت نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے تم اپنا کوئی وکیل مقرر کردو کہ یہ تقریب انجام پائے حضرت ام حبیبہ نے اس کے صلہ میں ابرہہ کو دو چاندی کے کنگن دو پانوں کے چھلے اور نقرئی انگوٹھیاں عنایت کیں خالد بن سعید کو اس کی اطلاع کردی اور انہیں کو اپنا وکیل بنایا جب شام ہوئی تو نجاشی نے وہاں کے مسلمانوں اور جعفر بن ابی طالب کو بلاکر خود نکاح پڑھایا اور چار سو دینار مہر کے آنحضرت صلعم کی طرف سے خالد بن سعید کو ادا کئے جب مراسم نکاح سے فراغت ہوگئی اور لوگ اٹھ کر جانے لگے تو خالد بن سعید نے ٹھیرایا کہ انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کرتے ہیں تو اس کھانا بھی کھلاتے ہیں پھر سب کو کھانا کھلاکر رخصت کیا۔

یہ نکاح سنہ ۶ھ یا سنہ ۷ھ میں ہوا اس وقت حضرت اُم حبیبہ ۳۶ یا ۳۷ سال کی ہوں گی نکاح کے بعد جہاز میں بیٹھ کر . . . . . . مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں اس وقت آنحضرت صلعم خیبر میں تشریف فرما تھے۔

نکاح کی روایت طبقات اور مسند وغیرہ میں بصحیح کتب سیر سے ماخوذ

ہے اور اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں لیکن مہر کی تعداد سہو روایت پر مبنی معلوم ہوتی ہے علامہ ابن عبدالبر، امام احمد بن حنبل وغیرہ محقوق نے قابل وثوق ذرائع سے لکھا ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر چار چار سو درہم تھا اور اسمیں بہت کم اختلاف ہے اس بناء پر مہر کی تعداد قابل اعتبار نہیں۔

اخلاق حضرت ام حبیبہ بڑے مستحکم ایمان کی خاتون تھیں اور اس خصوص میں وہ اپنے کسی عزیز و قریب کی رعایت نہ کرتی تھیں ان کے باپ ابوسفیان کفر کے زمانہ میں آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ آئے کہ میعاد صلح کی توسیع کے لئے سلسلہ جنبانی کریں۔ بیٹی کو بھی دیکھنے گئے اور رسول اللہ صلعم کے بستر مبارک پر بیٹھنے لگے حضرت ام حبیبہ نے بچھونا اُلٹ دیا اس پر باپ کا بیٹھنا گوارا نہ کیا ابوسفیان سخت ناراض ہوئے بولے بیٹی تجھ کو بچھونا اتنا عزیز ہے کہ مجھ سے روگردانی کرتی ہے جواب دیا یہ رسول اللہ صلعم کا بستر ہے اور آپ چونکہ مشرک ہیں۔ اس لئے ناپاک ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔ تو میرے بعد بہت ہی خرابیوں میں مبتلا ہو گئی ہے۔

عمل بالحدیث کی بہت پابند تھیں دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتی تھیں ایک بار ان کے بھانجے ابوسفیان ابن سعید آئے۔ اور انہوں نے ستو کھا کر کلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہیئے کیوں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے۔

آنحضرت صلعم سے سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا اس کی اتنی پابند تھیں کہ خود فرماتی ہیں۔ یعنی یہ سننے کے بعد میں ان رکعتوں کو ہمیشہ پڑھتی ہوں۔

ان کے باپ ابوسفیان کا انتقال ہوا تو خوشبو منگا کر رخساروں اور

بازؤوں پر ملی اور کہا "مجھے اس کی خبر نہ بھی ہوتی اگر میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے نہ سن لیا ہوتا کہ ایماندار عورت کے لئے تین دن سے زیادہ کا سوگ جائز نہیں بجز شوہر کے کہ اس کے سوگ کی مدت چار مہینہ اس دن ہے"

وفات :۔ ؁۴۴ھ میں جب کہ امیر معاویہ کا عہد خلافت تھا ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔ انتقال سے قبل حضرت عائشہؓ کو بلایا اور کہا "مجھ میں اور آپ میں سوکنوں کے تعلقات تھے اگر کوئی لغزش ہوئی تو معاف کر دیجئے اور میرے لئے دُعائے مغفرت کیجئے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے دعا کی تو بولیں

"آپ نے مجھے خوش کیا اللہ آپ کو خوش کرے"

عمومی تبصرہ آپ بڑی فاضل و کامل الاوصاف بیوی تھیں فن حدیث میں آپ کے کئی شاگرد تھے اور آپ کی مرویہ احادیث کی تعداد ۶۵ بتلائی جاتی ہے۔ جو آپ نے آنحضرت صلعم اور اُم المومنین حضرت زینب رضؓ بنت جحش سے روایت کیں جن لوگوں نے حضرت ام حبیبہ سے روایت کی ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ حبیبہ بنت عبید اللہ معاویہ بن ابی سفیان، عقیلہ بنت ابی سفیان، عبداللہ بن عتبہ بن ابی سفیان، ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ، سالم بن سواد، ابن الجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ام سلمہ، عروہ بن زبیر، ابو صالح سمان وغیرہ وغیرہ۔

ان کی قبر کے متعلق ایک عجیب روایت ہے۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ اُم زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا جس میں لکھا تھا۔

"یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے۔"
انہوں نے یہ دیکھ کر اس کتبہ کو پھر وہیں رکھ دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر میں تھی۔ اس سے زیادہ حالات حضرت ام حبیبہ کے مدفن کے متعلق نہیں معلوم ہو سکے۔

(الصحابیات)

اُم المومنین
حضرت صفیہ بنت حییؓ

نام و نسب:۔ آپ کا نام صفیہ تھا حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد سے تھیں اسی لئے ان کو صفیہ بنت حُیی اسرائیلہ کہتے ہیں۔ نسب یہ ہے۔ صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضیر بن نحام بن ینخوم ماں برہ بنت سموال تھیں جن کا سلسلہ نسب یہودیوں کے مشہور خاندان قریظہ سے ملتا تھا اس حساب سے حضرت صفیہ کا دادھیال بنی نضیر اور ننھیال بنی قریظہ یہود کے ہر دو یک جدی خاندان قرار پاتے ہیں۔

حضرت صفیہؓ کے باپ اور نانا دونوں اپنی قوم کے معزز و باوقار سردار تھے اور اسی لئے بنی اسرائیل کے تمام عربی قبائل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ حیی بن اخطب ان کے والد کی حد سے زیادہ قدر و منزلت کی جاتی تھی تمام افراد قوم ان کی سرداری اور وجاہت کے آگے سر جھکاتے تھے ان کی والدہ برہ سموال کی بیٹی تھیں جو سارے جزیرہ عرب میں اپنی شجاعت و دلیری کے

لحاظ سے بہت مشہور تھے الغرض صفیہ رضؓ کا حسب ونسب ایک خاص امتیاز رکھتا تھا۔

نکاح:۔ پہلے سلام بن مشکم القرظی سے نکاح ہوا جو ایک مشہور شاعر اور سردار تھا اس سے طلاق ہو جانے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے عقد کیا یہ بھی سلام سے کچھ کم رتبہ نہ رکھتا تھا بلکہ خیبر کے نامی قلعہ القموص کا سردار تھا اور یہیں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بود و باش رکھتا تھا۔ جب جنگ خیبر میں مسلمانوں کو معرکتہ الآرا فتح حاصل ہوئی۔ اور القموص جیسا مضبوط قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو کنانہ ابن ابی الحقیق قلعہ ہی میں مارا گیا اور اس کے تمام اہل وعیال جن میں حضرت صفیہؓ بھی تھیں قید ہو گئے۔

یہ لڑائی یہودیوں کے لئے ایسی تباہ کن تھی کہ ان کی سب امیدوں پر پانی پھر گیا اور آئندہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے اس جنگ میں ان کے نامی گرامی سردار چن چن کے کام آئے جن میں حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی تھے۔ اس لئے اس جنگ میں حضرت صفیہؓ کی حالت بہت زیادہ قابل رحم تھی۔

جب اموال غنیمت کی تقسیم ہونے لگی اور تمام قیدی اس مقصد سے جمع ہوئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ مجھے ایک لونڈی کی ضرورت ہے آپ نے انتخاب کی اجازت دی، دحیہ نے حضرت صفیہ کو پسند کیا۔ چونکہ یہ عزت ووقار کی حیثیت سے اس سے زیادہ ذی وقعت تھیں کہ حضرت دحیہ کے حصہ میں آئیں یا ان کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ کیا جاتا اس خیال سے بعض صحابہ نے گذارش کی کہ "صفیہ بنی

نضیر و بنی قریظہ کی رئیسہ ہے وہ تو آپ ہی کے لئے مناسب ہے۔" آنحضرت صلعم نے یہ مشورہ قبول فرمایا اور وحیہ کو دوسری لونڈی عنایت کر دی اور صفیہؓ کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کر لیا۔

یہ واقعہ ۷ھ کا ہے نکاح کے بعد جب خیبر سے روانگی ہوئی تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی گئی۔ اور وہیں دعوت ولیمہ بھی ہوئی صہبا سے چلنے لگے تو آپ نے ان کو اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صفیہؓ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔

اب آپ مدینہ پہونچے صفیہؓ کو حارث بن نعمان کے مکان میں اُتارا حضرت حارث بن نعمان آنحضرت صلعم کے نہایت جان نثار اور فدا کار صحابی تھے پھر خدا نے دولت بھی عطا کی تھی ایسے موقعوں پر خود سبقت کرتے تھے اور آنحضرت صلعم کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی انہیں کا ایثار کام آیا اس مکان میں حضرت زینب بنت جحش حضرت حفصہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت جویریہؓ برقعہ پہنے انصار کی عورتوں کے ساتھ حضرت صفیہؓ کو دیکھنے آئیں یہ روایت ام سنان سلیمہ کی ہے عطا بن یسار کی روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ کے حسن وجمال کا حال سن کر انصار کی عورتیں ان کو دیکھنے آئیں حضرت عائشہؓ بھی نقاب ڈالے ان لوگوں میں شامل تھیں۔ جب دیکھ کر جانے لگیں تو آنحضرت صلعم پیچھے پیچھے آئے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

"عائشہ تم نے اس کو کیسا پایا"

بولیں یہودیہ ہے۔ فرمایا یہ نہ کہو وہ تو مسلمان ہو گئی ہے اور اس کا

اسلام بہتر ہے۔

اخلاق و عادات

آپ مزاج کی بے حد حلیم اور بے انتہا ضابط تھیں جس وقت قلعہ القموص فتح ہوا اور خیبر پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو حضرت صفیہ اور ان کی چچازاد بہن کو حضرت بلال رضؓ اپنے ساتھ آں حضرت صلعم کی خدمت میں لے چلے راستہ میں ان کا گذر یہودیوں کی لاشوں پر ہوا ایسے مواقع بہت نازک ہوتے ہیں۔ مضبوط سے مضبوط دل ہل جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ والی عورت یہ ہولناک سماں دیکھ کر چیخ اٹھی اور سر پر خاک ڈالنے لگی مگر حضرت صفیہ کی متانت دیکھئے کہ محبوب شوہر کی نعش سے گزریں اور جبیں پر شکن تک نہ آئی۔

ان کی ایک لونڈی نے حضرت عمر رضؓ سے ان کی شکایت کی اور کہا کہ ان میں اب تک یہودیت کی بُو پائی جاتی ہے کیوں کہ وہ اب بھی "ہفتہ" کو دوست رکھتی ہیں۔ اور یہودیوں سے ان کے تعلقات قائم ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے تصدیق کے لئے حضرت صفیہ رضؓ سے دریافت کرایا انہوں نے جواب دیا کہ "جب سے مجھے اللہ نے ہفتہ کے بدلہ جمعہ عنایت فرمایا۔ ہفتہ کو دوست رکھنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ یہودیوں سے تعلقات تو ان سے میری قرابت ہے مجھے صلۂ رحم کا خیال رکھنا پڑتا ہے" اس کے بعد اس لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تجھے اس بات پر کس نے آمادہ کیا تھا لونڈی نے کہا شیطان نے یہ سن کر حضرت صفیہ رضؓ خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا۔

آپ رسول اللہ صلعم کو نہایت محبوب رکھتی تھیں جب آپ علیل ہوئے اور تمام ازواج عیادت کے لئے آئیں تو حضرت صفیہ رضؓ بحسرت کہنے لگیں یا نبی اللہ کاش آپ کی تمام تکلیفیں مجھے مل جائیں۔" یہ سن کر اور بیویاں

ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں آنحضرت صلعم نے فرمایا واللہ وہ سچی ہے۔

یہی حال قریب قریب آنحضرت صلعم کی محبت کا تھا حضرت صفیہ رضؓ کے ساتھ آپؐ کو ان کی خاطر بہت عزیز تھی، اور ان کی دل جوئی کا بہت خیال رکھتے تھے ایک بار سفر میں تھے ازواج مطہرات ساتھ تھیں اتفاق سے حضرت صفیہ رضؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا یہ بہت گھبرائیں اور بے اختیار رونے لگیں آپ کو معلوم ہوا تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھنے لگے مگر اس طرح ان کی گریہ وزاری میں اور اضافہ ہو گیا۔ آخر آپؐ سب کے سب اتر پڑے جب شام ہوئی تو زینبؓ بنت حجش سے فرمایا زینب تم صفیہ کو ایک اونٹ دے دو۔ حضرت زینب رضؓ بولیں کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں یہ کلمہ آنحضرت صلعم کو بہت ناگوار ہوا اور آپ اس قدر ناراض ہوئے کہ دو تین مہینہ تک حضرت زینب رضؓ سے بات نہ کی پھر حضرت عائشہ رضؓ نے بمشکل معاف کرایا۔

اسلام کا تقدس حاصل ہو جانے کے بعد یہودیت کا طعن آپ کے لئے سخت دل خراش ہوتا تھا بعض اوقات جب ان پر اس قسم کا طنز کیا جاتا تو بہت رنجیدہ ہوتیں۔ ایک بار آپ تشریف لائے تو حضرت صفیہ رضؓ رو رہی تھیں سبب دریافت فرمایا تو کہا " عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ وہ تمام ازواج میں افضل ہیں۔ کیونکہ وہ بیوی ہونے کے علاوہ آپ کی چچا زاد بہن بھی ہیں۔

آنحضرت صلعم نے دل جوئی کے لئے فرمایا" تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ ہارونؑ، میرے چچا موسیٰؑ اور میرے شوہر محمدؐ ہیں اس لئے تم لوگ مجھ سے کیوں کر افضل ہو سکتی ہو؟"

درایتاً تو اس حدیث میں کوئی کلام نہیں ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہو۔ تمام اہل سیر ابن سعد، حافظ ابن حجر وغیرہ اپنی تصانیف میں اسے نقل کرتے ہیں۔ روایتاً البتہ اس کے متعلق امام ترمذی کی رائے ہے کہ "یہ حدیث غریب ہے۔ ہاشم کوفی کے سوا اور کسی سے نہیں سنی گئی اور اس کی سند کچھ ایسی نہیں ہے۔"

یہ ہاشم کوفی وہی ہیں۔ جن کی نسبت محدثین کی رائے اچھی نہیں ہے۔

آپ بے انتہا سیر چشم اور فیاض تھیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ کا صرف ایک ذاتی مکان تھا اور وہ بھی اپنی زندگی میں صدقہ میں دے ڈالا۔ زرقانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ ام المومنین کی حیثیت سے مدینہ آئیں تو انہوں نے جناب فاطمہ زہرا اور ازواج مطہرات میں اپنی سونے کی بجلیاں تقسیم کر دیں۔

آپ میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا فطری جذبہ پایا جاتا تھا چنانچہ جب ۳۵ھ میں حضرت عثمان غنی رضؓ محصور ہو گئے اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو حضرت صفیہ رضؓ ایک غلام کو ساتھ لے کر اپنے خچر پر سوار ہوئیں اور ان کے مکان کی طرف چلیں اشتر نخعی نے دیکھا تو خچر کو مارنے لگا چونکہ آپ اشتر نخعی کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکتی تھیں۔ اس لئے مصلحتاً واپس چلی گئیں اور اپنی جگہ حضرت حسین رضؓ کو اس خدمت پر مامور کیا۔

تمام ارباب سیر ان کے محاسن اخلاق کے ستائش گر ہیں۔ علامہ ابن عبداللہ لکھتے ہیں:۔

"صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں۔"

ابن اثیر کی رائے ہے۔

"وہ نہایت عقلمند عورت تھیں۔"

فضل وکمال

حضرت صفیہ رضؓ دیگر ازواج کی طرح علمی خصوصیات کا بھی مخزن تھیں۔ اکثر لوگ ان سے مسائل پوچھتے اور اطمینان حاصل کرتے تھے۔ صہیرہ بنت حیفر جب حج سے فارغ ہو کر حضرت صفیہ رضؓ سے ملنے آئیں تو دیکھا کہ کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کے لئے ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ سب کے سوالات کا جواب نہایت حسن کے ساتھ دے رہی تھیں۔

حضرت صفیہ رضؓ سے چند احادیث کی بھی روایت کی گئی ہے جن کو امام زین العابدین رضؓ اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

وفات :۔

۵۰ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۶۰ سال کی تھی وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات سے قبل وصیت کی تھی کہ میری متروکہ املاک کا ثلث میرے بھانجے کو دے دیا جائے۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ نے ایک لاکھ درہم چھوڑے تھے۔ مخالف مذہبی کی وجہ سے لوگوں نے وصیت پوری کرنے میں تامل کیا۔ کیوں کہ حضرت صفیہ کا بھانجا یہودی تھا لیکن جب حضرت عائشہ رضؓ نے کہلا بھیجا کہ لوگو اللہ سے ڈرو اور صفیہ کی وصیت پوری کرو تب اس کی تعمیل ہوئی۔

اُم المومنین
حضرت میمونہ بنت حارث رضؓ

نام و نسب آپ کا پہلا نام برہ ہے۔ آنحضرت صلعم کے نکاح میں آنے کے بعد میمونہ نام رکھا گیا آپ ام الفضل لبابۃ الصغریٰ کی بہن تھیں ان کا نسب یہ ہے:۔

میمونہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن یزم بن رد یبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ ماں کا نام ہند تھا جن کا سلسلہ نسب یہ ہے ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن جرش۔

نکاح :۔ پہلا نکاح مسعود بن عمر بن عمیر ثقفی سے ہوا یہ روایت طبقات و زرقانی و دیگر کتب سیر میں پائی جاتی ہے لیکن صاحب اصابہ نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ ان کے پہلے شوہر کون تھے۔ اجمالاً یہ لکھ دیا ہے کہ نبی صلعم سے قبل ابو رہم بن عبد العزیٰ کی زوجیت میں تھیں بہر حال سعود بن عمر سے طلاق ہو جانے کے بعد ابو رہم بن عبد العزیٰ سے نکاح ہوا۔ جب ۷ھ میں ابو رہم نے وفات پائی تو رسول اللہ صلعم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا یہ آنحضرت صلعم کی آخری بیوی تھیں یعنی ان کے بعد پھر کسی سے رسول صلعم نے نکاح نہیں کیا۔

یہ نکاح حضرت عباس بن عبدالمطلب کی ولایت میں ہوا آنحضرت صلعم جب ذیقعد کے مہینہ میں عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے تو جعفر بن ابی طالب کو حضرت میمونہ کے پاس نکاح کا پیغام دیکر بھیجا انہوں نے

حضرت عباس بن عبد المطلب کو وکیل بنایا۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ خود حضرت عباس نے آں حضرت صلعم کو ان سے نکاح کرنے پر آمادہ کیا غرض اسی احرام کی حالت میں عمرہ کی نیت سے آپ باندھے ہوئے تھے۔ شوال ۷ھ میں بعوض ۵۰۰ درہم حضرت میمونہ سے نکاح ہوا جب آپ عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ تشریف لانے لگے تو مقام سرف میں جو مدینہ کی راہ میں مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے قیام فرمایا۔ رسم عروسی ادا ہوئی ابو رافع آنحضرت صلعم کے خادم حضرت میمونہ کو یہیں لے آئے تھے۔

اخلاق وعادات

حضرت عائشہ رضؓ کا ارشاد ہے۔

"میمونہ ہم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی اور صلۂ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں۔"

آپ نہایت صحیح العقیدہ اور راسخ الخیال بیوی تھیں۔ ایک عورت نے بیماری کی حالت میں منت مانی تھی کہ شفا ہو گئی تو بیت المقدس جاکر نماز پڑھوں گی۔ اللہ نے اس کو شفا دی اور وہ منت پوری کرنے کے لئے حضرت میمونہ رضؓ سے رخصت ہونے آئی کہ ان سے مل کر روانہ ہو حضرت میمونہ رضؓ نے اس کو سمجھایا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے کے ثواب سے ہزار گناہ زیادہ ہے تم یہیں رہو اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو۔

کبھی کبھی قرض لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ زیادہ لے لیا تو کسی نے پوچھا اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی۔ فرمایا آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا اس کا قرض خود ادا کر دیتا ہے۔

اوامر ونواہی کا بہت خیال رکھتی تھیں اور اس بارہ میں بہت سخت

تھیں ایک دفعہ ان کا ایک رشتہ دار ان کے پاس آیا اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی انہوں نے اس کو بہت سختی سے جھڑک دیا اور کہہ دیا کہ آئندہ کبھی میرے ہاں نہ آنا۔

ان کی ایک کنیز حضرت ابن عباس کے گھر گئی تو میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہوئے دیکھے سمجھی کہ کچھ رنجش ہو گئی ہے مگر پوچھا معلوم ہوا کہ ابن عباس نسوانی امراض کی حالت میں بستر الگ کر لیتے ہیں۔ جب حضرت میمونہ رضؓ کو یہ خبر پہونچی تو بولیں ان سے جا کر کہو کہ رسول اللہ صلعم کے طریقہ سے اس قدر کیوں اعراض ہے آپؐ تو برابر ہم لوگوں کے بچھونے پر آرام فرماتے تھے۔

فضائل وکمالات

ان کی مرویہ حدیثیں ۴۶ ہیں اور بقول بعض ۷۶ ان میں سے ۷ متفق علیہ ایک فرد بخاری ۵ فرد مسلم، باقی اور کتابوں میں ہیں۔ بعض احادیث سے ان کے تفقہ کا پتا چلتا ہے۔

مثالاً ایک روایت پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضؓ پراگندہ مو آئے تو بولیں اس کا کیا سبب ہے جواب دیا ام عماد (ان کی بیوی) نسوانی امراض میں مبتلا ہے وہی میرے کنگھا کرتی ہیں۔ بولیں کیا خوب آنحضرت صلعم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے۔ بیٹا کہیں ہاتھ میں بھی مرض ہوتا ہے۔

جن حضرات نے حضرت میمونہ رضؓ سے حدیث کی روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابن عباس، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبدالرحمٰن بن

السائب، یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبیداللہ الخولانی (اُبیب) ندیہ (کنیز) عطا بن یسار سحان بن یسار (غلام) ابراہیم بن عبداللہ بن سعید بن عباس کریب (ابن عباس کے غلام) عبیدہ بن سباق، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عالیہ بنت سبیع۔

وفات :- ان کے سوانح زندگی میں یہ واقعہ بھی یادگار ہے کہ جس مقام پر رسم عروسی ادا ہوئی وہیں آپ کی وفات بھی آئی۔ یعنی سرف جو ایک وقت ان کی شادی کا منظر تھا آخر میں وہی مدفن قرار پایا سنہ ۵۱ھ سال وفات ہے حضرت ابن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی جس وقت نعش اٹھائی جانے لگی تو حضرت ابن عباس نے کہا " یہ رسول اللہ صلعم کی بیوی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو بہ ادب آہستہ لے چلو۔

جس طرح سب سے آخر میں ان کا نکاح ہوا تھا اسی طرح آنحضرت صلعم کی ازواج میں آپ کی وفات بھی سب کے بعد ہوئی۔

(اسدالغابہ والصحابیات)

حضرت ریحانہ بنت شمعون

نام و نسب ۔ آپ کا تعلق یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنی نضیر سے تھا آپ کا نسب یہ ہے ریحانہ بنت شمعون بن زید اور بقول بعض ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خناقہ بن شمعون بن زید۔

نکاح ۔ پہلے بنی قریظہ کے ایک شخص حکم سے آپ کا نکاح ہوا جب مسلمان قریظہ پر غالب آئے اور ان کے اموال واملاک پر قبضہ آگیا تو مال غنیمت کے ساتھ بزمرۂ اسیران جنگ حضرت ریحانہ رض

بھی آئیں۔ چند روز تک یہ المنذر بنت قیس کے گھر ٹھیرائی گئیں اور مال غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کا فیصلہ ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور ریحانہ سے فرمایا تم اگر اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرو تو میں تم کو اپنے لئے مناسب سمجھتا ہوں۔ ریحانہ نے منظور کیا۔ پھر آنحضرت صلعم نے ان کو آزاد کر کے بارہ اوقیہ ایک نعش مہر دے کر نکاح کر لیا جو اور ازواج کا مہر تھا اور ام المنذر کے گھر رخصت کرا لائے۔

آنحضرت صلعم کو حضرت ریحانہؓ سے بڑی محبت تھی۔ اور آپ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ابن سعد کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ریحانہؓ آنحضرت صلعم کے حصہ میں آگئیں تو آپ نے ان کو اختیار دیا کہ خواہ مسلمان ہو جائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں ریحانہ نے کہا کہ میں اپنے مذہب پر قائم رہوں گی اس پر رسول اللہ کو قلق ہوا اور دوبارہ فرمایا اگر مسلمان ہو گئی تو میں تجھ کو اپنے پاس رکھوں گا مگر وہ ابھی راضی نہ ہوئیں یہ بات آپ کو زیادہ گراں گزری۔ ایک دن سر مجلس آپ تشریف رکھتے تھے لکایک کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی تو فرمایا یہ ثعلبہ بن شعیہ ہے مجھے ریحانہؓ کے اسلام کی بشارت دینے آتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا اور رسول اللہ صلعم نے ریحانہؓ کو بطور ملک اپنے پاس رکھا نکاح نہیں کیا۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس نکاح میں اختلاف ہے صرف ابن سعد نے متعدد طریقوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ریحانہ کو آزاد کر کے نکاح میں لیا ان پر پردہ عائد کیا اور بیویوں کی طرح رکھا حافظ ابن حجر کا رجحان بھی اسی طرف ہے سوائے ان دو مورخوں کے دیگر ارباب سیر بالاتفاق حضرت ریحانہ کا وہی رتبہ سمجھتے ہیں جو ماریہ قبطیہ

کا ہے یعنی یہ کہ وہ آنحضرت صلعم کی خادمہ تھیں بیوی نہ تھیں۔

ریحانہ بروایت ابن سعد محرم سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلعم کے نکاح میں آئیں اور بروایت ابن اسحاق آپ کی وفات سے دس سال پہلے انتقال کیا۔

(اسد الغابہ تاریخ اسلام مرحوم عبداللہ عمادی ص ۹۷ و الطاجنیات)

حضرت زینب بنت رسول اللہ صلعم

نام:- زینب نام تھا۔ جناب سرور کائنات خاتم المرسلین امام النبیئن کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں جو راہ الٰہی میں شہید ہوئیں آپ کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ آنحضرت صلعم کا ارشاد نقل کرتی ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔

آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی ہیں جنھوں نے تصدیق رسالت میں سب سے پہلے پیش قدمی کی اور جن کے فضائل و مناقب اس قدر ہیں کہ اس امت میں آپ کا وہی مرتبہ ہے جو امت ماضیہ میں حضرت مریمؑ کا تھا۔

ابو عمرو کا قول ہے کہ یہ سب صاحبزادیوں میں بڑی صاحبزادی ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور جو لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ غلطی پر ہیں اور ان کا دعویٰ ناقابل التفات ہے اگر التفات ہے تو اس امر میں کہ اولاد رسول اللہ صلعم میں اولاً حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں یا حضرت قاسمؓ علمائے نسب کے ایک گروہ کا قول ہے کہ اول حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے ان کے بعد حضرت زینبؓ۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ پہلے حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں پھر حضرت قاسمؓ

بہر حال حضرت زینبؓ صاجزادیوں میں سب سے بڑی صاجزادی تھیں۔

ولادت بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر تیس سال کی تھی حضرت زینبؓ کے حالات عہد طفولیت کے پردۂ خفاء میں ہیں۔ کتب تاریخ سے کہیں پتہ نہیں چلتا اس لئے آپ کا حال زمانہ شادی سے قلمبند کیا جاتا ہے۔

نکاح آنحضرت صلعم کی صاجزادیوں میں سب سے پہلے حضرت زینبؓ کی شادی کمسنی میں قبل نبوت آپ کے حقیقی خالہ زاد بھائی ابوالعاص (ملقب بہ لقیط) بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس بن عبدمناف بن قصی کے ساتھ ہوئی۔ جو حضرت خدیجہ کی حقیقی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔

حضرت زینبؓ کے جہیز میں منجملہ دیگر سامان کے عقیق یمنی کا ایک ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہؓ نے دیا تھا۔

اسلام جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر فائز ہوئے تو حضرت زینبؓ بھی اسلام لے آئیں۔

ہجرت حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص کے اسلام نہ لانے سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اور ان کو وہیں شرک کی حالت میں مکہ میں چھوڑ دیا۔

عام حالات آنحضرت صلعم حضرت زینبؓ اور حضرت ابوالعاص کے باہمی تعلقات ارتباط اور شریفانہ طرز عمل کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے۔

چونکہ ابوالعاص شرک میں مبتلا تھے اور اسلام کا حکم یہی ہونا چاہیئے

تھا کہ زوجین میں تفریق کر دی جائے۔ لیکن آنحضرت صلعم اس وقت مکہ میں مغلوب تھے اور کوئی اسلامی قوت نہ تھی، کفار کی ایذا رسانی کا بازار گرم تھا۔ اشاعت اسلام کیلئے قوت پہلا زینہ تھا اس لئے آنحضرت صلعم نے مصلحتاً زوجین میں تفریق نہ فرمائی۔

اشاعت اسلام کے ساتھ کفار کی مخالفت بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی آنحضرت صلعم کو تکلیف دینے کا کوئی طریقہ ایسا نہ تھا جو انہوں نے اختیار نہ کیا ہو قریش کے چند لوگوں نے ابوالعاص کو مجبور کیا کہ وہ حضرت زینب رضؓ کو طلاق دیدیں اور بجائے ان کے قریش کی کسی لڑکی سے نکاح کر لیں لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم ان کی قرابت کو اچھا سمجھتے تھے اور تعریف کرتے تھے۔

حضرت زینب رضؓ کو بھی ابوالعاص سے بہت محبت تھی حضرت زینب رضؓ کی محبت و ایثار کا حال ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

نبوت کے تیرہویں سال جب آنحضرت صلعم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو حضرت زینب رضؓ اپنے سسرال میں تھیں اور ابوالعاص رضؓ مشرکین کے ہمراہ جنگ بدر میں شریک تھے۔ عبداللہ بن جبیر بن نعمان نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ ابوالعاص کو بھی گرفتار کیا اس گرفتاری کی خبر اہل مکہ کو پہونچی تو اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ بھیجا حضرت زینب رضؓ نے بھی اپنے دیور عمرو بن ربیع کو وہ ہار (جو آپ کی والدہ حضرت خدیجہ رضؓ نے جہیز میں دیا تھا) دے کر روانہ کیا۔ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں وہ ہار پیش کیا گیا آنحضرت صلعم اس کو دیکھ کر مغموم و محزون ہوئے اور ہار کو دیکھ کر حضرت خدیجہ رضؓ کی یاد تازہ ہو گئی پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب

کرنے فرمایا کہ اگر تم لوگ مناسب خیال کرو تو زینبؓ کے شوہر کو رہا کر دو اور اس کا ہار بھی واپس کر دو چنانچہ وہ رہا کر دیئے گئے اور ہار بھی واپس کر دیا گیا۔

چونکہ سب قیدی فدیہ لیکر چھوڑے گئے تھے اور یہ شان نبوت کے خلاف تھا کہ ابوالعاص صرف آنحضرت صلعم کے داماد ہونے کی حیثیت سے بغیر کسی فدیہ کے چھوڑ دیئے جاتے اس لئے ابوالعاص کا فدیہ یہ قرار پایا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیج دیں۔

حضرت زینبؓ کے لانے کے لئے ابوالعاص کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ کو بھی روانہ کیا اور ہدایت کی کہ تم بطن یاج میں ٹھہر کر انتظار کرنا جب حضرت زینبؓ وہاں آجائیں تو ان کو اپنے ہمراہ لے کر مدینہ منورہ چلے آنا۔ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت زینبؓ جب سامانِ سفر کی تیاری میں مشغول تھیں تو ہند بن عتبہ آپ کے پاس آئیں اور کہا اے بنت محمدؐ کیا تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہو حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ فی الحال تو ایسا ارادہ نہیں ہے آگے جو خدا کو منظور ہو ہند نے کہا بہن اس پوشیدگی کی کیا ضرورت ہے اگر تم واقعی جا رہی ہو اور کچھ زادراہ وغیرہ کی ضرورت ہے تو بے تکلف کہہ دو میں خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

ابھی طبقہ نسواں میں عداوت کا وہ زہریلا اثر نہیں پیدا ہوا تھا جو مردوں میں سرایت کر چکا تھا اس لئے حضرت زینبؓ فرماتی ہیں۔ کہ ہند جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ سچے دل سے کہہ رہی تھیں یعنی اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت

ہوتی تو وہ غالباً ضرور پورا کرتیں لیکن وقت کی مصلحت سے انکار کر دیا۔

غرض جب سامانِ سفر سے فراغت ہو گئی تو اپنے دیور کنانہ بن ربیع کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔ چونکہ کفار کا غلبہ تھا اور ان کے تعرض کا خوف تھا اس لئے آپ کے دیور کنانہ نے اپنے ساتھ ترکش اور کمان وغیرہ بھی رکھ لیا جب وہ لوگ روانہ ہوئے تو قریش میں کھلبلی مچ گئی اور گرفتاری کی فکر کی گئی۔ چنانچہ قریش کی ایک جماعت ان کی جستجو میں نکلی اور مقام ذی طویٰ میں ان دونوں کو گھیر لیا۔ اس جماعت میں ہبار بن اسود (یہ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی کے لڑکے تھے اور اس رشتہ سے حضرت زینبؓ کے بھائی تھے ان کی اس بیجا حرکت پر فتح مکہ کے دن آنحضرت صلعم نے ان کے قتل کی اجازت دے دی تھی لیکن انہوں نے اپنی تقصیر کی معافی چاہی اور مشرف بہ اسلام ہوئے (اصابہ حالات ہبار بن اسود) اور ان کے ساتھ ایک اور دوسرا شخص بھی تھا ان دونوں میں سے کسی ایک نے نیزہ سے حضرت زینبؓ پر حملہ کیا وہ اونٹ سے زمین پر گر پڑیں وہ حاملہ تھیں حمل ساقط ہو گیا چوٹ بہت زیادہ آئی اس پر کنانہ نے ترکش سے تیر نکالا اور کہا اب جو کوئی میرے قریب آئے گا وہ ان تیروں کا نشانہ بنے گا۔

لوگ منتشر ہو گئے ابو سفیان سردارانِ قریش آگے بڑھا اور کہا کہ "تم اپنے تیروں کو تھوڑی دیر روکے رکھو کہ ہم تم سے کچھ باتیں کر لیں"۔ کنانہ نے اپنے تیر ترکش میں رکھ لئے اور ان سے پوچھا کہ کیا کہتے ہو جو کچھ کہنا ہو کہو ابو سفیان نے کہا محمدؐ کے ہاتھوں جو مصیبتیں اور تکلیفیں شکست، رسوائی اور ذلت کی صورت میں ہم لوگوں کو پہنچی ہیں اس سے تم بے خبر نہیں ہو اب اگر تم محمد صلعم کی بیٹی کو علانیہ ہمارے سامنے سے لے جاؤ گے تو

لوگ اسے ہماری کمزوری اور بزدلی پر محمول کریں گے اور ہمارے ضعف و ادبار کا پیش خیمہ خیال کریں گے۔ تو تم خود خیال کر سکتے ہو کہ ہمیں محمدؐ صلعم کی بیٹی کو روکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ اس وقت تم لوٹ چلو جب ہنگامہ فرد ہو جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ محمد صلعم کی بیٹی کو واپس لے آئے تو تم چوری چھپے دوسرے وقت ان کو لے جانا کنانہ نے اس بات کو منظور کیا اور وہ واپس آ گئے جب یہ واقعہ عام طور سے مشہور ہو گیا تو ایک روز مخفی طور سے ان کو لے کر روانہ ہو گئے اور بطن یاج میں حضرت زید بن حارثہ کے سپرد کر کے واپس چلے آئے جو حضرت زینبؓ کو لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

چونکہ ابوالعاص کو بھی حضرت زینبؓ سے بہت محبت تھی اور ان دونوں کے تعلقات اتحاد و ارتباط بہت خوش گوار تھے اس لئے حضرت زینبؓ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئیں تو ابوالعاص بہت مغموم رہنے لگے ایک مرتبہ شام کے سفر میں حضرت زینبؓ بہت یاد آئیں تو انہوں نے یہ دو شعر پڑھے۔

"جب کہ میں موضع ارم سے گزرا تو زینبؓ کو یاد کیا اور (بیساختہ) یہ دعا دی۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو حرم میں سکونت پذیر ہے امین (محمد صلعم) کی لڑکی کو خدائے تعالیٰ جزائے نیک دے اور ہر شوہر اسی بات کی تعریف کرتا ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے۔"

ابوالعاص تجارتی تجربہ اور امانت داری کے لحاظ سے بہت مشہور تھے اہل قریش اپنا تجارتی مال ان کے ساتھ فروخت کرنے کے

لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ جمادی الاول ۶ھ میں ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو آنحضرت صلعم کو خبر پہونچی آنحضرت نے زید بن حارثہ کو مع ایک سو ستر سوار کے تعاقب کے لئے روانہ فرمایا چنانچہ مقام عیص میں دونوں قافلے ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوئے سواران اسلام نے مشرکین کو گرفتار کیا اور جو کچھ مال ان کے پاس تھا اس پر قبضہ کیا لیکن ابوالعاص سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی گئی۔

ابوالعاص نے جب قافلہ کا یہ حشر دیکھا تو فوراً مدینہ منورہ گئے اور وہاں پہنچ کر حضرت زینبؓ سے پناہ طلب کی چنانچہ حضرت زینبؓ نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا آنحضرت صلعم نماز فجر میں مشغول تھے۔ حضرت زینبؓ نے باآواز بلند فرمایا انی قط اجدت ابالعاص یعنی میں نے ابوالعاص کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جب آنحضرت صلعم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے لوگو تم نے کچھ سنا۔ سب نے عرض کیا جی ہاں سنا آپ نے فرمایا مجھے اس سے قبل اس واقعہ کی کچھ اطلاع نہ تھی کیا عجب بات ہے کہ مسلمانوں کے کمزور لوگ دشمنوں کو پناہ دیتے ہیں۔

جب آنحضرت صلعم گھر میں تشریف لائے تو حضرت زینبؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ابوالعاص کا جو کچھ مال و متاع لیا گیا ہے وہ واپس کرا دیا جائے چنانچہ آنحضرت صلعم نے اہل سریہ کے پاس کہلا بھیجا کہ تم میرے اور ابوالعاص کے رشتہ سے واقف ہو اگر تم اس کے ساتھ احسان کرو گے اور اس کا مال و متاع واپس کر دو گے تو میری خوشی کا باعث ہوگا ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ سب نے کہا ہم کل چیزیں واپس کرنے

کے لئے حاضر ہیں۔ چنانچہ سب چیزیں واپس کر دی گئیں ادھر یہ حکم اہل سریہ کو بھیجا اور ادھر اپنی بیٹی زینب رضؓ سے یہ فرمایا کہ تم ابوالعاص کی خاطر مدارات اعزاز و احترام میں کوئی کمی نہ کرنا لیکن جب تک وہ مشرک ہیں ان کی قربت سے احتراز کرنا کیونکہ اسلام و کفر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

اس روایت سے پہلی روایت عدم تفریق زوجین کی بظاہر تردید ہوتی ہے لیکن حقیقتاً چونکہ اب اسلام کی قوت بڑھ گئی تھی اور دشمنوں کا مقابلہ آسانی سے ہو سکتا تھا اس لئے اب کوئی وجہ نہ تھی کہ آنحضرت صلعم ایسا حکم نہ دیتے چونکہ وہ وقت حقیقتاً بہت نازک تھا اس لئے اس وقت تفریق نہیں کی گئی۔

اس کے بعد ابوالعاص اپنا مال و اسباب لے کر مکہ معظمہ روانہ ہو گئے مکہ پہنچ کر جس جس کا جو کچھ لینا دینا تھا لے دے کر حساب صاف کیا اور ایک روز قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ اے اہل قریش اب میرے ذمہ کسی کا کوئی مطالبہ باقی نہیں ہے۔ اہل قریش نے کہا ہاں بے شک اب کوئی مطالبہ نہیں ہے اور خدا تم کو جزائے نیک دے تم ایک باوفا اور کریم النفس شخص ہو۔ ابوالعاص نے کہا ہاں سن لو میں اب مسلمان ہوتا ہوں اور یہ کہہ کر کلمہ پڑھا اور فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اسلام لانے سے صرف یہ امر مانع تھا کہ تم لوگ یہ خیال نہ کر لو کہ میں تمہارے مال کو غبن کر چکا ہوں اس لئے مسلمان ہو گیا ہوں اب جب کہ خدا نے مجھے اس بار گراں سے بخیر و خوبی سبکدوش کر دیا تو اب کوئی امر حائل نہیں کہ میں اسلام قبول نہ کر لوں یہ واقعہ محرم ۷ھ کا ہے اس کے بعد حضرت ابوالعاص مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

جب حضرت ابوالعاصؓ مشرف بہ اسلام ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو آنحضرت صلعم نے حضرت زینبؓ کو بعقد اول ان کی طرف رجوع کر دیا یعنی تجدید نکاح نہ کی۔ بلکہ وہی پہلا نکاح قائم رکھا اس وقت سورہ برات نازل نہیں ہوئی تھی مسلمان عورتیں اپنے شوہروں کے پاس اسلام لانے کے بعد بلا تجدید نکاح ان کی زوجیت میں آجایا کرتی تھیں۔

حضرت زینبؓ اپنے والد رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوالعاص سے بہت محبت رکھتی تھیں قیمتی کپڑے پہننے کی شائق تھیں حضرت انس نے آپ کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا ہے جس پر زرد رنگ کی دھاریاں تھیں۔

اولاد حضرت ابوالعاص کے صلب سے حضرت زینبؓ کی دو اولادیں پیدا ہوئیں ایک فرزند علی اور ایک دختر امامہ علی ہجرت کے قبل پیدا ہوئے آنحضرت صلعم نے ان کو اپنی کفالت میں لے لیا اور وہ آپ کے سایہ عاطفت میں تربیت حاصل کرتے رہے۔ فتح مکہ کے روز جب آنحضرت صلعم مکہ میں داخل ہوئے تو علی آپ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ سن بلوغ کو پہنچکر اپنے والد ابوالعاص کی زندگی میں انتقال کیا لیکن ابن عساکر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علی جنگ یرموک تک زندہ رہے اسی جنگ میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔

حضرت زینبؓ کی صاحبزادی امامہ اس کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت علیؓ کی بیوی فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کا عقد ثانی حضرت امامہؓ سے ہوا۔

وفات حضرت زینبؓ حضرت ابوالعاص کے اسلام لانے کے بعد تقریباً سال سوا سال زندہ رہیں۔ رسول اللہ صلعم کی حیات مبارک میں ۸ھ میں رہگرائے فردوس ہوئیں۔ حضرت زینبؓ کی وفات کا حال

استیعاب میں یہ لکھا ہے۔

یعنی جب حضرت زینبؓ مکہ سے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں آنے لگیں تو راستہ میں ہبار بن اسود اور ایک دوسرے شخص نے آپ پر حملہ کیا ان دونوں میں سے کسی ایک نے نیزہ حضرت زینبؓ کے مار دیا وہ اونٹ سے گر پڑیں حمل ساقط ہوگیا اور بہت خون نکلا عرصہ تک اسی مرض میں بیمار رہیں حتیٰ کہ ۸ھ میں انتقال کر گئیں۔

حضرت اُم ایمنؓ حضرت سودہؓ حضرت ام سلمہؓ اور اُم عطیہؓ غسل میں شریک تھیں انہی لوگوں نے غسل دیا آنحضرت صلعم خود قبر میں اُترے اور اپنی نور دیدہ کو سپرد خاک فرما دیا۔ اس وقت آنحضرت صلعم کے چہرۂ مبارک پر رنج وملال کے آثار نمایاں تھے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت زینبؓ اور آپ کے ضعف کو یاد کیا تو خدا تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے خدا تو زینبؓ کی مشکلات کو آسان کر دے اور اس کی قبر کی تنگی کو کشادگی سے بدل دے۔

حضرت اُم عطیہ کہتی ہیں کہ میں زینبؓ بنت رسول اللہ صلعم کے غسل میں شریک تھی غسل کا طریقہ آنحضرت صلعم خود بتلاتے تھے۔ آپ نے فرمایا پہلے ہر عضو کو تین بار یا پانچ بار غسل دو اور اس کے بعد کافور لگا دو۔

ایک روایت میں سات بار بھی غسل دینا آیا ہے مقصود یہ تھا کہ اگر طہارت تین مرتبہ میں ہو جائے تو زیادہ غسل کی ضرورت نہیں اسی قدر کافی ہے ورنہ اگر ضرورت ہو تو بڑھا دیا جائے تاکہ اچھی طرح طہارت ہو جائے آنحضرت صلعم نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر کر دینا چنانچہ جب وہ فارغ ہو گئیں تو آنحضرت کو مطلع کیا تو آپ نے اپنا تہبند عنایت فرمایا اور فرمایا اس کو کفن کے اندر پہنا دو۔

حضرت زینب رضؓ کے انتقال کے تھوڑے دن بعد حضرت ابوالعاص کا بھی انتقال ہوگیا۔ (اسد الغابہ والصحابیات وسیرت النبی ج ۲ ص ۴۲۲)

حضرت سیدہ رقیہ رضؓ

حضرت سیدہ رقیہ رضؓ بنت رسول اللہ صلعم بطن حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے سے تھیں آپ کی ولادت ۳۳ سنہ قبل نبوت ہوئی۔ عتبہ بن ابولہب سے عقد ہوا مگر اس سے قطع تعلق ہو گیا تو حضور صلعم نے جناب عثمان غنی رضؓ سے نکاح کر دیا۔ آپ افضل ترین خاتون تھیں آپ کے حالات حضرت اُم کلثوم کے ساتھ ہی بیان کئے گئے ہیں سنہ ۲ ھ میں آپ نے انتقال کیا۔

(الصحابیات وسیرت النبی ج ۲ ص ۴۲۴)

حضرت سیدہ

اُم کلثوم بنت رسول اللہ صلعم

نام:- اُم کلثوم نام ہے۔ آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ رضؓ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ تھیں۔

زبیر کہتے ہیں۔ حضرت اُم کلثوم حضرت رقیہ رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ سے بڑی تھیں۔ دیگر ارباب سیر نے زبیر کے اس قول کی مخالفت کی ہے لیکن صحیح اور قابل وثوق یہی ہے کہ حضرت رقیہ رضؓ سے چھوٹی تھیں اور جب حضرت رقیہ رضؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت رسول اللہ صلعم نے حضرت ام کلثوم رضؓ کو حضرت عثمان رضؓ سے بیاہ دیا۔

اگر حضرت اُم کلثوم رضؓ حضرت رقیہ رضؓ سے بڑی ہوتیں تو بالضرور پہلے

حضرت اُم کلثومؓ کا عقد حضرت عثمانؓ سے ہوتا نہ کہ حضرت رقیہؓ کا اور یہی اقتضائے فطرت و تمدن ہے کہ پہلے بڑی لڑکی کی فکر عقد سے فراغت حاصل کی جائے غالباً ارباب سیر نے زبیر کے قول کی تردید اسی قول سے کی ہوگی۔

ولادت :- آپ کا سال ولادت کتب تواریخ و سیر میں مذکور نہیں لیکن اقتضائے قیاس یہ ہے کہ چھ سال قبل بعثت ولادت ہوئی ہوگی اس لئے کہ حضرت رقیہؓ کی ولادت سات سال قبل ہوئی اور حضرت فاطمہؓ کی ولادت پانچ سال قبل ہے اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ حضرت رقیہؓ سے حضرت کلثومؓ چھوٹی اور حضرت فاطمہؓ سے بڑی تھیں تو لامحالہ ان دونوں کی ولادت کے درمیان کا زمانہ ان کی ولادت کے لئے تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس لحاظ سے وہ چھ سال قبل نبوت پیدا ہوئیں۔

نکاح :- آپ کے حالات طفولیت بھی غیر معلوم ہیں۔ کیونکہ وہ ایسا پُر آشوب زمانہ تھا کیونکہ اس وقت کسی کے سوانح کا ضبط کرنا بہت دشوار تھا اس لئے زمانہ شادی سے آپ کا حال لکھا جاتا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہؓ کا عقد ابو لہب کے ایک بیٹے عتبہ سے اور حضرت اُم کلثومؓ کا عقد ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے قبل بعثت کر دیا تھا۔ لیکن جب آنحضرت صلعم رتبۂ رسالت پر فائز ہوئے اور سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو ابو لہب نے اپنے ہر ایک بیٹے کو مخاطب کر کے کہا۔

"یعنی میری زندگی اور میرا اٹھنا بیٹھنا تم لوگوں میں حرام ہے اگر تم نے اس کی (رسول اللہ کی لڑکی کو طلاق نہ دے دی۔"

(جیسا کہ حضرت رقیہ کے حال میں لکھ چکے ہیں۔ کہ عتبہ نے حضرت رقیہ سے قطع تعلق کر لیا) (اسیطرح) عتبہ نے بھی اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دے دی۔ اس لحاظ سے دونوں کی طلاق کا زمانہ اور سبب ایک ہی ہے۔ اس طلاق میں ابولہب کی بیوی اُم جمیل (حمالتہ الحطب) نے بھی اپنے شوہر کے قول کی تائید کی تھی۔ لیکن دونوں بہنوں کی رخصتی ابھی تک نہ ہوئی تھی کہ یہ طلاق وقوع میں آئی۔

جب ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا اور حضرت عثمان رضؓ اس وفات کے بعد بہت زیادہ مغموم و محزون رہنے لگے تو آنحضرت صلعم نے حضرت عثمانؓ کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ اے عثمان میں تم کو غم والم میں مبتلا پاتا ہوں اس کا کیا سبب ہے حضرت عثمان رضؓ نے عرض کیا یا حضرت غمگین و پریشان نہ ہوں تو کیا کروں مجھ پر وہ مصیبت پڑی جو کبھی کسی پر نہ پڑی ہوگی۔ حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا۔ ان کی وفات سے میری کمر ٹوٹ گئی حضور سے جو رشتہ قرابت وابستہ تھا منقطع ہوگیا اب کیا چارہ ہے۔ ابھی ان کی گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا مجھے جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اپنی بیٹی ام کلثوم کو اُسی مہر پر جو رقیہ کا تھا تمہارے عقد میں دے دوں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے ربیع الاول ۳ھ میں حضرت ام کلثومؓ کا عقد حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔

رخصتی :۔ نکاح کے دو مہینے بعد جمادی الآخر ۳ھ میں رخصتی عمل میں آئی۔

اولاد :۔ آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اسلام

حضرت ام کلثوم اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضہ کے ساتھ اسلام لائیں اور بہنوں کے ساتھ اس وقت بیعت کی جب اور عورتیں آنحضرت صلعم کے شرف بیعت سے بہرہ اندوز ہوئیں۔

ہجرت

جب آنحضرت صلعم مدینہ کی طرف ہجرت فرما کر تشریف لے گئے تو اہل وعیال کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے۔ جب مکہ کی حالت زیادہ نازک ہوگئی اور حضرت سودہ رضہ و حضرت فاطمہ رضہ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے جانے لگیں تو حضرت ام کلثوم رضہ بھی ان کے ہمراہ ہجرت کر کے چلی گئیں

عام حالات

انس بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کو حضرت ام کلثوم رضہ کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا تھا آپ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت رقیہ رضہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمر رضہ بن الخطاب نے حضرت عثمان رضہ سے کہا تم میری بیٹی حفصہ رضہ سے عقد کر لو لیکن حضرت عثمان رضہ نے تامل کیا اور کوئی جواب نہیں دیا اس لئے کہ وہ سن چکے تھے کہ آنحضرت صلعم کا حضرت حفصہ رضہ سے عقد کرنے کا خیال ہے جب رسول اللہ صلعم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عمر رضہ سے فرمایا کیا میں حفصہ رضہ کے لئے عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کے لئے حفصہ رضہ سے بہتر زوجہ تلاش کردوں پھر آپ نے حضرت حفصہ رضہ کو اپنے نکاح میں لیا اور حضرت عثمان رضہ کا عقد حضرت ام کلثوم رضہ سے کر دیا۔

حضرت ام کلثومؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ ہی کے رشتہ تزویج میں منسلک کرتا۔

دوسری روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا اگر میری سو لڑکیاں ہوتیں تو میں سب لڑکیاں یکے بعد دیگرے (ہر ایک لڑکی کے انتقال کے بعد) حضرت عثمانؓ کے عقد میں دیتا۔

وفات:۔ آخر وقت تک مدینہ منورہ میں آپ کا قیام رہا اور شادی کے پانچ سال گزرنے کے بعد شعبان سنہ ۹ ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔

انصار کی عورتوں نے آپ کو غسل دیا اس میں ام عطیہؓ بھی تھیں۔ آں حضرت صلعم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت ابو طلحہؓ۔ حضرت علی بن طالب و حضرت فضل بن عباس و اسامہ بن زید نے قبر میں اتارا۔

(الصحابیات وسیرت النبی ج ۲)

جگر گوشہ رسولؐ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہؓ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی اور سید الشہداء حضرت امام حسینؓ کی والدہ ہیں۔ ان سے بڑی بہنیں اور تھیں۔ زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ۔ جس وقت یہ پیدا ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال سے کچھ زیادہ تھی اور وہ زمانہ تھا کہ قریش کے لوگ خانہ کعبہ از سر نو بنا رہے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

(صفحہ ۱۳۰ پر دیکھئے)

نبوت ملنے میں پانچ سال باقی تھے۔ رسول اللہ صلعم جیسے باپ کے سایہ میں اور خدیجہ رضؓ جیسی مہربان اور دانشمند والدہ کی گود میں بہنوں کے ساتھ پرورش پاتی رہیں ان کو پانچواں سال شروع ہوا تھا کہ آنحضرتؐ کی نبوت کا وہ نور خدا نے چمکا دیا جس سے تمام جہان روشن ہو گیا۔ آپ اپنے کام میں مشغول تھے اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے نام کی منادی کرتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضؓ۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس رہتی تھیں۔ جب حضرت خدیجہ رضؓ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر چودہ برس کے قریب تھی اس کے تین برس بعد خدا کے حکم کے مطابق رسول اللہ صلعم نے اپنے وطن (مکہ شریف) کو چھوڑ دیا جس میں آپ نے عمر شریف کے تقریباً ترپین برس گزارے تھے۔

مدینہ منورہ تشریف لاکر اطمینان سے ٹھہرنے کے بعد آپ نے اُسامہ بن زید اور ابو رافع کو بھیج کر سب اہل و عیال کو مکہ سے مدینہ بلا لیا جن میں حضرت فاطمہ رضؓ بھی تھیں۔

۱؎ کعبہ کو حضرت آدمؑ سے پہلے فرشتوں نے بنایا پھر اس کا نشان مٹ گیا تو خدا تعالیٰ کے بتلانے سے آدم علیہ السلام نے بنایا پھر ان کی اولاد مرمت کرتی رہی۔ نوح علیہ السلام کے طوفان میں غرق ہو گیا اور نشان نہ رہا۔ ابراہیمؑ کے زمانہ میں ان کو خدا نے حکم دیا انہوں نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ساتھ لے کر بنایا پھر ہمیشہ لوگ مرمت کرتے رہے آنحضرت صلعم کی نبوت سے پہلے جب آپ کی عمر پینتیس سال تھی لوگ خوشبو جلا رہے تھے کہ پردوں میں آگ لگ گئی اور کعبہ جل گیا لوگوں نے مال حلال کا چندہ جمع کیا اور خانہ کعبہ کو بنایا آنحضرت صلعم بھی اس میں شریک تھے اسی زمانہ میں حضرت فاطمہ رضؓ پیدا ہوئیں اس کے بعد حضرت عبد اللہ ابن زبیر نے بنایا۔ حجاج بن یوسف نے ان کو شہید کر دیا تو خانہ کعبہ کو بھی توڑ کر بنایا جو اب تک موجود ہے۔

شادی

اب حضرت فاطمہ رضؓ کی عمر شادی کے قابل ہو گئی تھی اس لئے آں حضرت صلعم کو خیال تھا کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے ایک مرتبہ اپنی شادی کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا مگر آپ نے فرما دیا تھا کہ فاطمہ رضؓ ابھی کم عمر ہے بڑی ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ اسی طرح حضرت عمر رضؓ نے بھی اپنے لئے عرض کیا تھا تو ان کو بھی ٹال دیا تھا۔ حضرت علی رضؓ جو ہمیشہ سے آپ کے ہاں بچوں کی طرح رہتے تھے اور حضرت خدیجہ رضؓ کے بعد سب سے پہلے مسلمان ہونے کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ آپؐ کے تشریف لانے کے تین روز بعد مدینہ میں آ گئے تھے۔ ان کی شادی ابھی تک نہ ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضؓ ہی نے حضرت علی رضؓ کو مشورہ دیا کہ تم اپنے نکاح کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو۔ میرے اور ابو بکر رضؓ کے لئے تو آں حضرت صلعم کی رائے نہیں معلوم ہوتی۔ ام ایمن رضؓ نے بھی یہی کہا کہ تم فاطمہ رضؓ کے لئے ضرور عرض کرو انہوں نے جواب دیا کہ جب آپؐ نے ابو بکر رضؓ اور عمر رضؓ کے رشتہ کو قبول نہیں کیا تو مجھے کیسے قبول کریں گے۔ ام ایمن رضؓ نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو چچا زاد بھائی ہو اور ابو طالب کے بیٹے ہو تمہارا ضرور خیال کریں گے۔

ان لوگوں کے سمجھانے سے حضرت علی رضؓ کو بھی مناسب معلوم ہوا کہ اسی ارادہ سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن باوجود نہایت شفیق اور خلیق ہونے کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور رعب ایسا تھا کہ آپ خاموش ہوتے تھے تو کوئی بول نہ سکتا تھا۔ حضرت علی رضؓ اپنے مطلب کو دل میں لئے بیٹھے تھے۔ بار بار ارادہ کرتے تھے کہ عرض کریں مگر ہمت نہ پڑتی تھی تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت صلعم نے خود ہی فرمایا کہ اے

علیؓ کیسے بیٹھے ہو کیا کوئی کام ہے؟ یہ اور شرمندہ ہوئے اور خاموش ہو گئے تب تو آپ کی حالت اور قرینے سے ان کا مطلب پہچان گئے اور بہت شفقت سے فرمایا کہ "کیا فاطمہؓ کی نسبت کے خیال سے آئے ہو" انہوں نے عرض کیا کہ بے شک اس لئے حاضر ہوا ہوں تب آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے لیکن یہ تبلاؤ کہ کچھ مہر میں دینے کو بھی ہے یا نہیں انہوں نے فرمایا کچھ بھی نہیں میرے پاس صرف ایک گھوڑا ہے اور ایک زرہ آپ نے فرمایا کہ گھوڑے کی تو تم کو ضرورت زیادہ رہتی ہے البتہ زرہ بیچ ڈالو۔ حضرت علیؓ زرہ کو بیچ کرے آئے اس رقم میں سے کچھ تھوڑی سی خوشبو حضرت فاطمہؓ کے لئے منگائی گئی۔

آپؐ نے انس[1] سے فرمایا کہ جاؤ ابو بکرؓ، عمرؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ[2] اور انصار لوگوں کو بلا لاؤ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے بہت اچھا خطبہ

---

[1] انسؓ آنحضرت صلعم کے صحابی اور خادم خاص ہیں نو برس کی عمر تھی جب آپ کی خدمت کے لئے ان کی والدہ نے ان کو مقرر کر دیا دس برس خدمت کی۔ آپکی وفات کے بعد بصرہ میں جا رہے تھے سو برس کے قریب عمر پا کر ۹۳ھ میں وفات پائی حدیث میں ان کے ہزاروں شاگرد ہیں۔ آں حضرت صلعم کی دعا کی برکت سے ان کے ایک سو بیس کے قریب اولاد تھی۔

[2] طلحہؓ اور زبیرؓ وہ مشہور صحابی ہیں جن دس آدمیوں کو آنحضرت صلعم نے جنت میں جانے کی خوشخبری زندگی میں دے دی تھی ان میں دو یہ بھی ہیں دونوں کی عمر ۶۴ سال ہوئی اور ۳۶ھ میں دونوں کی وفات ہوئی تمام جہادوں میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے۔ اُحد کی لڑائی میں طلحہؓ نے اپنے دونوں ہاتھ چہرہ مبارک کے سامنے کر کے تیروں کو روکا جس سے اُن کے ہاتھ چھلنی ہو گئے زبیرؓ آں حضرت صلعم کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔

پڑھا جس میں خدا تعالیٰ کی تعریف اور نکاح کا ذکر تھا خطبہ ختم کر کے آپ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا اور چار سو مثقال[1] چاندی مہر مقرر فرمایا اور ایک چھواروں سے بھرا ہوا طباق لوگوں میں لٹا دیا۔ مدینہ میں آنے کے دوسرے سال رمضان المبارک میں یہ مبارک نکاح ہوا۔

جس گھر میں صبر و شکر ہی کا سہارا ہو اور مہینوں چولھے میں آگ نہ جلتی ہو وہاں شادی کے لئے کیا سامان ہوتا اور خدا کے جس برگزیدہ نبی نے دنیا کی طرف رُخ ہی نہ کیا ہو اور فقر و فاقہ ہی کو اپنے لئے دولت و عزت سمجھا ہو اس کے یہاں بیٹی کے جہیز میں دینے کو کیا ہو سکتا تھا جس نے دین و دنیا کا سردار ہو کر بھی اپنی عمر ایک چٹائی پر لیٹ کر گذار دی ہو جس سے اس کے نرم و نازک جسم پر نشان پڑ جاتے ہوں جس کی تعلیم یہ ہو کہ دنیا میں اپنے آپ کو ایک مسافر سمجھو۔ وہاں ایسی پیاری بیٹی کے لئے شادی میں کیا زیب و زینت کی جاتی۔ جہیز کیا تھا ایک چادر ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ دو مشکیزے اور چکی۔ حضرت فاطمہؓ گو نبی زادی تھیں لیکن آخر نو عمر تھیں جب انہوں نے سنا کہ میرا نکاح اس طرح ہو گیا کہ اور سامان تو کیا ہوتا مہر دینے کے لئے بھی خاوند کو زرہ بیچنی پڑی تو رونے لگیں۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا بیٹی روتی کیوں ہو یہ کیسی بُری بات ہے کہ میں نے تمہاری شادی ایک ایسے شخص سے کر دی ہے جو دنیا میں بھی سردار ہے اور آخرت میں بھی دنیا میں بے سامان رہ کر گزار دو پھر آخرت میں تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو گی۔

مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اصلی تو تھا ہی نہیں آپ اور

---

[1] موجودہ سکے کے مطابق ایک سو پچاس روپے ہوتے ہیں۔

آپ کے ساتھ مکہ سے آنے والے لوگ سب مسافر تھے۔ انصار نے جو کچھ مکان دیدیئے تھے یا کسی نے خرید لیا تھا انہی میں رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک ابو ایوب[1] انصاری کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ سے نکاح ہوگیا تو حضرت علیؓ نے کرایہ پر ایک مکان لے لیا اس میں رہنے لگے۔ رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ اگر آپ حارثہ بن نعمان[2] سے فرمادیں تو بہتر ہو (ان کے مکان میں ہم کو آرام ملے گا) آپ نے فرمایا مجھے ان سے کہتے ہوئے حیا آتی ہے۔ کہیں یہ خبر حارثہ کو بھی پہنچ گئی انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ حضرت جن کے لئے مکان کی ضرورت ہے یعنی فاطمہؓ اور علیؓ وہ مجھ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں مکان حاضر ہے۔ آپ نے ان کی اس مروت اور ہمت پر دعا فرمائی۔ حارثہ نے اپنا ایک مکان حضرت علیؓ کے لئے خالی کردیا وہ حضرت فاطمہؓ کو ساتھ لے کر اس میں رہنے لگے۔

اتنا مقدور تو اس زمانہ میں اس مبارک اور پاک خاندان کو کہاں تھا کہ گھر کے کام کاج کے لئے کوئی ملازم رکھتے یا لونڈی غلام ہوتے۔ حضرت علیؓ نے آنحضرت صلعم کے اشارہ پر اپنی والدہ سے (جن کا نام فاطمہ بنت اسد تھا) کہہ دیا تھا کہ کھانا وغیرہ پکانا اور گھر کے کام رسول اللہ صلعم کی

لہ ابو ایوب انصاریؓ مشہور صحابی ہیں۔ پہلے زمانہ کے عالموں کی اولاد میں سے تھے آنحضرت صلعم مدینہ آکر اول انہیں کے مکان میں سات مہینے تک ٹھہرے تھے۔ آپکی وفات کے بعد یہ حضرت علیؓ کے ہر جگہ ساتھ رہے ایک مرتبہ جہاد میں قسطنطنیہ گئے اور وہیں انتقال ہوگیا وہاں ان کی قبر بہت مشہور ہے ۲ے مدینہ کے رہنے والے صحابی تھے۔

بیٹی ہی کرتی رہیں گی. پانی وغیرہ لانا اور گھر سے باہر کے کام تم کر دینا۔ سننے والوں کو تعجب ہوگا کہ رسول اللہ صلعم کی بیٹی اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں۔ بے شک ان خدا کے خاص بندوں نے اپنی عمر اسی طرح تمام کر دی۔ دنیا کی تکلیفوں کو وہ لوگ چند روزہ خیال کرتے تھے اور یہاں کے عیش و عشرت کو کبھی خاطر میں نہ لاتے تھے ان کے ایمان میں قوت تھی جن نعمتوں کا خدا نے ان سے وعدہ کیا تھا وہ گویا ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور یہ تھوڑے دنوں کی تکلیف انہوں نے ایسی گزار دی جیسے رات کے انتظار اور افطار کی خوشی میں روزہ دار صبر کے ساتھ روزہ پورا کرتا ہے۔

چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے اور چولھے کی آنچ سے چہرے کی رونق جاتی رہی مگر انہوں نے کبھی اس کا خیال بھی نہ کیا البتہ حضرت علیؓ کو اس کا بڑا ملال تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ کچھ لونڈی غلام آئے اور آنحضرت صلعم اپنے صحابہ کو دیتے تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ تم جا کر کہو کر کوئی لونڈی غلام ہم کو بھی دیجئے کہ کام کاج کی محنت سے چھوٹ جائیں۔ حضرت فاطمہؓ اسی ارادہ سے آپؐ کے پاس گئیں مگر آپ اس وقت مکان پر نہیں تھے۔ حضرت عائشہؓ سے کہہ کر چلی آئیں آپ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے ذکر کیا کہ حضرت فاطمہؓ آئی تھیں انہیں لونڈی غلام کی ضرورت ہے۔ آں حضرت صلعم عشاء کی نماز کے بعد فرصت پا کر حضرت فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور بیٹھ کر فرمایا کہ فاطمہؓ تم میرے پاس خدمتگار کے لئے گئی تھیں۔ لونڈی غلام اور خدمتگار تو دنیا میں آرام دیتا ہے تم کو ایسی اچھی بات بتلائے دیتا ہوں جو آخرت میں نفع دینے والی

ہو۔ جب تم سونے لگو تو تینتیس ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ تینتیس ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو تمام دن بھر کی کام کاج کی تکان دُور ہو جائے گی سعادت مند بیٹی اور نیک بخت داماد نے مشفق باپ کا کہنا دل سے قبول کیا اور سخت سے سخت اندیشہ اور فکر کی رات میں بھی اس وظیفہ کو ناغہ نہ کیا اور خدمت گار کے نہ ملنے کا کبھی دل میں خیال بھی نہ لائیں یہ بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کہ ہر جگہ آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنا سکھایا جاتا تھا اور اپنے عزیزوں کے لئے بھی وہی بات پسند کی جاتی تھی جس کی دوسروں کو نصیحت ہوتی تھی یہ نہیں کہ خود چین سے رہیں اور دوسروں کو دنیا چھوڑنے کی ہدایت ہو۔ بیٹی سے نہایت محبت تھی اور ان کی تکلیف سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی اور لونڈی غلام دے کر ان کو محنت سے بچا دینے کی طاقت بھی تھی مگر اس دنیا کے دکھ درد کو جھیلنا ہی ان کے امن عالم کا عیش اور بھلائی کا سبب خیال فرمایا۔ ہزاروں درود وسلام ہوں ایسے سچے نبیؐ اور ان کی آل واصحاب پر۔

حضرت علیؓ اور فاطمہؓ میں نہایت محبت اور اتفاق تھا چونکہ یہ رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی تھیں اس لئے حضرت علیؓ ان کا ایک قسم کا ادب بھی کرتے تھے اور وہ اپنے واجب التعظیم شوہر کی پوری طرح فرمانبرداری کرتی تھیں۔

ایک روز رسول اللہ صلعم حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے حضرت علیؓ کو گھر میں نہ دیکھا تو آپؐ نے دریافت کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کچھ خفا ہو کر باہر چلے گئے ہیں۔ آپؐ نے آکر تلاش کیا تو مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اور چادر گر کر مٹی میں بھر گئی تھی۔ آپؐ نے پاس جا کر نہایت مہربانی سے

فرمایا کہ اے ابوتراب اٹھو، اے ابوتراب اٹھو، ان کو اٹھا کر مکان پر لے گئے اور رنجش دور کرا دی۔ جب ہی سے ان کو ابوتراب (مٹی کے باپ) کہنے لگے۔

خدا تعالیٰ کی اس میں کوئی بڑی حکمت تھی کہ

حضرت فاطمہؓ کی اولاد

رسول اللہ صلعم کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی صرف دختری اولاد سے آپ کی نسل دنیا میں پھیلی لیکن بیٹیوں میں بھی صرف حضرت فاطمہؓ کی اولاد باقی رہی ان کی بہن اُم کلثومؓ کے تو اولاد ہی نہیں ہوئی سب سے بڑی بہن زینبؓ کے ایک لڑکا ہو کر تھوڑی عمر میں مر گیا تھا ایک لڑکی امامہ زندہ رہی تھی جس سے حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے بعد نکاح کیا تھا مگر آخر کو یہ بھی بلا اولاد دنیا سے چلی گئیں۔ تیسری بہن رقیہؓ کے بھی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ کے تین بیٹے تھے حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ اور تین بیٹیاں زینبؓ۔ اُم کلثومؓ اور رقیہؓ۔ امام حسنؓ اور حسینؓ تو وہ مشہور سید الشہداء ہیں کہ جن کی یاد قیامت تک مسلمانوں کو خون کے آنسو رلاتی رہے گی اور جن کے لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

ام کلثومؓ وہ ہیں جن کی شادی حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کی تھی۔
زینبؓ کی شادی حضرت علیؓ نے اپنے بھائی جعفر کے بیٹے عبداللہ سے کی تھی جو سخاوت میں نہایت مشہور تھے۔ محسنؓ اور رقیہؓ کا انتقال نہایت چھوٹی عمر میں ہو گیا تھا۔ آج دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد حضرت فاطمہؓ کے انہیں دو بیٹوں حسنؓ و حسینؓ رضی اللہ عنہما سے جاری ہے۔

رسول اللہ صلعم کو اپنی صاحبزادی سے بہت ہی پیار تھا اور غایت درجہ الفت تھی سب بیٹیوں سے زیادہ ان پر پیار تھا جب کہیں سفر کو جاتے تو سب سے پیچھے ان سے مل کر جاتے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے ان سے

آکر ملتے۔ اگر یہ کبھی آپ کے پاس ملنے آتیں تو آپ نہایت پیار سے ان کو اپنے پاس برابر بٹھاتے ان کا تھوڑا سا رنج بھی آپ سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت علی رضؓ نے ابو جہل لہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا۔ لڑکی والوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید آنحضرت صلعم کو ناگوار ہو اس لئے آپ سے اجازت لینے آئے۔ ادھر حضرت فاطمہ رضؓ نے بھی عرض کیا کہ دیکھئے سب لوگ اپنی لڑکیوں کی حمایت کرتے ہیں مگر آپ کچھ خیال نہیں کرتے۔ اب علی رضؓ ابو جہل کی بیٹی سے شادی کر کے مجھ پر سوکن لا بٹھا دیں گے۔ یہ حال سن کر اور حضرت فاطمہ رضؓ کو غمگین دیکھ کر آنحضرت صلعم کے دل پر چوٹ لگی اور مسجد میں جا کر ممبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے فرمایا کہ ہشام ابن المغیرہ کے خاندان کے لوگ مجھ سے اجازت لینے آئے تھے کہ علی رضؓ سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں میں ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ (صلعم) اور خدا کے دشمن (ابو جہل) کی بیٹی ایک گھر میں جمع ہوں اگر علیؓ کو یہی منظور ہے تو ہماری لڑکی کو طلاق دے دیں اور دوسرا نکاح کر لیں یاد رکھو کہ فاطمہ رضؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اس کے رنج سے مجھے رنج ہوتا ہے اور اس کی تکلیف سے تکلیف۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی دیکھ کر حضرت علی رضؓ نے جب تک حضرت فاطمہ رضؓ زندہ رہیں دوسرے نکاح کا نام نہ لیا۔

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلعم کی وفات سے چند روز پہلے ایک مرتبہ ہم سب مکان میں تھے کہ حضرت فاطمہ رضؓ آئیں اور آپ نے اپنی عادت کے مطابق بہت پیار سے اپنے پاس بٹھا لیا اور فاطمہ رضؓ کے کان میں آہستہ سے کوئی بات کہی جسے سن کر وہ رونے لگیں پھر آپ نے کچھ فرمایا تو ہنسنے

لہ ابو جہل مشہور اور نہایت سخت کافر تھا مگر بیٹی مسلمان تھی ابو جہل کے باپ کا نام ہشام بن المغیرہ تھا۔

گئیں۔ مجھے تعجب ہوا اور وہاں سے اُٹھنے کے بعد فاطمہ رض سے پوچھا کہ بتاؤ تو سہی کہ آج کے رونے اور جلدی سے ہنسنے میں کیا راز ہے۔ حضرت فاطمہ رض نے کہا جس بات کو آپ نے چھپا کر کہا ہے میں اسے ظاہر نہ کروں گی۔

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد میں نے کہا کہ لو فاطمہ رض اب تو وقت گذر گیا اب تو بتادو حضرت فاطمہ رض نے کہا کہ ہاں اب کچھ مضائقہ نہیں بتلائے دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جبریل مجھ سے ہمیشہ رمضان میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ اس سال دو مرتبہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب ہے اس کو سنکر میں بے اختیار رو پڑی تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو سب رشتہ داروں سے پہلے تم مجھ سے جنت میں جاکر ملو گی اور تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو گی اس بات سے مجھے خوشی ہوئی اور ہنسنے لگی۔

آنحضرت صلعم کو جیسے اپنی بیٹی سے محبت تھی اسی طرح داماد اور نواسوں پر بھی نہایت شفقت اور پیار تھا۔ فرماتے تھے کہ جو میرا دوست ہے علی رض کا بھی دوست ہے۔ کبھی فرماتے تھے کہ اے علی رض تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ نواسوں کی محبت کا تو پوچھنا کیا ہے۔ فرط محبت سے آپ دونوں کو اپنے کاندھے پر بٹھاتے کبھی دونوں کو گود میں بٹھاتے اور دیکھ کر خوش ہوتے۔

ایک روز آپ حضرت فاطمہ رض کے یہاں تشریف لائے حضرت فاطمہ رض لیٹی تھیں۔ حسین رض نے پانی مانگا آپ اُٹھ کر پانی دینے لگے حسن رض پینے کو آگئے آپ نے ان کو ہٹا کر حضرت حسین رض کو پلا دیا۔ حضرت فاطمہ رض نے پوچھا کہ یا حضرت آپ کو حسین رض سے زیادہ الفت ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں دونوں برابر ہیں اور میرے دل کی راحت ہیں لیکن حسین رض نے پہلے مانگا تھا اس لئے ان کو پلا دیا۔

اے فاطمہ رضؓ تم اور تمہارے خاوند اور یہ بچے میرے ساتھ جنت میں سب ایک جگہ ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تو ہر مسلمان کا فرض اولین ہے اور جس کے دل میں آپ کی محبت نہ ہو وہ مسلمان کیسے شمار کیا جا سکتا ہے لیکن حضرت فاطمہ رضؓ کو سرکار دو عالمؐ اور اپنے مشفق باپ سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ دنیا میں کسی کو کم ہوگی جب آپ جنگ اُحد سے واپس آئے اور حضرت فاطمہ رضؓ نے سُنا کہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا ہے تو بے قرار ہو کر دوڑی آئیں حضرت علی رضؓ ڈھال میں بھر کر پانی لاتے تھے اور یہ اپنے ہاتھ سے دھوتی جاتی تھیں۔ جب خون بند ہو گیا تو چٹائی جلا کر اس کی راکھ بھر کر باندھ دیا۔ جب تک آپ کو دیکھ نہ لیتی تھیں چین نہ آتا تھا اور جب آپ دنیا سے رُخصت ہوئے تو حضرت فاطمہ رضؓ کو زندہ رہنا محال ہو گیا اور اسی صدمہ میں جان دے کر آپؐ کو جا دیکھا۔

وفات :- حضرت فاطمہ رضؓ کی عمر اٹھائیس سال کی تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت کا وقت آپہنچا اور تمام رشتہ داروں، عزیزوں کو اپنی جدائی کے غم میں روتا چھوڑ کر اور حضرت فاطمہ رضؓ کو یتیمی کا داغ دے کر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کون کم نصیب ہوگا کہ جو اس غم سے بے تاب نہ ہوا ہو۔ لیکن ایسے مشفق باپ کا سایہ اُٹھ جانے سے۔ جو رسول خدا ہونے کے ساتھ ہی اپنی اولاد سے غایت درجہ محبت کرنے والا بھی ہو۔ حضرت فاطمہ رضؓ کی حالت ہی بدل گئی۔ دنیا کی طرف سے دل سرد ہو گیا۔ زندگی وبال نظر آنے لگی۔ کبھی حضرت انس رضؓ سے پوچھتی تھیں کہ اے انس رضؓ تمہارے دل نے کیسے گوارا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ حضرت انس رضؓ آنسو بہا کر جواب دیتے کہ خدا کے حکم سے ہم نے

کی طاقت نہیں۔

دنیا میں ادنیٰ سے ادنیٰ باپ کا بھی ہر کسی کو غم ہوتا ہے پھر ایسے باپ کا تو جو کچھ رنج ہو تھوڑا ہے۔ حضرت فاطمہؓ پر یہ صدمہ ایسا پڑا کہ آخر اسی میں جان دے دی۔ غم کا روگ لگ گیا اور آپ کے وصال کے بعد بیمار ہو گئیں۔ چھ مہینے زندہ رہیں مگر کسی نے ایک دن ہنستے بولتے نہ دیکھا۔

کمسن بچے جو نانا جان کا صدمہ دیکھ چکے تھے ماں کی بیماری کو دیکھ دیکھ کر سہمے جاتے تھے۔ حضرت علیؓ الگ پریشان تھے۔ دین و دنیا کے مددگار اور پشت و پناہ کی جدائی کا پہاڑ سر پر ٹوٹ چکا تھا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ بھی ہمدرد ساتھ نہ چھوڑے۔

غمگسار اور شریک دردبی بی ہونے کے علاوہ حضرت علیؓ اب حضرت فاطمہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی بھی سمجھتے تھے۔

شرم و حیا عصمت و عفت کے جوہر اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو نہ ملتے تو اور کس کو ملتے۔ حضرت فاطمہؓ کی شرم و حیا اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اک ذراسی بات میں پانی پانی ہو جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی قدر زمین اور درخت تھے جن کی آمدنی میں سے بیبیوں کا خرچ دے کر باقی آپ دین کے کاموں میں صرف کر دیتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ نے یہ سمجھا کہ یہ زمین وغیرہ مجھ کو مل جانا چاہیے اس لئے حضرت ابو بکرؓ سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اول ہوئے تھے جا کر کہا انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے ہیں کہ انبیاء کے مال میں کوئی وارث نہیں ہوتا اور جو کچھ وہ چھوڑ جاتے ہیں خدا کی راہ میں صرف ہوتا ہے۔

اگرچہ اس میں حضرت فاطمہؓ کا قصور نہ تھا اور ان کو آپ کے اس حکم کی خبر نہ تھی مگر پھر بھی یہ خیال کر کے کہ لوگ کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی جائداد مانگنے گئی تھی اس قدر شرم آئی کہ فوراً واپس آگئیں اور کبھی اس کا مطالبہ نہ کیا۔

اس زمانہ میں مردوں اور عورتوں کے جنازہ میں کوئی خاص امتیاز نہ ہوتا تھا اور عورتوں کا جنازہ بھی مردوں کی طرح لے جاتے تھے حضرت فاطمہؓ کو اس کی بڑی فکر تھی کہ میرا جنازہ باہر جائے گا اور لوگ دیکھیں گے۔

انتقال سے کئی روز پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بی بی اسماءؓ سے اس کا ذکر کیا انہوں نے کہا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ عورت کے جنازے پر درخت کی نرم شاخیں باندھ کر ایک ڈولے کی صورت پردہ ڈالنے کے لئے بناتے ہیں جس سے جنازہ نظر نہیں آتا جیسا کہ آج کل رواج ہے اور جس کو گہوارہ کہتے ہیں بنا کر دکھایا۔ اسے دیکھ کر حضرت فاطمہؓ بہت خوش ہوکر ہنسیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زندگی بھر میں صرف ایک دفعہ اسی بات پر ہنسیں اور اسماء سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد تم ہی مجھ کو غسل وکفن دینا اور جیسا کہ تم نے دکھلایا ہے میرے جنازہ پر ضرور اسی قسم کا پردہ

لہ اسماء بنت عمیس پہلے حضرت علیؓ کے بھائی جعفر کے نکاح میں تھیں اور جب کافروں کی ایذا رسانی سے تنگ آکر بعض مسلمان مکہ سے حبشہ چلے گئے تو جعفر کے ساتھ یہ بھی گئی تھیں وہاں تین بچے پیدا ہوئے وہاں سے مدینہ واپس آنے کے بعد ۸ھ میں جب جعفر شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے نکاح کر لیا ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے نکاح کیا اور ایک بیٹا بھی پیدا ہوا۔

بنادیا۔

حضرت فاطمہؓ غمگین اور مریض تو رہتی ہی تھیں اب مرض نے شدت اختیار کرلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو چھ مہینے بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ تین رمضان المبارک کو بروز منگل بوقت شب اس عالم فانی سے رخصت ہو کر دوسرے تمام رشتہ داروں سے پہلے اپنے پیارے باپ سے جنت میں جا ملیں اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھائیس سال اور چند ماہ تھی اور ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔

حضرت علیؓ کو ان کے انتقال سے بہت پریشانی اور رنج ہوا اور حسنؓ و حسینؓ اور دیگر بچوں کے صدمہ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی وصیت کے مطابق حضرت علیؓ نے غسل و کفن کا انتظام کیا۔

اور اسماء نے غسل و کفن دے کر گہوارہ بنا کر حضرت فاطمہؓ کو دکھلا دیا تھا جنازہ پر اسی طرح پردے کا پورا سامان کر دیا مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ پر اس قسم کا گہوارہ باندھا گیا اور پھر حضرت زینبؓ پر بنایا گیا اس کے بعد عام مسلمانوں میں رواج ہو گیا۔

جس وقت غسل و کفن کا سامان کیا جا تا تھا حضرت عائشہؓ تشریف لائیں مگر اسماء نے یہ کہہ کر روک دیا کہ فاطمہؓ نے اور سب کے آنے کی ممانعت کردی ہے حضرت عائشہؓ کو اس سے رنج ہوا اور اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا کر شکایت کی کہ آپ کی بی بی نے مجھے فاطمہؓ کے پاس جانے نہ دیا اور دلہنوں کی طرح کوئی چیز ان کے جنازہ پر باندھ رہی تھیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اسی وقت یہاں آئے اور دروازہ پر پکار کر کہا کہ یہ کیا غضب کرتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو بھی ان

کی بیٹی کے پاس آنے نہیں دیتیں اور جنازہ پر کوئی نئی چیز بنا رہی ہو۔

اسماءؓ نے ان سے یہی عذر کیا کہ فاطمہ نے وصیت کر دی تھی کہ تم ہی غسل دینا اور کسی کو نہ آنے دینا اور یہ لکڑیاں پردے کے لئے جنازہ پر لگا دی ہیں جن کو بنا کر میں نے حضرت فاطمہؓ کو زندگی ہی میں دکھلا دیا تھا اور انہوں نے اس کے بنانے کی تاکید کر دی تھی۔

ابوبکر صدیقؓ یہ کہہ کر چلے آئے کہ "اچھا جس طرح تم سے کہہ گئی ہیں کرو"۔

چونکہ حضرت فاطمہؓ کو حیا و شرم کے لحاظ سے پردہ کا بہت ہی خیال تھا اور ان کی آرزو تھی کہ رات کو ہی دفن ہوں اس لئے رات کو اہل مدینہ کے قبرستان جنت البقیع میں لے گئے حضرت علیؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور بیش قیمت امانت جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد خاک کر دیا اتنی جلدی رات ہی کو دفن ہو جانے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور افسوس رہ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

ان کی وفات سے تمام مسلمانوں کو نہایت سخت رنج ہوا۔ رسول اللہ صلعم کے بعد لوگ ان کو آپؐ کی نشانی سمجھتے تھے اور اپنے درمیان ان کو اپنے لئے وسیلہ نجات اور دنیا کے لئے باعث برکت سمجھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ چال ڈھال اور گفتگو میں حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلعم سے بہت ہی مشابہت رکھتی تھیں۔

سب سے بڑی بات ان کو یہ حاصل تھی کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا کہ فاطمہؓ جگر گوشہ ہے اس کو رنج دینا مجھے رنجیدہ کرنا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ بیمار تھیں آنحضرت صلعم ان کا حال دریافت

کرنے گئے تو انہوں نے دنیاوی تنگی کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ تکلیف پر صبر کرو تم کو یہی کافی ہے کہ تم جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہوگی۔

آپؐ فرماتے تھے کہ خدیجہؓ، فاطمہؓ، مریمؑ (عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) اور آسیہؓ (فرعون کی بی بی) دنیا کی بہترین عورتوں میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہونے کی بزرگی کے علاوہ حضرت فاطمہؓ کے اپنے اوصاف اور خلق ایسے تھے کہ جس سے ہر شخص کے دل میں ان کی جگہ تھی راستی اور سچائی کا وصف اتنا زیادہ تھا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حضرت فاطمہؓ سے زیادہ سچا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان برگزیدہ اور پاک لوگوں کی تعریف و توصیف کر سکے جو پیارے تھے اللہ کے سچے دوست تھے رسول اللہ کے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وذریاتہٖ اجمعین۔

اُمِ کحہ

یہ محدثہ خاتون اوس بن ثابت انصاری کی بی بی تھیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا فخر حاصل تھا اور وہ خود بھی صحابیہ تھیں۔ جب ان کے شوہر اوس غزوہ اُحد میں فوت ہوئے تو صرف یہ اور ان کی دو لڑکیاں باقی رہ گئیں تو اوس کے عم زادوں نے ایام جاہلیت کی رسم کے مطابق یہ چاہا کہ ان کا تمام مال واسباب ضبط کر لیا جائے اور ام کحہ اور اس کی بیٹیاں ترکہ سے محروم کر دی جائیں کیونکہ ایام جاہلیت کی یہ رسم تھی کہ

شوہر کے مال میں زوجہ اور باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کا کوئی حق نہ تھا اور انہیں کوئی میراث نہ دی جاتی تھی۔ اسی مفہوم پر یہ آیہ شریفہ مبنی ہے۔ "تاکلون التراث اکلاً لما" اور اسی وقت قرآن مجید کی یہ آیت بھی نازل ہوئی کہ "للنساء نصیب" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عم زادوں کو اُم کحہ کے مال میں دست اندازی کرنے سے منع فرمایا بعد ازاں یہ آیت کریمہ "یوصیکم اللہ" وارثوں کو حصہ دینے کے لئے نازل ہوئی اس آیت کی بنیاد پر ام کحہ کو آٹھواں حصہ اور اس کی لڑکیوں کو تیسرا حصہ دیا گیا اور باقی مال اس کے عم زادوں کے حوالہ کر دیا گیا۔

حضرت امامہؓ بنت ابی العاص

نام:- آپ کا نام امامہ ہے آپ کے والد بزرگوار کا نام ابو العاصؓ بن ربیع بن عبدالعزیٰ تھا اور والدہ کا نام حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ولادت:- آپ اپنے نانا آنحضرت صلعم کے عہد سعادت میں پیدا ہوئیں۔

نکاح:- جب آپ سن شعور کو پہنچیں تو آپ کی شادی کی فکر ہوئی چونکہ حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت فاطمہؓ کی وصیت بھی یہی تھی کہ میرے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت اُمامہ سے عقد کر لیں اس لئے حضرت اُمامہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا گیا۔

حضرت اُمامہؓ کی شادی کا انتظام حضرت زبیر بن العوامؓ نے کیا کیونکہ حضرت ابو العاصؓ نے انہی کو حضرت اُمامہؓ کے نکاح کرنے کی

وصیت کی تھی۔

جب حضرت علی علیہ السلام ۴۰ھ میں شہید ہوئے تو اس خیال سے کہ معاویہ حضرت اُمامہ سے عقد نہ کریں آپ نے مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی تھی کہ تم میرے بعد حضرت اُمامہ سے نکاح کرنا چنانچہ حضرت علی رضؓ کے انتقال اور عدت گزرنے کے بعد مغیرہ بن نوفل کے عقد میں آئیں۔

جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال مبارک تھا وہی پیش آیا یعنی امیر معاویہ نے مروان کو خط لکھا کہ اُمامہؓ کو پیغام دو اور ایک ہزار دینار اسی تقریب میں صرف کرو لیکن جب حضرت امامہؓ کو خبر ہوئی تو مغیرہ بن نوفل کو اطلاع دی۔ مغیرہ بن نوفل نے فوراً امام حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نکاح پڑھوالیا۔

آنحضرت صلعم کی محبت حضرت اُمامہؓ آنحضرت صلعم کو بہت زیادہ محبوب تھیں حتیٰ کہ آپ کو اوقات نماز میں بھی جدا نہ فرماتے تھے نماز پڑھتے وقت شانہ مبارک پر بٹھا لیتے جب رکوع میں جاتے تو شانہ مبارک سے اتار دیتے تھے اور جب سجدہ کر کے سر مبارک اُٹھاتے تو پھر کاندھے پر بٹھا لیتے تھے اسی طرح پوری نماز ادا کرتے تھے یہ انتہائے محبت کا تقاضا تھا۔

ایک دفعہ کہیں سے تحفہ میں ایک قیمتی ہار آیا آنحضرت صلعم گھر میں تشریف لائے اور فرمایا یہ ہار میں اس کو دوں گا جو میرے اہل بیت میں مجھے زیادہ محبوب ہوگا۔ ازواج مطہرات کو خیال ہوا کہ شاید یہ حضرت عائشہؓ کے حصہ میں آئے لیکن آنحضرت صلعم نے حضرت اُمامہؓ کو بلایا اور ان کے گلے میں وہ ہار پہنا دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تحفہ میں ہار نہیں آیا تھا بلکہ ایک

انگوٹھی سونے کی تھی جو نجاشی نے بارگاہِ نبوت میں ہدیتاً بھیجی تھی۔ آپ نے وہی حضرت امامہ رضؓ کو دے دی۔

اولاد:- مغیرہ بن نوفل کے صلب سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا اور اسی نام سے انہوں نے اپنی کنیت ابو یحییٰ رکھی تھی۔

وفات:- حضرت امامہ رضؓ کی آخری زندگی مغیرہ بن نوفل کے ساتھ بسر ہوئی حتیٰ کہ آپ کا انتقال بھی مغیرہ کے گھر میں ہوا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضؓ

نام:- اسماء نام ہے۔ حضرت ابوبکر الصدیق کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا (جو قریش کے ایک مشہور و معزز سردار عبدالعزیٰ کی بیٹی تھیں) عبداللہ بن ابی بکر رضؓ ان کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت عائشہ رضؓ ان کی سوتیلی بہن تھیں جو ان سے عمر میں چھوٹی تھیں۔

لقب:- ذات النطاقین ان کا لقب تھا۔ جس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب آنحضرت صلعم کو کفار مکہ نے پریشان کیا اور ہر قسم کی ایذائیں دینے لگے یہاں تک کہ قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے تو آپ نے مکہ کو خیرباد کہہ کر مدینہ کی طرف ہجرت کا قصد کیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ بھی آپ کے ہم خیال تھے چنانچہ ایک رات رسولؐ اللہ معہ جناب ابوبکر رضؓ کے مکہ سے باہر جا کر تھوڑے فاصلہ پر جبل ثور کے ایک غار میں مقیم ہوگئے (حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ کو اسی وجہ سے یار غار کہتے ہیں۔ کفار مکہ نے ہر چند بہت جستجو کی اور اسی تلاش

کے سلسلہ میں بارہا اس غار کے منہ تک بھی پہنچ گئے لیکن خدا کو مشکوٰۃ نبوی کے نور سے دنیا کو روشن کرنا مقصود تھا اس لئے دشمنوں کا گزر آپ تک نہ ہو سکا ان رفقاء میں سے جو اس وقت آنحضرت صلعم کی پوشیدہ امداد کرتے تھے۔ ان میں حضرت اسماءؓ بھی تھیں چنانچہ یہ روزانہ رات کو آنحضرت صلعم کے پاس کھانا لے جاتیں اور کھانا کھلا کر واپس آجاتیں۔

حضرت اسماءؓ کے بھائی عبداللہ (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دن بھر کافروں کے ارادوں، اور مشوروں کا پتہ لگایا کرتے تھے اور رات کو غار میں پہنچ کر تمام خبریں رسول اللہ کو دیا کرتے تھے عامر (جو حضرت ابوبکر الصدیقؓ کا چرواہا تھا) رات کو بکریاں غار کے منہ پر لے جاتا تھا اور بقدر ضرورت دودھ دے کر چلا آتا تھا۔ اس طرح حضرت اسماء اور ان کے بھائی عبداللہ کے نقش قدم بھی بکریوں کے کھروں سے مٹ جاتے تھے اور کفار کو غار کا سراغ نہ لگ سکتا تھا۔

جب کفار کو اپنی سعی و جستجو میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے سو اونٹ کا انعام اس شخص کے لئے مقرر کیا جو آنحضرت صلعم کا سراغ لگا دے اس کے تیسرے دن رات کو جب حضرت اسماءرضؓ کھانا لے کر گئیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم علیؓ سے جا کر کہدینا کہ کل رات کو تین اونٹ اور ایک شخص واقف راہ تلاش کر کے اسی غار پر پہنچیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ بتعمیل ارشاد تین اونٹ اور ایک راہبر لے کر گئے اور حضرت اسماءؓ بھی دو تین روز کا ناشتہ تیار کر کے لے گئیں۔ ناشتہ اور پانی کا مشکیزہ باندھنے کی ضرورت ہوئی۔ اس وقت جلدی میں کوئی رسی کا ٹکڑا نہ ملا۔ تو انہوں نے اپنا نطاق[1]

---

[1] نطاق عرب میں اس رومال کو کہتے ہیں۔ جسے عورتیں قمیض کے اوپر لپیٹ لیتی ہیں۔

کمر سے کھول کر دو ٹکڑے کئے ایک سے ناشتہ اور دوسرے سے مشکیزے کا منہ باندھا۔ اس پر دربار نبوت سے آپ کو "ذات النطاقین" کا لقب ملا۔ جو آج بھی باوجود عرصہ دراز گزر جانے کے زندہ ہے اور حضرت اسماءؓ آجتک صفحات تاریخ میں اسی نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

ولادت ہجرت سے ستائیس سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئیں اس وقت ان کے والد بزرگوار ابو بکر الصدیقؓ کی عمر بیس سال سے کچھ زائد تھی۔

نکاح حضرت زبیر بن العوام سے شادی ہوئی جو آنحضرت صلعم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

اسلام حضرت اسماءؓ بڑی جلیل القدر صحابیہ تھیں مکہ میں اسلام لائیں اور آنحضرت صلعم سے شرف بیعت حاصل کیا۔ قبول اسلام میں ان کا شمار سابقون الاولون میں سے ہے کیوں کہ یہ سترہ آدمیوں کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

ہجرت آنحضرت صلعم، اور حضرت ابو بکر الصدیقؓ جب مدینہ منورہ پہنچ گئے اور اطمینان حاصل ہوا تو مستورات کے بلانے کی تجویز پیش ہوئی چنانچہ آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابو رافع کو مکہ بھیجا حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنا ایک آدمی بھیج دیا حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ اپنی ماں اور دونوں بہنوں (حضرت عائشہؓ وحضرت اسماءؓ) کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت اسماءؓ جب مقام قبا میں پہونچیں تو عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماءؓ اپنے لخت جگر کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں لائیں آپ نے گود میں لے کر گھٹی پلائی اور

دُعا سے سرفراز فرمایا۔ یہ پہلی ولادت باسعادت ہے جو ہجرت کے بعد اسلام میں ہوئی۔

اولاد

حضرت اسماءؓ کے بطن مبارک سے حضرت زبیر بن العوام کے پانچ صاحبزادے عبداللہ، عروہ، منذر، عاصم، اور مہاجر اور تین صاحبزادیاں خدیجہ الکبریٰ، ام الحسن۔ عائشہؓ پیدا ہوئیں۔ یہ سب انہی کی یادگاریں ہیں۔

عام حالات

حضرت اسماءؓ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھیں۔ محنت و مشقت میں آپ کو کوئی عار نہ تھا۔ چنانچہ حضرت اسماء اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کی بے بضاعتی، تنگدستی، اپنے اہم فرائض خانہ داری کی انجام دہی اور ذمہ داریوں کی داستان اس طرح بیان کرتی ہیں۔ جب میری شادی ہوئی اس وقت حضرت زبیرؓ کے پاس نہ مال تھا نہ کوئی غلام، بے حد تنگ دست فقیر و مفلس تھے ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا اور میں ہی ان کی خبر رکھتی تھی آنحضرت صلعم نے ایک قطعہ نخلستان کا حضرت زبیرؓ کو عطا فرما دیا تھا جو مدینہ سے تین فرسخ کے فاصلہ پر تھا وہاں سے روزانہ کھجور کی گٹھلیاں جمع کر کے اپنے سر پر اُٹھا کر گھر تک لاتی تھی اور پھر خود ہی د تی اور گھوڑے کو کھلاتی۔ پانی بھرتی، ڈول کھینچتی اور گھر کا جو کچھ کام ہوتا وہ بھی میں ہی انجام دیتی۔ چونکہ مجھے روٹی پکانا اچھی نہیں آتی تھی اس لئے میں صرف آٹا گوندھ کر رکھ دیتی تھی میرے گھر کے قریب انصار کی بیویاں رہتی تھیں (جو نہایت خلوص و محبت رکھنے والی اور دوسروں کا کام کر کے خوش ہونے والی عورتیں تھیں) وہ میری روٹیاں پکا دیا کرتی تھیں روز مجھے اپنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا ایک

روز میں حسب معمول نخلستان سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لا رہی تھی کہ راستہ میں آنحضرت صلعم سے ملاقات ہوئی آپ کی ہمرکابی میں اور صحابہ کرام تھے آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا تاکہ میں سوار ہو جاؤں لیکن میری شرم و حیا نے اجازت نہیں دی جب آپ کو خیال ہوا کہ شرم کی وجہ سے نہیں بیٹھتیں تو آپ تشریف لے گئے۔ میں اپنے گھر آئی اور یہ قصہ اپنے شوہر زبیر رضؓ سے بیان کیا تو انہوں نے کہا خدا جانتا ہے تمہارا سر پر گٹھلیاں لادنا میرے لئے ان کے ساتھ بیٹھنے سے زیادہ سخت ہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد میرے باپ ابوبکر رضؓ نے میرے پاس ایک غلام بھیج دیا جس کی بدولت گھوڑے کی خدمت سے مجھ کو نجات مل گئی اور مصیبتوں سے ایک حد تک چھٹکارا نصیب ہو گیا۔

جب حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ اسلام لائے اس وقت ان کے پاس تقریباً ایک لاکھ درہم تھے لیکن چونکہ وہ تمام دولت مذہب و ملت کی خاطر آنحضرت صلعم کی امداد میں صرف کر چکے تھے اس لئے ہجرت کے وقت ان کے پاس صرف ڈیڑھ ہزار درہم رہ گئے تھے اور یہی رقم لے کر آپ مکہ سے ہجرت کر کے چلے گئے اور بال بچوں کو اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دیا حضرت اسماءؓ جب اپنے والد کو رخصت کر کے گھر آئیں تو صبح کو ابو قحافہ (حضرت ابوبکرؓ کے والد جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بہت ضعیف ہو گئے تھے آنکھ کی بصارت بھی رخصت ہو گئی تھی) ان کے گھر آئے اور بڑے رنج کے ساتھ کہنے لگے نہایت افسوس ہے کہ ابوبکر خود بھی چلے گئے اور تمام مال بھی اپنے ساتھ لے گئے حضرت اسماءؓ نے فوراً ان کے قلب کو تسکین دینے کے لئے ایک تھیلی میں کچھ کنکر پتھر بھر کر اسی طاق میں رکھ دیا

جس میں حضرت ابو بکر رضؓ کے درہم رکھے رہتے تھے اور ان سے کہا دادا میاں آپ نے تو ہم لوگوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ دیا ہے اور ان کا ہاتھ اس طاق میں لے جا کر رکھ دیا۔ ابو قحافہ نے ٹٹول تو سمجھے حقیقت میں مال موجود ہے اور ان کے دل کو اطمینان ہو گیا۔

حضرت اسماء رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے صرف ان کی تسلی کے لئے ایسا کیا تھا ورنہ حقیقتاً گھر میں ایک حبہ بھی نہ تھا۔

جب کبھی حضرت اسماء رضؓ کو درد سر کا دورہ ہوتا تو اپنے سر کو ہاتھ سے پکڑ کر کہتیں خدایا اگرچہ میں بہت گناہ گار ہوں لیکن تیری شان غفاری بہت بڑی ہے۔

ایک دفعہ ان کی گردن ورم کر آئی۔ آنحضرت صلعم نے دست مبارک سے سہلا دیا اور فرمایا خدا تمہاری اس تکلیف کو دُور کرے۔

حضرت اسماء رضؓ کم مائیگی اور تنگ دستی کی وجہ سے امور خانہ داری میں بہت احتیاط سے کام لیتی تھیں اور ہر چیز کو بقدر ضرورت ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں آنحضرت صلعم نے ان کو منع فرمایا کہ ناپ تول کر نہ خرچ کیا کرو ورنہ خدا تعالیٰ بھی اتنا ہی دے گا انہوں نے یہ عادت چھوڑ دی۔

چونکہ حضرت اسماء رضؓ ایک راسخ الاعتقاد مسلمان خاتون تھیں اس لئے مشرکین کی سخت دشمن تھیں ایک مرتبہ ان کی والدہ کچھ تحفے تحائف لے کر دیکھنے کو آئیں چونکہ وہ اس وقت مشرک تھیں اس لئے انہوں نے اُن کے تحفے قبول نہیں کئے اور نہ اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ آنحضرت صلعم سے دریافت کریجئے کہ میں اس موقعہ پر کیا کروں اور آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تحفے

قبول کر لو اور ان کو گھر میں مہمان رکھو خدا تعالیٰ کا بھی یہی ارشاد ہے جیسا کہ کلام اللہ کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔

"جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے۔ اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ ان کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے خدا تعالیٰ تم کو نہیں روکتا ہے۔ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تم کو ان ہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں میں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں (تمہارے مخالفوں کی) مدد کی اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو (سمجھا جائے گا) کہ یہی لوگ (مسلمانوں پر) ظلم کرتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے تحفے قبول کئے اور والدہ کو اپنے مکان میں قیام کرنے کی اجازت دی۔

باوجودیکہ حضرت اسماءؓ بعد کو جاہ و ثروت اور دولت سے مالامال ہو گئی تھیں لیکن انہوں نے اسلام کی سادگی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا وہ ہمیشہ موٹا کپڑا پہنتیں۔ خشک روٹی سے شکم پُری کرتیں اور فقیرانہ زندگی بسر کرتیں تھیں ان کی سادگی کے ثبوت میں ذیل کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

ان کے بیٹے منذر جب عراق کی لڑائی فتح کر کے واپس آئے تو زنانے کپڑے خوبصورت باریک منقش بھی ساتھ لیتے آئے۔ جب اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ کپڑے پیش کئے (ان کی والدہ کی بصارت پیرانہ سالی کی وجہ سے رخصت ہو چکی تھی) اس لئے انہوں نے ہاتھ سے ٹٹول کر اس کی

خوبیاں معلوم کیں بہت خفا ہوئیں۔ اور لینے سے انکار کیا۔ منذر پھر موٹے کپڑے لائے تو اس کو قبول کیا خوش ہوئیں اور کہا بیٹے مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کرو۔

سخاوت فیاضی اور سخاوت جو عرب کا اصلی جوہر ہے وہ ان کے مزاج میں بہت زیادہ تھی۔ اپنے بچوں کو ہمیشہ وعظ و نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اپنا مال دوسروں کے کام نکالنے اور ان کی مدد کرنے کے لئے آتا ہے نہ کہ جمع کرنے کے لئے اگر تم اپنا مال خدا کی مخلوق پر نہ خرچ کروگے اور بخل کروگے تو خدا بھی تم کو فضل و کرم سے محروم رکھے گا تم جو کچھ صدقہ کروگے یا خرچ کروگے دراصل وہی تمہارے لئے ایک اچھا ذخیرہ ہوگا اور وہ ایسا ذخیرہ ہے جو نہ کبھی کم ہونے والا ہے اور نہ جس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت اسماءؓ جب کبھی علیل ہو جاتیں تو تمام غلاموں کو آزاد کر دیتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ایک قطعہ زمین کا ترکہ میں چھوڑا تھا وہ حضرت اسماءؓ کے حصہ میں آیا۔ انہوں نے اس کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر کے وہ رقم اعزہ واقارب پر تقسیم کر دی۔

چونکہ حضرت زبیرؓ کے مزاج میں تشدد زیادہ تھا اس لئے حضرت اسماءؓ نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ میں اپنے شوہر کے بلا اجازت ان کے مال سے کچھ فقراء و مساکین کو دے سکتی ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا ہاں دے سکتی ہو۔ ایک مرتبہ ان کی والدہ مدینہ منورہ آئیں اور ان سے کچھ روپے مانگے انہوں نے حسب عادت پھر آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ میری والدہ مشرک ہیں۔ اور وہ مجھ سے روپے مانگتی ہیں۔ کیا میں ایسی حالت

میں ان کی امداد کر سکتی ہوں اور ان کے سوال کو پورا کر سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ تمہاری والدہ ہیں۔ یعنی ان کی امداد کر سکتی ہو۔

ہمت اور اخلاق

حضرت اسماءؓ مجسم پیکر اخلاق تھیں ان میں اخلاص و نیک نیتی کا مادہ فطرتاً ودیعت ہوا تھا نبی نوع انسان کی ہمدردی کی طرف بہت مائل تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ نے نماز کو بہت طول دیا۔ حضرت اسماءؓ گھبرا گئیں اور تھک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ تو ان کے پاس دو عورتیں اور بھی کھڑی تھیں۔ ان میں سے ایک موٹی دوسری دبلی اور کمزور تھی ان دونوں کا کھڑا رہنا باعث تسلی ہوا۔ اپنے خیال کو بدلا اور کہا مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہیے چنانچہ وہ نماز ختم ہونے تک برابر کھڑی رہیں۔ کیونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی۔ بہت استقلال سے کام لیا لیکن ضبط نہ کر سکیں۔ غش آگیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔

فضل و کمال

لوگ حضرت اسماءؓ کے بہت معتقد تھے۔ اور بڑی عقیدتمندی سے ملتے تھے۔ ان کے تقدس و عظمت کا عام شہرہ تھا۔ ہر شخص دعائے خیر کا طالب رہتا تھا۔ لوگ مصیبت کے وقت خصوصیت سے دعا کراتے تھے۔ کبھی کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی وہ دعا کرانے کے لئے آتی تو آپ اس کے سینے پر پانی چھڑک دیتیں اور کہتیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

جب آپ کے گھر میں کوئی بیمار ہوتا۔ تو آپ آنحضرت صلعم کے جبہ کو (جس کو حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت حضرت اسماءؓ کے سپرد کیا

کیا تھا) دھو کر اس کا پانی پلا دیتی تھیں۔

حضرت اسماءؓ نے کئی حج کئے پہلا حج آنحضرت صلعم کے ساتھ ہی کیا تھا۔ آنحضرت صلعم سے تقریباً چھپن حدیثیں بھی روایت کی ہیں صحیحین میں موجود ہیں۔ جن لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

عبداللہؓ، عروہ، فاطمہ بنت المنذر بن زبیر، ابن عباسؓ۔ ابن ابی ملیکہ وہب بن کیسان۔ مسلم معری وغیرہ۔

آپ بڑی ذہی فہم، راسخ الاعتقاد۔ قلب کی مضبوط، نہایت بردبار اور بہت صابر تھیں۔

جس طرح سرزمین عرب کا بچہ بچہ فیاض اور سخی ہوتا ہے اسی طرح جرأت اور دلیری بھی ان کی سرشت میں داخل ہے۔ حضرت اسماءؓ جس طرح سخاوت میں مشہور تھیں اسی طرح دلیری شجاعت کے لئے بھی مشہور تھیں۔ سعید بن عاص کے زمانہ حکومت میں جب مدینہ کے اندر فتنہ و فساد برپا ہوا شہر میں بدامنی پھیل گئی اور چوریاں ہونے لگیں تو حضرت اسماء ایک خنجر سرہانے رکھ کر سویا کرتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتی ہیں کہا کہ جب کوئی چور آئے گا اور مجھ پر حملہ کرے گا تو میں اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ غرض کہ اسماء نے عبداللہ ابن زبیر کی شہادت کے بعد انتقال کیا ابن سعد جز ۸ ص ۱۶۷

حضرت زائدہ

یہ حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ کی کنیز تھیں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں حضور نے ان کے لئے ارشاد فرمایا

خدائے تعالیٰ از امت من بدرجہ مریم رسانید (سفینۃ الاولیاء ۲۰۷)

اروی بنت عبدالمطلب

حضرت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی لڑکی یعنی آنحضرتؐ کی پھوپھی تھیں۔ اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ شمار کی جاتی تھیں۔ اپنے پدر بزرگوار کے مرثیہ لکھے تھے۔ سیرۃ ابن ہشام اور صامرات محی الدین میں لکھا ہے کہ اروی نے اپنے باپ کا مرثیہ ان کی ہدایت کے مطابق ان کی وفات سے قبل لکھا تھا۔ جناب عبدالمطلب نے اپنی بیٹیوں اروی و ام حکیم البیضاء و امیمہ و برہ و صفیہ اور عاتکہ کو اپنے مرض موت کی حالت میں بلایا اور کہا کہ جو مرثیے تم میرے مرنے کے بعد کہتیں وہ میرے مرنے سے قبل کہو خدا نے ان سب کو وہ ذہن عطا کیا تھا جس کے باعث یہ عورتیں بہت مشہور و معروف ہو گئیں۔ حضرت عبدالمطلب کی لڑکیوں نے اپنے باپ کا حکم اسی وقت پورا کیا اور تمام لڑکیوں نے ایک ایک مرثیہ کہا۔

اُم حکیم البیضاء

حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا بدن نہایت چمکیلا اور سڈول تھا۔ عرب کے لوگ آپ کے جسم کو بیضاء اور قبینۃ الدیہاج کہا کرتے تھے۔ آپ کی طبیعت نہایت ناظم واقع ہوئی تھی اور نہایت قادر الکلام تھیں۔ اپنے والد کا مرثیہ ان کی زندگی میں انکے حکم سے لکھا تھا۔

ام الدرداء

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خاتون نے بہت سی حدیثیں سنی تھیں اور نیز اپنے شوہر عمیر سے بھی (یہ شخص بہت بڑا حکیم تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ عمیر ہماری امت کا حکیم ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ام الدرداء بڑی فاضلہ و قابلہ عورت تھی۔

اروی بنت الحارث

یہ حارث بن عبدالمطلب کی لڑکی تھیں ان کے لڑکے کا نام مطلب بن ابی دراعۃ السہمی تھا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حقیقی چچازاد بہن تھیں۔ ان کا شمار صحابیہ میں ہوتا ہے۔ ماں کا نام غزیہ دختر قیس بن طریف از نژاد حارث بن فہر مسالک تھا۔ جواہر ملتقطہ کے مصنف لبیب آفندی نے ایک مقام پر اروی کی ایک نقل لکھی ہے کہ امیر معاویہ کا شاہانہ دربار گرم تھا۔ اتفاق سے اروی کو چھ ہزار دینار کی ضرورت پیش آئی۔ اروی امیر کے دربار میں گئی اور چھ ہزار کی درخواست کی۔ امیر معاویہ نے فوراً چھ ہزار دینار منگوا کر دیئے۔ اس کے بعد امیر نے اروی کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تیرے چچا کے لڑکے حضرت علیؓ میری جگہ ہوتے تو یہ عطیہ تجھ کو کبھی نہ دیتے اروی ان کلمات کو سن کر آبدیدہ ہوئی اور

ابوالاسود دولی کے مرثیہ کے وہ اشعار جو انہوں نے حضرت علی ابن ابی طالب رضؓ کی شان میں لکھے تھے پڑھے۔

امیر معاویہ نے یہ اشعار سن کر اپنی گردن جھکا لی اور کہا اے اروی میں قسم کھاتا ہوں کہ تو نے جو اس وقت پڑھا اس سے حضرت علیؓ افضل تر ہیں۔

ابنتہ عقیل

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی جن کا نام عقیل ابن ابی طالب تھا یہ ان کی بیٹی تھیں۔ خاتونان بنی ہاشم میں ان کی فصاحت کا ڈنکا بجتا تھا۔ حضرت سید الشہداء کے خاندان کے لوگ جس وقت شام کے سفر سے مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت یہ ایک جماعت کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے آئیں اور کچھ نوحہ وزاری کر کے کچھ اشعار پڑھے جن سے ان کی فصاحت وبلاغت کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت سکینہ رضؓ

حضرت سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی کے فضائل پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ احوص ادب کا امام اور فخر عراق جب مدینے آیا اور وہاں کے تمام کاملین سے ملاقات کی تو بڑے بڑے لوگ احوص کی نکتہ چینی سے عہدہ برآ نہ ہو سکے اور کوئی ایسا نہ تھا کہ جو مدینے کے مرکز قابلیت کی ناموس کو محفوظ رکھ سکتا۔ جب وہ حضرت سکینہؓ کی

خدمت میں آستانہ بوسی کو حاضر ہوا تو آپ نے اس کے تمام مجموعہ علم وادب میں سے چند مقامات پر ایسی مبصرانہ نکتہ چینی کی کہ اس کو دعوی انا ولا غیری ترک کرنا پڑا۔ ایسے ہی فرزدق جو ہر جریر عراق کے مشہور شعرا جن سے زیادہ اس زمانہ میں کوئی اور روشن افق شاعری پر موجود نہ تھا مدینے آئے اور حضرت سکینہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہر ایک کے کلام میں جو تمام شعرا کی موزوں طبائع نے خوب جانچ رکھا تھا۔ چند مقامات پر اعتراض کیا اور وہ ان کو تسلیم کرنا پڑا۔ اس سے حضرت سکینہ رض کے حافظہ کی وسعت اور غایت علم کا پیمانہ معلوم ہوتا ہے۔

بنت سعید بن مسیب تابعی

ابن مسیب بڑے جلیل القدر تابعی اور ان نفوس قدسیہ میں سے تھے جو اپنے علم وعمل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام کے امام اور مقتدی مانے جاتے تھے۔ باپ اور دادا صحابی رسول اللہ صلعم سے عہد خلفائے راشدین میں کم سن تھے۔ ملوک بنی امیہ کا زمانہ پایا۔ آپ کی ایک دختر نیک اختر تھی جو نہایت حسین اور کتاب اللہ کی حافظ سنت رسول اللہ صلعم کی عالم تھیں۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۷)

خلیفہ عبد الملک بن مروان ان صاحبزادی کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا۔ خلیفہ نے اپنے ولی عہد کا پیغام ابن مسیب کو دیا آپ نے انکار کر دیا۔

قریش کے ایک غریب آدمی ابو وداعہ جو آپ کی خدمت میں آئے جاتے تھے۔ ایک دن وہ نہیں آئے۔ جب وہ حاضر ہوئے آپ نے اُن سے

نہ آنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا میری بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اس کی تجہیز وتکفین میں لگا ہوا تھا آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارا ارادہ دوسری شادی کا ہے۔ وہ بولے میں بہت غریب ہوں کون بیٹی دے گا۔ آپ نے فرمایا میں اپنی لخت جگر کا تم سے عقد کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا مجھے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس وقت دو یا تین درہم کے مہر پر میرا نکاح اس عفیفہ کے ساتھ کر دیا اور خود گھر پر پہونچا گئے۔ یہ خاتون حقوق شوہر کا بیحد خیال رکھتی تھیں۔ (ماخوذ تابعین صفحہ ۱۷۴)

مسلمان عورتوں کی بہادری وحق گوئی

قرونِ اولیٰ کی تاریخ میں جس طرح مردوں کی آزادی وحق گوئی کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں اسی طرح عورتوں کی بھی ایسی مثالوں کی کچھ کمی نہیں ہے۔ یہاں عقد الفرید سے چند حکایتیں ان عورتوں کی بیان کی جاتی ہیں جو جنگ صفین میں بنی ہاشم کی طرفدار تھیں اور عین جنگ کے موقع پر اہل شام کے برخلاف نہایت جوش وخروش کے ساتھ خطبے پڑھتی تھیں اور جنگ کے خاتمے کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضؓ سے ان کی گفتگو ہوئی تو انہوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے دلی خیالات ظاہر کئے اور جس بات کو وہ اپنے نزدیک حق جانتی تھیں اس کے ظاہر کرنے سے امیر شام کا رعب وداب ان کو مانع نہیں آیا۔

شعبی سے روایت ہے کہ بنی ہلال کی ایک عورت بکارہ نامی نے حضرت امیر معاویہؓ کے روبرو جب کہ وہ مدینہ میں تھے حاضر ہونے کی اجازت

چاہی۔ چنانچہ اس کو اجازت دے دی گئی۔ بکارہ اس وقت معمر ہو گئی تھی
اس کی بینائی میں فرق آگیا تھا، قویٰ ضعیف ہو گئے تھے اور بدن میں
رعشہ تھا۔ دو خادم اس کو پکڑ کر امیر کے سامنے لائے۔ بکارہ نے سلام کیا
اور بیٹھ گئی امیر نے سلام کا جواب دیا اور مزاج پوچھا اور کہا افسوس ہے کہ
زمانے نے تمہارا حال دگرگوں کر دیا۔ بکارہ نے کہا بے شک اس کی
گردشیں ایسی ہی ہیں۔

مروان نے کہا اے امیر المومنین تم نے اس کا کلام بھی سنا ہے یہ کہتی ہے
"کیا ہم ابن ہند (معاویہؓ) کو خلافت کا مالک سمجھیں؟ یہ دور
از قیاس ہے اور اگر وہ ایسا چاہے تو اس کے مرتبے سے بالاتر
ہے (اے معاویہ) تیرے نفس نے گمراہی سے یہ آرزو تیرے
دل میں ڈال دی ہے اور عمرو بن العاص اور سعید بن العاص
نے تجھ کو بدبختی کے لئے ورغلایا ہے۔"

جب مروان یہ اشعار پڑھ چکا تو سعید بن العاصؓ نے کہا کہ اس نے یہ
اشعار بھی کہے ہیں:۔

"میری آرزو تھی کہ میں مر جاؤں اور بنی امیہ میں سے کسی کو منبر
پر خطبہ پڑھتا ہوا نہ دیکھوں مگر خدا نے میری رسی دراز کر دی
یہاں تک کہ زمانے کے عجیب عجیب کرشمے میری نظر سے گزرے
اور میں بار بار ان خطیبوں سے علی الاعلان آل احمدؐ کی برائیاں
سنتی رہی۔"

مروان وغیرہ جب یہ چھیڑ کرنے کے بعد خاموش ہو رہے تو بکارہ
بولی "اے معاویہ! بے شک یہ میرا کلام ہے جو انہوں نے اس

وقت پڑھا اور کلام جو ابھی تجھ پہ ظاہر نہیں کیا گیا وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ امیر کو یہ سن کر ہنسی آ گئی اور کہا " یہ امر تمہاری حاجت براری کرنے سے مجھ کو مانع نہیں آ سکتا۔ تم اپنی حاجت بیان کرو"۔ اس غیرت مند عورت نے کہا " بس اب اس بے لطفی کے بعد ایسا نہیں ہو سکتا اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

شعبی نے بنی امیہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ رات کو جب کہ امیر معاویہؓ کے پاس عمروؓ، سعیدؓ، عتبہؓ اور ولید موجود تھے۔ عدی بن قیس ہمدانی کی بیٹی زرقا کا ذکر آیا۔ جو اپنی قوم کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھی۔ امیر معاویہؓ نے کہا تم میں سے کسی کو اس کا کلام یاد ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا ہاں اے امیر المومنین! ہم کو یاد ہے۔ امیر نے کہا " مجھ کو مشورہ دو کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ بعضوں نے کہا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ امیر نے کہا " تم نے بہت بُرا مشورہ دیا۔ کیا مجھ کو زیبا ہے کہ میں اپنی نسبت لوگوں سے یہ کہلواؤں کہ ایک عورت کو جب کہ وہ قابو میں آ گئی قتل کر ڈالا؟"

اس کے بعد امیر نے کوفے کے عامل کو (جہاں زرقا رہتی تھی) لکھا کہ زرقا کو اس کے چند معتمد محرموں اور قبیلے کے سرداروں کے ہمراہ عمدہ ساز و سامان کے ساتھ اور معقول سفر خرچ دے کر ہمارے پاس روانہ کرو۔ عامل نے زرقا کو طلب کیا اور امیر کا خط پڑھوا دیا۔ زرقا نے کہا " اگر امیر نے میرا وہاں جانا میری مرضی پر منحصر رکھا ہے تو میں جانا نہیں چاہتی اور اگر حتمی حکم ہے تو بہرحال جانا پڑے گا فرمانبرداری ضروری ہے۔ آخر

عامل نے جیسا کہ اس کو حکم کو تھا۔ بہت تزک و احتشام کے ساتھ اس کو روانہ کیا۔

جب وہ معاویہؓ کے پاس پہنچا تو امیر نے اس کو بہت خاطر داری اور اعزاز کے ساتھ لیا اور پوچھا کہ سفر کس طرح طے ہوا؟ جس طرح لڑکی ماں کی گود میں پرورش پاتی ہے یا بچہ گہوارے میں سوتا ہے"۔ امیر نے کہا "ہم نے اس طرح عامل کو ہدایت کی تھی" پھر زرقاء سے پوچھا تم کو معلوم ہے کہ تم کیوں بلائی گئی ہو؟ اس نے کہا جو راز مجھ پر ظاہر نہیں کیا گیا اس کو میں کیونکر جان سکتی ہوں؟"

امیر نے کہا "اے زرقا کیا تو سرخ اونٹ پر سوار جنگ صفین میں موجود نہ تھی اور کیا تو اپنے خطبوں سے آتش حرب کو نہیں بھڑکا رہی تھی اور لوگوں کو مقابلے پر برانگیختہ نہیں کر رہی تھی! آخر کار اس جوش کا کیا سبب تھا؟ زرقا نے کہا "اے امیر المومنین! سر مر چکا[1] اور دم کٹ چکی جو کچھ جاتا تھا جا چکا زمانہ پلٹیاں کھانے والا ہے اور حوادث و واقعات کا سلسلہ برابر جاری ہے"۔

امیر نے کہا "اے زرقا! تجھ کو اپنا اس دن کا خطبہ یاد ہے؟ اس نے کہا لا واللہ مجھ کو بالکل یاد نہیں رہا"۔ امیر نے کہا "تجھ کو یاد نہیں تو مجھ کو یاد ہے تیری اس تقریر کا کیا کہنا ہے جو تو اسی وقت کہہ رہی تھی کہ اے لوگو باز آ جاؤ اور پلٹ جاؤ۔ تم اس فتنے میں بڑھ گئے ہو جس نے تم پر ظلمت کے پردے ڈال دیئے ہیں اور تم کو راہ راست سے برگشتہ کر دیا ہے

---

[1] عربی میں یہ مثل ایسے موقع پر بولی جاتی ہے جیسے ہم کہتے ہیں گذشتہ را صلوٰۃ۔

یہ کیسا اندھا بہرہ اور گونگا فتنہ ہے کہ نہ ہانکنے والے کی آواز سنتا ہے نہ کھینچنے والے کی مرضی پر چلتا ہے دیکھو! چراغ آفتاب کے سامنے روشن نہیں ہوتا اور ستارے چاند کے سامنے ماند رہتے ہیں اور لوہے کو لوہا کاٹ سکتا ہے دیکھو! جو ہم سے راہ پوچھے گا ہم اس کو راہ بتائیں گے اور جو ہم سے سوال کرے گا ہم اس کو جواب دیں گے۔ لوگوں حق اپنی کھوئی ہوئی چیز کو ڈھونڈ رہا تھا سو وہ اس کو مل گئی۔ پس اے مہاجرین غم و غصہ پر صبر کرو تفرقہ کا رخنہ بند ہو گیا ہے اور کلمہ حق پر سب متفق ہو گئے ہیں اور سچائی نے ظالموں کا سر توڑ دیا ہے۔ یاد رکھو عورتوں کی آرائش مہندی سے ہے اور مردوں کی زیبائش خون سے" غرض کہ جس قدر امیر کو اس کے جملے یاد تھے پڑھ کر کہا اے زرقا جو خون علیؓ نے بہلائے ان میں تو بھی شریک تھی؟ زرقا نے کہا "خدا تیرا بھلا کرے اور تجھے سلامت رکھے تو نے ایک مژدہ سنا کر مجھ کو خوش کر دیا۔ امیر نے کہا "کیا اس بات سے کہ سفک دما میں تو علیؓ کے ساتھ شریک تھی تجھ کو خوشی ہوئی؟ کہا بے شک! اور اب تجھ کو میرے خیالات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا امیر یہ سن کر ہنسنے لگے اور کہا واللہ علیؓ کے ساتھ تمہاری وفاداری اس کی وفات کے بعد زیادہ عجیب ہے بہ نسبت اس محبت اولا کے جو اس کی زندگی میں تم اس کے ساتھ رکھتی تھیں۔ اے زرقا اب تو اپنی حاجت بیان کر میں اس کو پورا کردوں گا۔ زرقا نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جن کے برخلاف میں نے کوشش کی ہے ان سے کبھی سوال نہ کروں گی ہاں اگر تو بغیر طلب اور خواہش کے کچھ دے تو تجھ کو اختیار ہے امیر نے کہا ٹھیک ہے اور اس کو اور اس کے ہمراہیوں کو انعام و اکرام اور خلعت دے کر رخصت کیا۔ (ماخوذ)

سعید ابن حذیفہ سے منقول ہے کہ مروان نے جبکہ مدینہ کی ولایت اس کی نامزد تھی ایک لڑکے کو کسی قصور پر قید کیا جب اس کے گھر خبر پہنچی تو اس کی دادی اُم سنان بنت حیثمہ مروان کے پاس گئی اور اپنے پوتے کے باب میں کچھ گفتگو کی۔ مروان نے نہایت سخت جواب دیا۔ اس پر سیدھی امیر معاویہ رضؓ کے پاس پہنچی اور اپنا حسب ونسب بیان کیا۔ امیر نے اس کو پہچان لیا اور کہا اے بنت حیثمہ! بہت اچھا ہوا کہ تو آئی مگر یہاں قدم رنجہ کرنے کا کیا باعث ہوا؟ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ تو ہم پر تبرّا کرتی تھی اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے مقابلے میں برانگیختہ کرتی تھی"۔ ام سنان نے کہا۔ سن اے معاویہؓ۔ عبد مناف کی اولاد کو اخلاق پاکیزہ اور علم وسیع دیا گیا ہے۔ وہ واقف ہو کر انجان نہیں بنتے اور حلم اختیار کر کے سفاہت اختیار نہیں کرتے اور عفو کے بعد انتقام نہیں لیتے اور اپنے اسلاف کے قدم بہ قدم چلنا سب سے زیادہ تجھ کو سزاوار ہے"۔ امیر نے کہا۔ ہاں بیشک ہم ایسے ہی ہیں اس کے بعد امیر نے ام سنان کے چند اشعار پڑھے جن میں علیؓ مرتضیٰ کی مدح وثنا اور ان کے مخالفین پر تعریض کی گئی تھی۔ ام سنان نے اقرار کیا کہ بے شک یہ اشعار میرے ہیں مگر میں امید کرتا ہوں کہ تو ہمارے لئے (علی مرتضیٰ کے بعد) اچھا جانشین ہوگا"۔

امیر کے ایک جلیس نے ام سنان کے کچھ اور اشعار پڑھے جن سے امیر کی طبیعت پر اس کی نسبت بُرا اثر ہوا۔ اُم سنان نے کہا اے امیرالمومنین! مسلمانوں کے دل میں تیری دشمنی پیدا ہونے کے یہی لوگ باعث ہیں ان کی باتوں کو حقیر جان اور ان کو اپنا مقرب نہ بنا اگر تو ایسا کرے گا تو خدا کا قرب اور مومنوں کی محبت تیرے ساتھ زیادہ ہوگی تو ہماری رائے اور

ہمارے دلی خیالات سے واقف ہے واللہ علی رضؓ کو ہم تجھ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے لیکن تجھ کو بھی اور لوگوں سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ امیر نے پوچھا۔ کس کس سے؟ کہا مروان بن الحکم اور سعد بن العاص سے۔ امیر نے کہا میں اس محبت کا مستحق تیرے نزدیک کیوں کر ہوا۔ کہا آپ نے وسعت علم اور عفو و درگزر کے سبب سے"؟

امیر نے پوچھا یہاں کیوں کر آنا ہوا کہا "مروان نے مدینے میں ایسے قدم جمائے ہیں کہ گویا کبھی وہاں سے نہ ٹلے گا نہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور نہ شریعت کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔ مسلمانوں کی لغزشیں ڈھونڈھتا رہتا ہے اور ان کے پردے فاش کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ ابھی اس نے میرے پوتے کو قید کیا ہے میں اس کے پاس گئی تھی۔ اس نے کہا تو نے ایسا کیا تو نے ویسا کیا (یعنی بنی امیہ کے خلاف کارروائیاں کیں) میں نے بھی اس کو پتھر سے زیادہ کرخت اور حنظل سے زیادہ کڑوے جواب دیئے اور اپنے تئیں ملامت کی اور دل میں کہا کہ میں کیوں نہ اپنا معاملہ اس شخص کے پاس لے جاؤں جس سے بہ نسبت مروان کے زیادہ عفو درگزر کی امید ہے پس میں تیرے پاس آئی ہوں تاکہ تو میرے معاملے میں غور کرے"۔

امیر نے کہا۔ تو سچ کہتی ہے میں تجھ سے تیرے پوتے کی صفائی کے متعلق کچھ پوچھنا نہیں چاہتا اور کاتب کو اشارہ کیا کہ رہائی کا حکم لکھ کر اس عورت کو دے دو اور پانچ ہزار درہم زاد راہ کے لئے اور اونٹ سواری کے لئے اس کو دے کر رخصت کیا۔

ابوبکر ہذلی نے عکرمہؓ سے روایت کی ہے کہ اطرش بن رواعہ کی بیٹی اپنے عصا کے سہارے سے امیر معاویہؓ کے دربار میں آئی اور یہ کہہ کر "السلام علیکم یا امیرالمومنین!" بیٹھ گئی۔ امیر نے کہا "اے عکرشہ کیا اب میں امیرالمومنین ہوگیا۔ عکرشہ نے کہا ہاں! کیونکہ اب علیؓ زندہ نہیں رہے؟" اس کے بعد امیر نے کہا کیا تو تلوار حمائل کئے صفین میں یہ خطبہ نہیں پڑھ رہی تھی؟ اور چند فقرے جو اس خطبے میں زیادہ رہ گئے تھے پڑھے جن میں یہ الفاظ بھی شامل تھے کہ "اے مہاجرین وانصار! معاویہ نا سمجھ لوگوں کو جو نہ ایمان کو جانتے ہیں اور نہ شریعت کو سمجھتے ہیں ساتھ لے کر تم سے لڑنے کو آیا ہے ان کو دنیا کا لالچ دیا ہے سو وہ لالچ میں آگئے اور ان کو باطل کی طرف پکارا ہے سو وہ اس کی طرف دوڑ پڑے ہیں پھر امیر نے کہا میں اس وقت تجھ کو دیکھ رہا تھا کہ تو گویا اسی عصا کے سہارے کھڑی تھی اور دونوں لشکر بالاتفاق کہہ رہے تھے کہ یہ اطرش بن رواحہ کی بیٹی عکرشہ ہے اگر اس وقت تیرے اختیار میں ہوتا تو اہل شام کا قلع قمع کر ڈالتی مگر جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہی ظہور میں آتا ہے آخر اس جوش کا کیا سبب تھا؟ عکرشہ نے کہا۔ "اے امیرالمومنین صدقات میں ہمارا حق تھا جو کہ مقدور والوں سے لئے جا رہے تھے اور ہمارے بے مقدوروں پر تقسیم کئے جا رہے تھے سو یہ حق ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا تھا نہ ہمارے شکستہ حالوں کی خبر لی جاتی تھی نہ ہمارے محتاجوں کی دستگیری کی جاتی تھی پس اگر یہ تیری رائے سے ہوا تھا تو تجھ کو زیبا نہیں تھا کہ خائنوں سے مدد لے اور ظالموں کو کام سپرد کردے۔ امیر نے کہا "اے عکرشہ ہم کو رعیت کے معاملات میں ایسے امور پیش آجاتے ہیں جن کی روک تھام کرنا اور سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔" عکرشہ نے کہا "خدا نے،

ہمارے لئے کوئی حق ایسا مقرر نہیں کیا جس میں دوسرے کا ضرر ہو۔" آخر امیر نے اس کی خواہش کے مطابق حکم دے دیا۔

ابو سہیل تمیمی سے روایت ہے کہ معاویہ ابن ابی سفیانؓ نے موسم حج میں بنی کنانہ کی ایک عورت کا حال پوچھا جو جونیہ میں آکر اترا کرتی تھی اور جس کو دارمیہ جونیہ کہتے تھے اور نہایت سیاہ فام اور فربہ تھی لوگوں نے کہا وہ موجود ہے۔ امیر نے اس کو کہلا بھیجا جب وہ آئی تو اس سے پوچھا "اے دارمیہ تو جانتی ہے کہ تجھ کو کیوں بلایا گیا ہے"۔ اس نے کہا غیب کا علم تو خدا ہی کو ہے۔ امیر نے کہا "میں نے تجھ کو یہ پوچھنے کو بلایا ہے کہ تو کس لئے علیؓ سے محبت اور مجھ سے بغض رکھتی تھی؟ اس نے کہا۔" تو مجھ کو معاف کرے گا؟ امیر نے کہا "نہیں" اس نے کہا "اگر تو نے معافی سے انکار کیا ہے تو سن! میں علیؓ کو اس لئے دوست رکھتی تھی کہ وہ رعیت کے ساتھ انصاف کرتا تھا سب کو استحقاق کے موافق حقوق دیتا تھا، مسکینوں سے محبت رکھتا تھا اور دین داروں کی تعظیم کرتا تھا اور تجھ سے اس لئے بغض رکھتی تھی کہ تو اپنے سے افضل کے ساتھ لڑا اور جس کا تو مستحق نہ تھا اس حق کا طالب ہوا۔ تو نے خونریزی کرائی، فیصلوں میں ناانصافی کی ہوائے نفس کے موافق حکومت کی۔" امیر نے کہا۔ تو نے اس کو کیسا پایا؟ کہا "واللہ اس کو حکومت نے تیری طرح فتنے میں نہیں ڈالا اور دولت نے تیری طرح اس کو غافل نہیں کیا۔" امیر نے پوچھا تو نے اس کا کلام بھی سُنا ہے؟" کہا "کیوں نہیں اس کا کلام تاریکی سے دلوں کو اس طرح جلا کرتا تھا جیسے تیل برتن کا زنگ چھڑا دیتا ہے۔" امیر نے کہا "بے شک تو سچ کہتی

ہے اگر تجھ کو کوئی حاجت ہو تو بیان کر" ؟ اس نے کہا "کیا تو اسے پورا کرے گا" امیر نے کہا ضرور۔" اس نے کہا مجھ کو سو اونٹنیاں سرخ رنگ کی دے جن کے ساتھ اُن کا ساربان بھی ہو" امیر نے کہا "اگر میں یہ اونٹنیاں تجھ کو دوں تو بھی میری جگہ تیرے دل میں علیؓ کے برابر ہو گی یا نہیں ؟" دارمیہ نے کہا سبحان اللہ کیا اس کے سوا دوسرے شخص کی جگہ ؟" امیر نے اس کے جواب میں دو شعر پڑھے۔

" یعنی اگر میں تیرے ساتھ فراخ حوصلگی سے پیش نہ آؤں تو
پھر میرے بعد کون ہے جس سے امید کی جائے ؟ یہ اونٹنیاں
تجھ کو مبارک ہوں اور یاد رکھ اس شخص کو جس نے تیرے ساتھ
عداوت کی لڑائی کا معاوضہ صلح کے ساتھ کیا ہے۔" واللہ اگر علیؓ
زندہ ہوتا تو ان میں سے ایک اونٹنی بھی تجھ کو نہ دیتا۔"
وہ بولی " واللہ اونٹنی تو اونٹنی وہ ایک بلی کا بچہ بھی مسلمانوں
کے مال میں سے دینے والا نہ تھا۔"

شعبی سے روایت ہے کہ معاویہؓ نے کوفے کے والی کو لکھا کہ ام الخیر بنت حریش بن سراقہ کو سوار کرا کر عزت و احترام کے ساتھ ہمارے پاس بھیج دے۔ والی نے فوراً حکم کی تعمیل کی اُم الخیر بہت آرام کے ساتھ امیر معاویہؓ کے پاس پہنچی امیر معاویہؓ نے اس کو اپنے محل میں اتارا اور چوتھے روز جب کہ جلیس و مصاحب جمع تھے اس کو بات چیت کے لئے بلایا۔ ام الخیر نے آتے ہی کہا السلام علیکم یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امیر نے سلام کا جواب دیا اور تعریضاً اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ تو نے مجھے امیر المومنین کے لفظ

سے یاد کیا۔ ام الخیر نے کہا۔ "اے امیر المومنین! لکل اجل کتاب یعنی ہر چیز کی مدت معین ہے۔ امیر نے کہا۔ "سچ ہے"۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں کر کے پوچھا کہ عمار یاسر کے قتل کے وقت تو نے کیا خطبہ پڑھا تھا؟" میں نے اس کو پہلے سے بنایا تھا اور نہ اس موقع کے بعد کسی کو سنایا یہی چند جملے تھے جو صدمے کے سبب ٹپک پڑے تھے لیکن اگر اس کے سوا کوئی اور کلام تو سننا چاہے تو میں سناؤں امیر یہ سن کر مصاحبوں کی طرف ملتفت ہوا اور پوچھا تم میں سے کسی کو اس کا وہ کلام یاد ہے ایک نے ان میں سے کہا۔ اے امیر المومنین! مجھ کو کچھ کچھ اس میں سے یاد ہے اور اس نے اس بلیغ خطبے کے چند فقرے امیر کے سامنے پڑھے جن میں لوگوں کو علی مرتضیٰؓ کے فضائل ومناقب کا ذکر کر کے ان کا ساتھ دینے اور اہل شام سے لڑنے کی ترغیب نہایت پر زور الفاظ میں دی گئی امیر نے ان فقروں کو سن کر ام الخیر سے کہا ظاہر ہے کہ اس کلام سے تیرا مطلب میرے قتل کے سوا اور کچھ نہ تھا پس اگر میں تجھ کو قتل کرا دوں تو اس میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا"۔ ام الخیر نے کہا" واللہ مجھ کو ہرگز شاق نہیں کہ میرا قتل اس شخص کے ہاتھ سے ظہور میں آئے جس کی شقاوت سے میری سعادت متصور ہے"۔ امیر نے کہا اے فضول گو! حضرت عثمان بن عفانؓ کے باب میں تو کیا کہتی ہے۔ ام الخیر نے کہا لوگوں نے جب اس کو خلیفہ کیا تو اس سے راضی تھے اور جب اس کو قتل کیا تو اس سے ناراض تھے"۔ امیر نے کہا" اے ام الخیر! مدح ایسی ہی ہوتی ہے؟" وہ بولی" خدا گواہ ہے اور اس کی گواہی کافی ہے۔ میرا مطلب اس سے حضرت عثمان کی تنقیص نہیں ہے بلکہ وہ سابقین اولین میں سے تھے اور بیشک آخرت میں ان کا درجہ بلند ہوگا" امیر نے کہا۔" اچھا زبیرؓ کے باب میں

تو کیا کہتی ہے؟ کہا" بھلا میں رسول اللہ صلعم کی پھوپھی کے بیٹے اور ان کے حواری کے حق میں کیا کہہ سکتی ہوں جن کی نسبت خود رسول مقبولؐ نے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے"۔ اس کے بعد ام الخیر نے کہا" اے معاویہؓ تو قریش میں احلم الناس مشہور ہے میں تجھ کو خدا کی قسم دیتی ہوں کہ مجھے ان سوالات سے معذور رکھ اور ان کے سوا جو تیرا جی چاہے سو پوچھ" امیر نے سوالات موقوف کئے اور اس کو معقول رخصتانہ دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

مذکورہ بالا حکایتوں سے قطع نظر اس کے کہ قرون اولیٰ کی عورتوں کی راستبازی اور حق گوئی کماحقہ ثابت ہوتی ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ:۔

وہ جنگ کے معرکوں میں شریک ہوتی تھیں۔

اپنے جتھوں کا ساتھ دیتی تھیں۔

فریق مخالف کے برخلاف لوگوں کو اکسانے کے لئے نہایت فصیح و بلیغ اور پر زور خطبے خود لکھ کر پڑھتی تھیں۔

خلیفہ کے دربار میں بے حجابانہ حاضر ہوتی تھیں۔

بھرے مجمع میں آزادانہ اور بے باکانہ گفتگو کرتی تھیں۔

سب سے بڑھ کر ان حکایتوں سے امیر معاویہؓ کے تحمل و فراخ حوصلگی کا ثبوت ملتا ہے کہ باوجود ہر طرح کے اقتدار و اختیار کے رعیت کے ضعیف ترین فرقے کی ایسی تلخ اور ناگوار باتیں برداشت کی جاتی تھیں اور اعیان دربار کے سامنے ان کو اپنے اوپر اعتراض کرنے کا موقع دیا جاتا تھا امیر کا یہ قول ہے النساء یغلبن الکرام و یغلبھن اللئام یعنی عورتیں شریفوں پر غالب اور کمینوں سے مغلوب رہتی ہیں اور اس سے

یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ امیر کا اغماض اور تحمل شاید عورتوں کے ساتھ مخصوص ہو لیکن معلوم ہوتا ہے کہ امیر کا یہ برتاؤ عورتوں اور مردوں کے ساتھ برابر تھا۔ (تاریخ دمشق)

بی بی خولہ بنت ازور

عابدہ زاہدہ اور بہادری میں مشہور آفاق تھیں آپ اپنے بھائی ضرار بن ازور کے ہمراہ ہرقل ادم کے لشکر کے مقابلہ پر تیغ آزما ہوئیں بھائی گرفتار ہوئے ان کو دشمنوں سے چھڑا لیا۔ آپ بہترین شہ سوار تھیں۔ (تاریخ واقدی)

بنت عبدالرحمٰن

یہ خاتون حضرت قاسم بن محمد کی پوتی ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے آغوش تربیت پائی۔ محمد بن مسلم شہاب زہری آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دینی معلومات حاصل کیا کرتے شہاب زہری لکھتے ہیں کہ

"وہ علم کا بحر بیکراں تھیں۔"

(تذکرہ الحفاظ ذہبی

ج ۱ ص ۹۹

بی بی عفیرۃ العابدہ

بصرہ کی عارفات سے تھیں۔ حضرت معاذ اور عدومیہ کی صحبت میں بیٹھتی تھیں۔ خوف خدا میں اس قدر روئیں آنکھیں جاتی رہیں۔ وفات آپ کی ۱۸۰ھ میں ہوئی۔

(تاریخ اولیاج ۱ ص ۲۶۷)

حضرت شعوانہ

عجمی نژاد تھیں۔ آپ کے وعظ میں عارفاں و عابدان و زاہداں شریک ہوتے۔ خوش آواز تھیں۔ شیخ فضیل عیاض ان کے پاس آئے اور دعا کے طالب ہوئے

گفتندی فضیل جہاں تو وخدائے تعالیٰ چیزے ہست کہ اگر دعا کنم مستجاب شو وفضیل عیاض نعرہ نبر دند و بیہوش افتادند۔

آپ کی وفات ۱۷۵ھ میں ہوئی۔

(سفینۃ الاولیا ص ۲۰۷)

بی بی رابعہ بصری

بڑی عارفہ اور کاملہ بی بی تھیں۔ بڑے بڑے اولیا خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری اکثر مسئلہ پوچھتے۔ ساری رات

نماز میں مشغول رہتیں۔ آپ خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے گئیں۔ کعبہ سامنے نظر آیا آپ نے کہا مجھے گھر کے مالک کی تلاش ہے۔ تمہاری زیارت مقصود نہیں۔ آپ کی وفات ۱۸۵ھ میں ہوئی۔ بصرہ میں مزار ہے۔

(تاریخ اولیاج ۲ ص ۶۸۴)

دفرہ

یہ محدث عورت طبقہ اول کے ثقہ تابعین میں سے تھی اکثر بصرہ میں رہا کرتی تھی۔ محمد بن سیرین نے انہیں سے حدیث روایت کی ہے اصابہ میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اصحاب کتب ستہ میں سے ہر شخص نے اپنی کتاب میں دفرہ سے ایک حدیث ثبت اور استخراج کی جس کو اس لائق محدثہ نے ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت کیا تھا۔

ماجدۃ القریشیہ

حضرت امام جعفر صادق کی صاجزادی تھیں۔ نہایت عابدہ زاہدہ عارفہ مشہور تھیں۔ ۱۴۵ھ میں آپ نے انتقال کیا مصر میں مزار ہے۔

(طبقات الکبریٰ)

بنی اُمیّہ کی ایک ملکہ

فاطمہ بنت عبدالملک بن مروان

اسلام سے پہلے عرب جن تاریکیوں اور جہالتوں کا مرکز بنا ہوا تھا وہ ظاہر ہے معاشرتی، تمدنی، اخلاقی کمزوریاں اس قدر پیدا ہو گئی تھیں کہ وہاں برائے نام انسان رہ گئے تھے اس وجہ سے اس زمانہ کو زمانہ جہالت سے تعبیر کرتے ہیں تاہم چند وصف اس وقت بھی ان میں ایسے موجود تھے جو بہت ہی اعلیٰ درجہ پر ہر متنفس میں پائے جاتے تھے اور جن پر ان کو فخر کرنا بالکل بجا ہے۔ وہ شجاعت، سخاوت، فصاحت تھے مگر ان کا مصرف اکثر اوقات صحیح نہیں ہوتا تھا۔ اسلام نے اس جزیرہ نما کی تمام تاریکیوں کو نورانیت سے بدل دیا اور اس کا چپہ چپہ اخلاق و شرافت سے جگمگا اٹھا۔

اسلام نے نہ صرف ان کی دلی بیماریوں اور کمزوریوں کو دور کیا بلکہ ان کے اوصاف کو اور زیادہ چمکا یا اور بتایا کہ ان کا صحیح مصرف کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے دور اول میں نہ صرف مردوں کا بلکہ عورتوں کا نام بھی اخلاق ایمانداری۔ قناعت گزاری، حق پسندی، فرائض شناسی کی بدولت آج تک زندہ ہے اور جن پر اسلام کی تاریخ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ یہ سب اسلام کی سچی اور سیدھی سادھی تعلیم تھی جس نے ان کے دلوں کو پاک جذبات اور صداقت و حق سے لبریز کر کے دُنیا

کے طمع و حرص کے داغ سے ان کا دامن بالکل دھویا تھا اور خاص و عام سب اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

خلفائے بنی امیہ کی ایک ملکہ فاطمہ بنت عبدالملک بن مروان کے کچھ حالات لکھے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہو گا کہ اسلام کی تعلیم نے کیا حیرت انگیز خوبیاں ان خواتین میں پیدا کر دی تھیں جن کی مثال کسی اور قوم میں مشکل سے ملے گی۔ فاطمہ عبدالملک بن مروان کی بیٹی اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نیک دل بی بی تھیں یہ اپنے زمانہ کی نہ صرف ایک نہایت فصیح اور خوش بیان ادیبہ تھیں بلکہ نہایت سیر چشم دنیا کی طرف سے بے نیاز اور شوہر کی نہایت فرماں بردار تھیں حسن و جمال کی نعمت کے ساتھ خدا نے ان کو اخلاق اور فصاحت، ادب اور قناعت کا ایک مجسم پیکر بنایا تھا۔

ان کی خوبیاں صرف چہرہ اور زبان تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ وہ نہایت نیک دل بی بی تھیں۔ چنانچہ زندگی میں ایک بار آزمائش کا موقع آیا۔ بنی امیہ کی عورتوں میں یہ اپنی نظیر آپ تھیں، کوئی عورت، خوبی، حسن، خوش کلامی اور نیک خوئی اور اتقا میں ان کے برابر نہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک بادشاہ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ دولت مند اور مالدار بھی تھیں۔ شادی کے وقت بہت کچھ جہیز میں ماں باپ کے یہاں سے لائی تھیں۔ شوہر کے ہاں بھی ان کے لئے اس کی کچھ کمی نہ تھی۔ چنانچہ نہایت آرام و عیش اور فراغت و اطمینان سے رہنے لگیں۔ مگر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز چند سال کے بعد دولت خلافت سے سرفراز ہوئے تو اب ان کو اپنا تمام مال و اسباب ذاتی مصارف میں لانا ناگوار گزرنے لگا اور دیکھا کہ خلافت کا یہ بار گراں سر پر ہے۔ چنانچہ خلیفہ ہوتے ہی اپنی زندگی کا طرز عمل بالکل بدل دیا اور

اپنی شریف بی بی اور مسلمانوں کی ملکہ جناب فاطمہ سے کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اپنا مال اور دولت اور زیور گہنا، جواہرات وغیرہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دو کیونکہ یہ سب سامان حقیقت میں انہیں کا ہے اب میں اور تم اور یہ اسباب و سامان سب ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتے اگر تمہیں اپنا زیور اور جواہرات عزیز ہیں تو شوہر کے ہاں تمہاری گنجائش نہیں اور جو میرے ہاں تمہیں رہنا ہے تو اس سب سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ جناب فاطمہ کی ذات میں جو خوبیاں قدرت نے ودیعت کی تھیں ان کو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں وہ ایک خلیفہ کی بیٹی اور ایک خلیفہ کی بیوی تھیں۔ یہی فخر و اعزاز ان کے لئے کیا کم تھا، مال و دولت جو ہاتھ کا میل اور ڈھلتی چھاؤں ہے۔ ان کی دانائی اسے محبوب رکھنے کی اجازت کب دے سکتی تھی۔ گو ان کی زندگی کا بڑا حصہ عیش و آرام اور ہر طرح کی دولت و مسرت میں گذرا تھا مگر شوہر سے بڑھ کر کوئی دولت ان کی نظروں میں نہ سمائی انہوں نے اسی وقت نہایت خندہ پیشانی اور خوشی کے ساتھ مال و زیور وغیرہ جو کچھ تھا سب مسلمانوں کے بیت المال میں پہنچا دیا اور شوہر کی مرضی کو تمام دنیا کی دل پذیر چیزوں پر ترجیح دی کہ اب ان کے پاس چاندی اور سونے کی قسم سے کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی مگر اس کا ان کو بال برابر بھی ملال نہ تھا اور وہ اسی طرح خوش تھیں جس طرح زمانہ خلافت سے پہلے دولت و عیش میں دلشاد رہا کرتی تھیں باوجودیکہ دنیائے اسلام کی خلافت اور تمام اسلامی ممالک کی عنان ان کے شوہر کے ہاتھ میں تھی مگر اب فاطمہ وہ دنیاوی عیش و آرام میں لطف و مسرت سے زندگی گزارنے والی بی بی نہ تھیں بلکہ اب وہ نہایت عسرت و تکلیف سے گزر اوقات کر رہی تھیں اور ذرا بھی ان کی پیشانی پر رنج و تردد کی شکن تک نہ

آئی تھی۔ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے وفات پائی اور خلافت ملکہ فاطمہ کے بھائی یزید ابن عبدالملک کے ہاتھ میں آئی تو ایک روز اس نے اپنی عزیز بہن سے باتوں باتوں میں کہا مجھے افسوس ہے کہ عمر نے تم پر بہت ظلم کیا اور تمہارا سب مال و دولت چھین کر بیت المال میں داخل کر دیا اب میں وہ سب مال بیت المال سے نکلوا کر تمہارے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔ یزید کو خیال تھا کہ میری بہن فاطمہ وہی فاطمہ ہے جو شادی سے قبل عمر بن عبدالعزیز کی خلافت سے پہلے عیش و نشاط سے بہرہ ور تھی۔ وہ سمجھا کہ ابن عبدالعزیز نے جو کچھ سلوک خلیفہ ہو کر میری بہن کے ساتھ کیا یہ اس کی مرضی کے بالکل خلاف اور سراسر ظلم پر مبنی تھا۔ لیکن فاطمہ وہ فاطمہ نہیں تھیں، وہ تمام مسلمانوں کی مادر مہربان اور ایک ذمہ دار خلیفہ کی بیوی ہو چکی تھیں وہ اپنی اولاد کا مال کیوں کر اپنے استعمال میں لانا پسند کر سکتی تھیں۔ چنانچہ اسی وقت انہوں نے جواب دیا کہ نہیں خدا کی قسم ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ جن کی زندگی تک فرماں برداری کی ان کی وفات کے بعد اب ان کی نافرمانی کروں۔ دولت و مال میرے کسی کام کا نہیں شوہر کی مرضی میرے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ آخر یزید نے ان کا سارا مال و اسباب جو بیت المال میں داخل ہو گیا تھا نکلوا کر ان کے عزیزوں میں تقسیم کرا دیا۔ لیکن فاطمہ نے ایک حبہ بھی لینا قبول نہ کیا اور اپنی بقیہ زندگی زہد و عبادت پرہیزگاری اور خداترسی میں بسر کی یہاں تک کہ ایک دن اجل نے انہیں بھی دنیا سے جدا کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے نیک دل شوہر سے ملا دیا۔ ماخوذ

ملکہ خیزران

مشرق کی یہ ایک عظیم خاتون ان مایۂ ناز عورتوں میں سے تھی جنہوں نے اپنی عظمت کے نقوش دوام جریدۂ عالم پر ثبت کر دیئے۔ یہ خاتون نہایت معمولی حیثیت سے ترقی کر کے امارت و سلطنت کے بلند ترین مناصب تک پہنچی اور ایک دور ایسا بھی آیا جب اس کی ذات سیاست ملکی کا محور بن گئی۔ اس اولوالعزم خاتون کا نام ملکہ خیزران تھا۔ خیزران عربی میں بید کی چھڑی کو کہتے ہیں یہ خاتون یمن کے مقام جرش کی رہنے والی تھی اور ابھی کمسن ہی تھی کہ بردہ فروشوں کے ہاتھ آ گئی اور وہ اسے بغداد لے آئے جب مشہور عباسی خلیفہ مہدی بن منصور نے جو اس وقت صرف شہزادہ تھا اس کمسن لڑکی کو دیکھا اور اس سے گفتگو کی تو وہ اس کے بے مثال حسن و جمال اور عقل و فہم سے بے حد متاثر ہوا اور اسے ایک لاکھ درم میں خرید لیا۔ شاہی محل میں داخل ہونے کے بعد خیزران کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔ خلیفہ مہدی نے اس کی تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام کیا اور اس عہد کے لائق اساتذہ کو اس کی تعلیم پر مامور کیا۔ علم حدیث میں وہ عالم اسلام کی ممتاز شخصیت حضرت امام اوزاعی کی شاگرد تھی۔

چند ہی سال میں خیزران نے عربی ادب، حدیث، تفسیر اور تمام علوم مروجہ میں مہارت حاصل کر لی۔ شاعری کا ملکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں ودیعت فرمایا تھا۔ سن بلوغت کو پہنچتے پہنچتے وہ خلیفہ مہدی کے دل و دماغ پر اپنے حسن و جمال ذہانت و فطانت علم و فضل و پاکیزہ اخلاق کا سکہ جما چکی تھی آخر

مہدی نے اسے ملکہ سلطنت کے جملہ صفات سے متصف پاکر اس سے شادی کرلی۔

۱۴۷ھ میں جب خیزران مہدی کے ساتھ ایران کے مشہور شہر "رے" میں مقیم تھی۔ اس کے بطن سے پہلا لڑکا ہادی پیدا ہوا جو مہدی کی وفات کے بعد سلطنت عباسی کا حکمران بنا۔ ہادی کی پیدائش کے دو سال بعد دوسرا لڑکا پیدا ہوا جو ۱۷۰ھ میں ہارون الرشید کے لقب سے سریر آرائے سلطنت ہوا اس طرح خیزران کو دنیائے اسلام کے دو بڑے حکمرانوں کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔

۱۵۸ھ تک مہدی کی حیثیت ولی عہد سلطنت کی تھی لیکن ۱۵۸ھ میں جب مہدی خلیفہ ہوگیا تو خیزران کے جوہر بھی نکھر گئے وہ خلیفہ مہدی پر پہلے ہی حاوی تھی اس کے حکمران ہونے کے بعد سیاست میں بھی دخل دینے لگی۔ سیاسی امور میں اس کی رائے اس قدر بے لاگ اور صائب ہوتی تھی کہ خلیفہ بھی اس کی اصابت فکر کا اعتراف کرتا اور اس کی رائے قبول کر لیتا تھا دوسرے وہ مہدی کو بے حد محبوب تھی اس لئے بھی اس کی ہر بات مان لیتا تھا۔

مورخین کا بیان ہے کہ خیزران کا مہدی پر اسی قدر اثر تھا کہ وہ جن لوگوں کو چاہتی سلطنت کے اہم ترین عہدوں پر فائز کرا دیتی تھی اس طرح اراکین سلطنت پر بھی اس کا بڑا اثر و نفوذ تھا۔ وہ بڑی دوراندیش خاتون تھی اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی پہلے سے پیش بندی کرنا چاہتی تھی۔ ہادی اس کا بڑا لڑکا تھا اس لئے مروجہ قاعدہ کے مطابق مہدی نے اسکو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ مگر خیزران کو ہادی کے مقابلہ میں اپنے چھوٹے لڑکے ہارون سے زیادہ محبت تھی۔ دوسرے ہادی کے مزاج میں اپنے آپ

کو نمایاں کرنے اور امور سلطنت کو بہ نفس نفیس سرانجام دینے کا مادہ بہت زیادہ تھا اس میں خودسری بھی تھی اور وہ اپنی رائے کے مقابلے میں کسی دوسرے کی رائے کو وقعت نہ دیتا تھا خواہ وہ کتنی ہی محترم ہستی کی رائے کیوں نہ ہو لیکن ہارون نے اس قسم کی طبیعت نہ پائی تھی۔

خیزران فطرتاً اقتدار پسند واقع ہوئی تھی۔ مہدی کے عہد حکومت میں اسے سیاسی امور میں جو دخل حاصل تھا اس نے خیزران کی اقتدار پسند طبیعت کے لئے مہمیز کا کام کیا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ مہدی کے بعد ایسا خلیفہ بنے جو اس کی مٹھی میں ہو۔ ہارون ہادی کے مقابلہ میں اپنی ماں کا زیادہ فرمانبردار اور اطاعت گذار تھا اس لئے بھی خیزران ہارون کی ولی عہدی کی خواہشمند تھی لیکن جب اس نے دیکھا کہ ولی عہدی کا مسئلہ اس کی حسب منشا طے نہ ہو سکا تو اس نے امرائے سلطنت سے ربط و ضبط بڑھانا شروع کیا تاکہ مہدی کے بعد مسند خلافت پر بیٹھنے والا شخص اس کا دست نگر ہو کر رہے ادھر وہ مہدی کو بھی اس فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی تحریک کرتی رہتی اور آخر کار اس نے مہدی کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ ہارون کو اپنا اور ہادی کا جانشین مقرر کر دے خلیفہ مہدی اپنے اس فیصلے کے نفاذ ہی کے لئے جرجان روانہ ہوا جہاں ہادی مقیم تھا مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا اور اثنائے راہ ہی میں ۱۶۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

خیزران کے تدبر اور فراست کے امتحان کا یہ بڑا نازک وقت تھا ایک طرف اس کی ذاتی خواہشات اور ذاتی مفادات تھے جن کا ہادی کی خلافت میں محفوظ رہنا غیر یقینی تھا اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی شان و شوکت اور اس کا اقتدار خطرے میں ہے دوسری طرف سلطنت کے وقار اور مسلمانوں

کی حکومت کی بقا کا سوال تھا۔ اگر وہ ہارون اور اس کے اتالیق اور اس عہد کے مشہور سیاست دان یحیٰی برمکی وامرائے سلطنت اور سرداران فوج کو ملا کر بغاوت کر دیتی تو ایک طرف قطعی کامیابی بھی مشتبہ تھی اور دوسری طرف مسلمانوں کی حکومت میں انتشار و تزلزل پیدا ہو جاتا اس لئے اس نے بڑی فراست سے کام لیا اور اپنے ذاتی مفادات پر ملکی مفادات کو ترجیح دی۔ اس نے ہارون کو ہدایت کی کہ وہ فوراً ہادی کو خط لکھ کر اس واقعہ کی اطلاع دو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ جلد سے جلد دار الخلافہ پہنچ کر اپنی بیعت لے ادھر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ خلیفہ مہدی کی وفات کی خبر سنتے ہی بغداد میں بغاوت ہو گئی اور فوج کا ایک حصہ باغی ہو گیا۔ خیزران کو اپنے منصوبے کو عملی شکل دینے کا ایک اور موقعہ نکل آیا تھا مگر اس نے اپنی دوراندیشی سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ اگر اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی تو یہ مفید ہونے کی بجائے الٹا نقصان دہ ثابت ہو گا اور ہادی یہ خیال کرے گا کہ خیزران اور ہارون نے سازش کر کے بغاوت کرائی ہے اس لئے وہ دونوں سے بدظن ہو جائے گا اور ممکن ہے انتقام لینے پر بھی تل جائے۔

چنانچہ اس نے بڑی ہوشیاری اور مستعدی سے کام لے کر سرداران فوج کو اپنے حضور طلب کیا اور انہیں زر کثیر دے کر کہا کہ باغی فوج کو دو ماہ کی پیشگی تنخواہ ادا کر دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو بغاوت فرد ہو گئی دوسری طرف فوج اور اس کے سرداروں پر خیزران کے حسن سلوک فیاضی اور شفقت کا نہایت خوش گوار اثر پڑا۔ تیسری طرف ہادی کے دل میں اپنی ماں اور بھائی کی طرف سے جو شبہات تھے وہ زائل ہو گئے اور دونوں کو اپنا خیر طلب سمجھنے لگا۔

اس طرح خیزران کی سیاست نے ہادی کو اس کا نیاز مند بنا دیا اور وہ سارا اقتدار اپنی ماں کے حوالے کر کے سیر و شکار اور عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ اب خیزران کا محل عوام و خواص کا مرجع بن گیا۔ فوج کے سالار، انتظامیہ کے حکام۔ قبائل کے سردار ارا کین دربار۔ سائل اور مصیبت زدہ لوگوں کی بھیڑ اس کے محل کے دروازے پر لگی رہتی سلطنت کے تمام امور اس کے سامنے پیش ہوتے اور وہ ان کے متعلق نہایت عاقلانہ فیصلے کرتی لیکن افسوس یہ صورت حال زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی بمشکل چار ماہ گزرے تھے کہ ہادی کا دل سیر و شکار اور عیش و عشرت کی زندگی سے اکتا گیا اور وہ ملکی انتظام و انصرام کی جانب متوجہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اقتدار دو ہاتھوں میں آگیا ایک طرف خیزران اپنے مفادات اور اپنی منشاء کے مطابق کام کرنا چاہتی تھی دوسری طرف ہادی تھا جو حکومت کرنے کے جذبے سے سرشار تھا۔ جب وہ خیزران کے محل کے سامنے لوگوں کا اژدہام دیکھتا تو دل ہی دل میں کڑھتا اور خیال کرتا کہ میں تو نام کا خلیفہ ہوں اصل اقتدار میری ماں کے ہاتھ میں ہے۔

اسی دوران ایک بڑے عہدیدار کے تقرر کے سوال پر خیزران اور ہادی کے درمیان تنازعہ ہو گیا۔ اس موقعہ پر ہادی نے سختی اور جرأت سے کام لیا اور اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کا تقرر میری منشا کے مطابق ہو گا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر ہادی نے ایک تقریر کی جس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ اب آپ عمر کی اس منزل سے گزر رہی ہیں جب کہ گوشہ عافیت میں بیٹھ کر یاد الٰہی کرتے ہیں۔ چلتے وقت اس نے ماں کو بتایا کہ اگر آج کے بعد میں نے آپ کے دروازے پر امرائے سلطنت میں سے کسی

کو دیکھا تو بے دریغ اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اسی طرح اس نے امرائے دربار وارکین سلطنت کی سرزنش کی اور خیزران کے پاس ان کی آمد و رفت بند کر دی۔

اس کے بعد خیزران کا عمل دخل حکومت سے بالکل ختم ہوگیا اور وہ گوشہ گمنامی میں زندگی گزارنے لگی مگر اس کی گمنامی اور امور مملکت سے بے تعلقی کا زمانہ بہت مختصر ثابت ہوا یعنی صرف آٹھ ماہ کیونکہ کم و بیش ایک سال حکومت کرنے کے بعد ۱۷۰ھ میں ہادی کا انتقال ہوگیا اور مہدی کی وصیت کے مطابق ہارون خلیفہ ہوگیا۔

ہادی کے انتقال کے بعد خیزران کو پھر امور مملکت میں دخیل ہونے کا موقع مل گیا۔ ہارون الرشید نے خلیفہ ہوتے ہی سارے اختیارات ماں کے سپرد کر دیئے اس نے یحییٰ برمکی کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اسے ہدایت کر دی کہ جملہ امور میری والدہ کے مشورہ سے فیصل کیا کرو۔ چنانچہ یحییٰ اپنے بیٹوں فضل اور جعفر سے مشورہ کرتا اور پھر آخری فیصلے کے لئے کاغذات خیزران کے پاس بھیج دیتا۔ خیزران جو احکام جاری کرتی۔ یحییٰ ان پر دستخط کر دیتا۔ اب وہ عالم اسلام کی مطلق العنان فرمانروا تھی اور بڑی شان و شوکت سے حکومت کرتی تھی۔

مورخین نے اس کی شان و شوکت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت عالی شان محل میں رہتی تھی جو اس کے لئے خلیفہ مہدی نے بنوایا تھا اس محل کا نام "اساس" تھا اور وہ اس محل کے سب سے شاندار کمرہ میں پس پردہ دربار کرتی تھی دائیں بائیں بنو ہاشم کی معزز خواتین ہوتی تھیں پیچھے زرین کمر کنیزیں ننگی تلواریں لئے استادہ ہوتی تھیں۔ اراکین سلطنت،

عمائدین شہر، سرداران فوج اور ممالک غیر کے وفود اس کی خدمت میں باریاب ہوتے تھے ہر ایک کے ساتھ وہ نہایت شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ گفتگو کرتی ان کی عرضداشتیں سنتی اور مناسب احکام صادر کرتی۔ اس کی دولت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کی ذاتی آمدنی کا اندازہ سولہ کروڑ درہم سالانہ لگایا گیا ہے وہ دولت کو صرف جمع ہی کرنا نہ جانتی تھی۔ اس کی فیاضی مشہور تھی۔ غربا کے ساتھ ساتھ علماء اور شعرا پر بھی انعام واکرام کی بارش کرتی وہ محل سے باہر جب نکلتی تو اس کی شان وشوکت دیکھنے کے قابل ہوتی۔ آگے آگے منادی کرتے چلتے کہ امیر المومنین کی والدہ محترمہ کی سواری آرہی ہے۔ صدہا سوار اور پیدل سپاہی تلواریں ہوا میں لہراتے اس کے پیچھے ہوتے۔ لوگ دورویہ کھڑے ہوجاتے اور نگاہیں احترام سے جھک جاتیں وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے بڑی نیک تھی۔ اگر کبھی وقت کوئی سخت جملہ اس کے منہ سے نکل جاتا تو وہ فوراً اپنی اصلاح کرتی بلکہ حتی الامکان تلافی کی کوشش کرتی۔ افسوس کہ مصیبت کا زمانہ گزرنے کے بعد جب اقبال کے دن آئے تو خیزران کی عمر نے وفا نہ کی اور ہارون الرشید کی خلافت کے تیسرے سال جمادی الثانی ۱۷۳ھ کو اس بلند ہمت، بلند اختر اور دانشمند خاتون کا انتقال ہوگیا۔ خود ہارون الرشید جنازے کے ساتھ مسہری کا پایہ پکڑے ننگے پاؤں چل رہا تھا اور اس کی آنکھیں فرط غم سے اشکبار تھیں۔

زبیدہ خاتون

امۃ العزیز ملقب بہ زبیدہ خاتون۔ جعفر بن منصور عباسی کی بیٹی اور خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی کا نام ہے۔ یہ ہارون الرشید کی سب سے ممتاز اور پیاری بیوی تھی۔ ہارون کے اگرچہ چھ نکاح ہوئے تھے مگر شرافت نسب اور دیگر خصوصیات میں کوئی بیوی زبیدہ کے ہم پلہ نہ تھی کیونکہ زبیدہ کا چچا مہدی خلیفہ تھا۔ باپ کو اگرچہ خلافت میسر نہیں ہوئی مگر ابن خلیفہ ہونے سے کس کو انکار ہو سکتا ہے اور پھر جس کے ساتھ عقد ہوا وہ خلفائے عباسیہ میں واسطۃ العقد کا درجہ رکھتا ہے۔ زبیدہ ہنوز شیر خوار تھی کہ ۱۵۰ھ میں یتیم ہو گئی۔ جب یہ اپنی ماں کے ساتھ قصر خلافت بغداد میں داخل ہوئی تو ابو جعفر منصور نے پوتی کی پرورش شروع کی اور چونکہ یہ بچی نہایت خوبصورت اور نازک اندام تھی اس لئے پیار میں اس کا نام زبیدہ[1] رکھا جو اصلی نام (امۃ العزیز) پر غالب آگیا۔ سنہ ۱۶۵ھ میں زبیدہ کے چچا مہدی عباسی نے اپنے بیٹے ہارون الرشید سے عقد کر دیا۔ چنانچہ پانچ سال کے بعد یہ محترم خاتون جو پہلے بہو کی حیثیت رکھتی تھی اب ملکہ بن کر ہارون کی جان و مال کی مالک ہو گئی۔ یہ جوڑا باہمی محبت اور اطاعت شعاری میں فرد مانا جاتا ہے مگر باوجود چہیتی بیوی ہونے کے زبیدہ نے کبھی سیاسی امور میں دخل نہیں دیا۔ رشید کا محل سر گیتیا اور جا بجا کی کنیزوں کی بدولت راجہ اندر کا اکھاڑہ

---

[1] لغت عرب میں اس لڑکی کو کہتے ہیں جس سے متھ کر مکھن نکالا جاتا ہے۔

معلوم ہوتا تھا اور بعض کنیزیں رشید کی منظورِ نظر تھیں مگر زبیدہ نے کسی کو کبھی رشک کی نظر سے نہیں دیکھا اور رشید نے اس کی سرداری کو سب پر قائم رکھا۔ زبیدہ خاتون کی ولی عہد سلطنت (شاہزادہ امین الرشید) کی ماں ہونے کی حیثیت سے بھی خاص عظمت تھی۔ زبیدہ کے مصارف کے لئے بیت المال وقف تھا۔ مختصر یہ ہے کہ ہارون الرشید کی حیات میں ۲۸ برس تک زبیدہ نے بڑے عیش و آرام سے گزارے۔ جب ۱۹۱ھ میں ہارون کا انتقال ہوگیا تو بیٹے کی پناہ میں آگئی لیکن ۱۹۸ھ میں جب مامون الرشید اور امین الرشید میں تخت و تاج کے لئے خانہ جنگی ہوئی اور امین الرشید عین عالم شباب میں قتل ہوگیا تو زبیدہ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مامون اگرچہ زبیدہ کا سوتیلا بیٹا تھا مگر اس نے بھی زبیدہ کے ادب و احترام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور مصارف کے لئے بیت المال سے ایک گراں قدر رقم مقرر کردی۔

زبیدہ خاتون کی ایجاد پسند طبیعت نے نظام خانہ داری میں بہت سی اصلاحیں کیں اور زیب و زینت کے بہت سے سامان بڑھا دیئے۔ چنانچہ عنبر کی شمعیں اور جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجاد ہیں۔ چاندی، آبنوس اور صندل کے قبے سب سے پہلے زبیدہ خاتون نے تیار کرائے اور ان کو دیبا و سمور اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا۔ زنانے کپڑوں کی ساخت میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لئے ایک ایک تھان پچاس اشرفی میں تیار ہوا۔ یہ تو زبیدہ کے عیش و طرب کا حال تھا۔ اب اس کو مذہبی رنگ میں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ رابعہ بصری مصلے پر سجود ہیں حرم سرا میں ایک سو کنیزیں حافظ قرآن تھیں جن میں سے ہر ایک کو روزانہ دس پارہ

پارے سنانے پڑتے تھے۔ جب یہ کنیزیں تلاوت قرآن میں مصروف ہوتی تھیں تو معلوم ہوتا تھا کہ شہد کی مکھیاں گنگنا رہی ہیں۔

ابن جوزی کی روایت ہے کہ شہر مکہ میں پانی کا قحط رہتا تھا حج کے زمانہ میں ایک مشک پانچ روپیہ کو آتی تھی اس لئے زبیدہ نے پچاس لاکھ روپیہ صرف کر کے بارہ میل کے فاصلے سے ارض حجاز میں ایک نہر جاری کی۔ جس کے فیض سے ہر گھر میں چشمے بہنے لگے اس نہر کا نام "عین المامس" تھا جو اب نہر زبیدہ کے نام سے مشہور ہے اسی فیاض بیگم نے ستر سال کی عمر میں بروز شنبہ بہ ماہ جمادی الاولیٰ مقام بغداد ۲۱۵ھ / ۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ زبیدہ نے ۲۰۰ھ (عہد مامون الرشید) میں حج بیت اللہ کیا اور اس سفر میں نہر زبیدہ کے علاوہ دوسرے امور خیر میں سترہ لاکھ اشرفیاں خرچ کیں مکہ معظمہ کی طرح بیت المقدس کے راستہ میں بھی اس نے ایک نہر نکالی جو کوہ لبنان کے ایک چشمہ سے نکل کر بیروت اور وادی مکلس تک آتی ہے۔ عراق اور شام میں زبیدہ خاتون کی از قسم مساجد و رباط وغیرہ متعدد یادگاریں ہیں جو زبیدہ کے نام سے مشہور ہیں۔

شہزادی الکنزہ امویہ

خلیفہ الحکم کی بہن اور خلیفہ ہشام کی دختر نیک اختر علم و فضل میں یگانہ تھی اس کی شادی شہزادہ اصفا ابن عجم سے ہوئی۔ اصفا سے الحکم کسی بات پر بگڑ گئے۔ اس خاتون نے بھائی سے کہا۔ باہمی اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ بہن کو طلاق دلا کر پہلو میں بٹھالو اور تمام عمر میرے غم میں مبتلا رہو۔

الحکم نے یہ سن کر بھنوئی سے صفائی کرلی۔ الکنزہ خواتین بنی امیہ میں بلند پایہ رکھتی تھی۔ ۲۲۵ھ میں اس ملکہ نے وفات پائی۔

شہزادی عائشہ امویہ

شہزادہ احمد کی دختر تھی۔ اندلس کی مشہور شاعرات میں شمار تھا۔ آپ کا علمی دربار لگتا۔ اس کے سوا بے مثل خطیبہ تھی۔ آپ کا کلام تاریخ اندلس میں محفوظ ہے۔

شہزادی ولیدہ

خاندان موحدین کی چشم چراغ تھی۔ خوبی جمال، شاعری اور علم بلاغت و بیان میں شہرت تھی۔ علما کی مجلس اس کے یہاں اکثر شب جمعہ کو رہتی۔

اُم سعد

اُم سعد قرطبہ میں پیدا ہوئی۔ علمی گھرانہ سے تعلق رکھتی تھی۔ معاصر محدثین سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ بعد تحصیل حدیث خود درس حدیث دینے لگی۔

(سلاطین اندلس)

رابعۃ العدویہ

اسمٰعیل العدویہ کی دختر نیک اختر تھی۔ نہایت عابدہ و زاہدہ اور پاک طینت عورت تھی۔ امام ابوالقاسم القیشری اپنے ایک رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ رابعہ اکثر اوقات مناجات میں یہ کلمہ کہا کرتی تھی۔

"الٰہی دے کہ ترا دوست دارد آیا اورا در آتش مے سوزانی"

ایک مرتبہ اس کے کان میں اس کے اس حسرت بھرے جملہ کا یہ جواب سنائی دیا۔ "ظن بد مبر کہ پروردگار رحیم ایں کار نمی کند"

خلاصہ یہ کہ رابعہ دل کی صفائی اور کمالات نفس میں بہت سے لوگوں پر فوقیت رکھتی تھی۔ لوگوں نے اس کی صداقت، دیانت داری، حقائق عرفان اور شہود کی وجہ سے تاج الرجال کا لقب دیا تھا۔ زہد تقویٰ اور تقدس میں اتنی شہرت حاصل کی کہ ضرب المثل تھی۔ (نفحات)

اخت المزنی

یہ محدثہ خاتون ابوابراہیم المزنی کی بہن ہیں جو اصحاب شافعی میں تھے۔ کتاب "مختصر طبقات" میں لکھا ہے کہ اس نام کی بہت سی عورتیں علم فقہ میں کامل گزری ہیں اور ان میں سے اخت المزنی بھی ہیں۔ یہ وہ لائق و فائق عورت ہے جس نے زکات معدن کے مسئلہ میں امام شافعی کے فتوے کی اصلاح کی تھی اور اس میں ایک شرط اور بڑھائی تھی۔ یہ محدثہ

خاتون اکثر امام شافعی کی مجلس میں حاضر ہوتی تھی۔

حضرت نفیسہ

حسن بن زید کی صاحبزادی تھیں۔ مصر میں قیام تھا۔ محدثہ تھیں۔ حضرت امام شافعی نے مصر جاکر ان سے حدیث کی سند لی۔ ان کے شوہر کا نام اسحاق بن جعفر تھا۔ وفات آپ کی رمضان ۲۰۸ھ میں ہوئی۔ درب سباع میں دفن ہوئیں یہ قریہ مصر اور قاہرہ کے درمیان ہے۔

(سفینۃ الاولیا ص ۲۰۹)

حضرت فاطمہ نیشاپوری

عارفات سے تھیں۔ قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتیں۔ مکہ معظمہ کی مجاورت کی، بیت المقدس کی زیارت کی۔ حضرت شیخ بایزید بسطامی فرماتے تھے تمام عمر میں ایک مرد اور ایک عورت دیکھی۔ مردوں میں ذو النون مصری ہیں عورتوں میں فاطمہ تھیں۔ آپ کی وفات ۲۲۰ھ میں ہوئی۔

ملکہ زہرا

خلفائے اندلس میں عبدالرحمٰن ثالث بڑا صاحب اقتدار فرمانروا تھا اس کا عہد معدلت عہد زریں سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی ملکہ زہرا

تھی جو حسن و جمال کے علاوہ امور مملکت میں عبدالرحمٰن کو مفید مشورہ دیتی اس کی علمی لیاقت کی وجہ سے عبدالرحمٰن اس پر فدا تھا چنانچہ قصر زہرا اس کی خوشنودی کے لئے تعمیر کیا گیا۔ ۳۳۵ھ کے بعد اس محترم خاتون کی وفات ہوئی۔

حضرت اُم علیٰ

ابراہیم حربی کی صاحبزادی تھیں۔ عارفات کاملین میں شمار ہے۔
فقہ میں آپ کی ایک تصنیف ہے
آپ نے ماہ رجب ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔

حضرت میمونہ واعظہ

آپ کے والد کا نام شاقولہ تھا۔ یہ حافظ قرآن مجید تھیں۔ آپ کی وعظ کی مجلس میں کثرت سے لوگ شریک ہوتے تھے ۳۹۹ھ میں آپ نے وفات پائی۔ (سفینۃ الاولیا ص ۲۱۴)

حضرت امتہ السلام

والد کا نام قاضی ابو بکر بن کامل بن خلف تھا۔ صاحب درس تھیں۔ محمد بن اسمٰعیل بصلانی و تنوخی، زاہدی۔ ابو علا آپ کے تلامذہ سے تھے۔ رجب ۳۹۰ھ میں وفات پائی۔

فاطمہ بنت استاد ابو علی دقاق

یہ خاتون علوم شریعہ میں بلند پایۂ عالم اور عالی مرتبت محدث تھیں۔

آپ کے

بطن سے چند فرزند تھے۔ عبدالمنعم۔ ابوالنصر۔ عبدالرحیم۔ ابوسعد۔ ابوسعید ایک صاحبزادی امۃ الرحیم تھیں۔ ہر ایک بڑے عالم و محدث بنے۔ ابو علی دقاق کا انتقال ۴۱۲ھ میں ہوا۔

جناب فاطمہ صاحب درس تھیں۔ آپ کے درس کا ذکر حافظ الحدیث عبدالغافر نے کیا ہے۔ اسمٰعیل تھ آپ کے نواسہ تھے ابن خلکان نے آپ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے نانا امام قشیری اور اپنی نانی فاطمہ اور ماموں سے حدیث پڑھی اور سنی۔

امۃ الرحیم
بنت ابوالقاسم عبدالکریم

امۃ الرحیم بنت امام قشیری یہ اپنی والدہ اور والد کی شاگرد علوم شریعہ میں تھیں۔ اسمٰعیل بن عبدالغافر بن محمد الفارس سے منسوب تھیں جو علمائے عہد سے تھے۔ یہ خاتون بھی صاحب درس تھیں۔

(شرح رسالہ قشیریہ ص ۱۷)

حضرت ام محمد

شیخ ابی عبداللہ خفیف قدس سرہٗ کی والدہ تھیں۔ انہوں نے سفر حج میں رمضان کے مہینہ میں انوار شب قدر کی زیارت کی۔

(سفینۃ الاولیاص ۲۱۳)

حضرت ام محمد

محمد بن علی بن عبداللہ کی دختر نیک اختر تھیں۔ ابن سمعون کی صحبت سے فیض پایا۔ صدق وصلاح وزہد وورع میں بے نظیر تھیں۔ بعمر ۸۶ سال سنہ ۴۶۱ھ میں واصل بحق ہوئیں۔

بی بی سیدہ خدیجہ واعظہ

غوث الاعظم کے والد ماجد کی بہن تھیں۔ ایک سال جیلان میں قحط پڑا۔ اہل قریہ آپ کے پاس آکر طالب دعا ہوئے۔ آپ نے دعا کی۔ پانی خوب برسا۔ اس سال دوچند غلہ پیدا ہوا۔ ۴۷۵ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ اولیاج ۱ ص ۴۷۳)

بی بی فاطمہ واعظہ بنت حسین بن حسن

معاصر علماء سے اکتساب علم کیا۔ آپ ہمیشہ عبادت الٰہی میں مستغرق رہتیں۔
آپ کا روزانہ کا معمول تھا کہ اپنے مکان پر نساء عارفات کو جمع کر کے حدیث

کا درس فرماتیں۔ تذکرۃ النسا میں ہے کہ آپ نے ۵۲۱ھ میں وفات پائی۔

فاطمہ بنت نصر بن عطار

آپ بڑی عالمہ وفاضلہ تھیں۔ زہد وریاضت ومجاہدہ میں مقام بلند تھا۔ تاریخ اولیا میں ہے کہ ساری عمر میں تین دفعہ گھر سے باہر نکلی ہیں ورنہ تمام زندگی گوشہ میں گزار دی۔ ۵۶۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔

بی بی اولیا

اخبار الاخیار میں ہے یہ بڑی عابدہ خاتون تھیں۔ سلطان محمد تغلق ان کا معتقد تھا۔ ۶۵۵ھ میں واصل بحق ہوئیں۔

ام الفتح

یہ مشہور ومعروف محدثہ احمد بن کامل خلف بن شجرۃ بن منظور الشجری البغدادی کی لڑکی تھیں۔ علم حدیث میں ان کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ ان کا لقب ابنۃ السلام پڑ گیا۔ حدیث کی تعلیم سے انہوں نے ایک عرصہ دراز تک خلق اللہ کو فیض پہنچایا۔ کافی سن رسیدہ تھیں۔ ۶۰۰ھ میں راہی ملک بقا ہوئیں۔

بی بی مریم

حضرت بابا فرید شکر گنج رہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ اور بڑی عبادت گزار مستجاب الدعوات تھیں۔ ۶۴۲ھ میں ان کا وصال ہوا۔

بی فاطمہ سام

بڑی عبادت گزار بی بی تھیں۔ یہ خاتون حضرت نظام الدین اولیا کی ہم عصر تھیں۔ اخبار الاخیار میں ہے حضرت سلطان المشائخ نے آپ کو دیکھا تھا اور نیک بختی کی تعریف کی تھی۔

۶۲۵ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

(تاریخ الاولیاص ۹۲)

بی بی سارہ

حضرت شیخ نظام الدین ابوالموئد کی والدہ ماجدہ بڑی بزرگ عارفہ تھیں۔ عبادت میں شب و روز مشغول رہتیں۔ دلی میں بارش ایک سال نہ ہوئی۔ اہل دلی شیخ کے پاس آئے کہ دعا کیجئے کہ قحط سے ہمیں نجات ملے۔ آپ اپنی والدہ کا کرتہ بغل میں لے کر میدان میں آئے اور دعا مانگی الٰہی بحرمت اس کپڑے کے جو دامن ایک ضعیفہ کا ہے۔ جس پر نامحرم کی آنکھ نہیں پڑی مینہ برسا۔ اسی وقت بادل نمودار ہوئے اور خوب بارش ہوئی۔

۶۳۸ھ میں اس بزرگ خاتون نے انتقال کیا۔

بی بی زلیخا

والدہ محترمہ حضرت نظام الدین اولیا۔ بڑی عابدہ زاہدہ تھیں آپ جو دعا کرتیں اللہ قبول فرماتا۔ جمادی الآخر ۶۴۵ھ میں واصل بحق ہوئیں۔

ام عاصم

آپ کا نام ایجلونہ تھا۔ راذرق والی اسپین کی بیوہ تھی۔ یہ عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر کے عقد میں آگئی۔ عبدالعزیز بڑے عبادت گزار اور مجاہد تھے یہ ظاہرہ مسلمان تھی مگر باطن میں عیسویت سے لگاؤ رکھتی تھی ۹۶ھ میں عبدالعزیز قتل کر دیئے گئے۔ یہ بھی کچھ عرصہ بعد دنیا سے رخصت ہو گئی۔

(سلاطین اندلس)

اسماء بنت محمد

یہ جلیل القدر محدثہ محمد بن صصری کی دختر نیک اختر تھیں جو اعیان دمشق سے تھے۔ یہ ۶۲۳ھ کے آخر میں پیدا ہوئی تھیں انہوں نے برمکی ابن ملاق محدث سے کئی حدیث کی کتابیں پڑھی تھیں اور اس کے بعد کئی بار ان کا درس بھی دیا تھا۔ انہوں نے مدت تک اپنی شادی نہیں کی۔ خدا کی اس نیک بندی کے وجود باجود سے دنیا کو بہت فیض اور برکتیں حاصل ہوئی تھیں۔ یہ بڑی خیرات کرنے والی تھیں۔ بارہا زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئی تھیں۔ ان کے بطن سے شریف محمد ابن اسماء جو اپنے زمانہ کے ایک مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بھائی قاضی القضاۃ مولانا نجم الدین شافعی تھے جنہوں نے ان کی وفات سے دس سال قبل قضا کی۔ ان عالم کے زمانہ میں مشاہیر رواۃ حدیث سے کوئی بھی ان سے زیادہ معمر نہ تھا۔ ابن وردی مشہور عربی شاعر نے اسماء بنت محمد کی مدح میں اشعار کہے تھے۔

ان کا انتقال ۳۳ھ ذی الحجہ میں ہوا تھا۔

رقیہؒ

اس محدثہ کے پدر بزرگوار محمد بن علی بن وھب القشیریہ تھے۔ یہ عورت مصر کی رہنے والی تھی اور یہیں اس نے حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ یہ خدا کی نیک بندی خیر، صلاح۔ تقویٰ۔ علم اور فضل میں مشہور تھی۔ تاریخ وفات ۱۴؍شعبان ۷۴۱ھ ہے۔ اس نام کی تین اور محدث عورتیں یعنی رقیہ بنت محمد الثعلبی، رقیہ بنت التجانی۔ رقیہ بنت القاری تھیں۔

ام ہانی مریم

یہ مشہور و معروف محدثہ شیخ نورالدین بن ابو الحسن علی بن قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالمومن الھورینی الشافعی کی لڑکی تھیں۔ ان کا ایک لڑکا تھا جو اپنے وقت کا علامہ تھا۔ اس کا نام علامہ سیف الدین حنفی تھا۔ شعبان کے مہینے ۷۷۸ھ میں پیدا ہوئی تھیں اور ۹۳ برس زندہ رہ کر شب شنبہ سلخ ماہ صفر ۸۷۱ھ کو انتقال ہوا۔ اس ذہین عورت نے قرآن مجید یہ کتاب ملحہ منظومہ جو نحو میں ہے اور فقہ شافعی کی کتاب مختصر ابی شجاع کو حفظ یاد کیا تھا۔ ان کے نانا فخرالدین القایانی نے ان کو سات برس کی عمر سے تعلیم دی تھی انھوں نے اپنے زمانہ کے مشاہیر محدثین سے احادیث اور مسائل فقہ سماعت کئے تھے پھر انھوں نے امام سیوطی کو علم حدیث کی تعلیم دی۔ امام سیوطی نے اپنی کتاب المنجم فی المعجم میں ام ہانی مریم۔ ام ہانی فہم اور ام ہانی بنت ابوالفوارس کا ذکر کیا ہے۔

رابعہ

یہ ایک محدثہ تھیں۔ ان کا ذکر حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کا انتقال ۸۸۳ھ میں ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رابعہ ابن حجر عسقلانی کی لڑکی تھیں جو ۸۱۵ھ میں بمقام مکہ معظمہ شیخ زین الدین الباسی مشہور محدث کے حلقہ درس میں حاضر ہوتی تھیں۔ بہت سے محدثین مصر و شام سے انہوں نے اجازہ لیا تھا اور شیخ الشیوخ محب الدین ابن الاشغر نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ رابعہ شعر بھی کہتی تھیں۔

رجب بنت القلیجے

یہ لائق محدثہ شہاب الدین احمد القلیجے کی لڑکی اور جلال الدین سیوطی کی استاد تھیں۔ اپنی دادی سارہ بنت شیخ تقی الدین السبکی سے انہوں نے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ ان کی پیدائش ۸۰۰ھ اور وفات ۸۶۹ھ میں واقع ہوئی تھی۔

آمنہ محلی

یہ لائق و فائق محدثہ شرف الدین موسیٰ بن احمد بن محمد بن محمد الانصاری کی دختر نیک اختر تھیں۔ ان کے والد بزرگوار اپنے زمانہ کے مشہور و معروف عالم تھے اور خود ان کا شمار اپنے عہد کی نامی گرامی محدثین میں تھا۔ امام جلال الدین سیوطی نے علم حدیث میں ان سے اکثر درس لیا تھا۔

آمنہ کی علمی قابلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ امام سیوطی جیسے ایک جید عالم کی معلمہ تھیں۔ امام سیوطی آمنہ کی بہت قدر کیا کرتے تھے اور اپنی معلمہ پر ان کو ناز تھا اور اکثر بڑے فخر سے ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ بلاد مصر کا ایک محلہ جہاں جلال الدین محلی پیدا ہوئے تھے انہی لائق خاتون کے نام سے مشہور ہے۔

آسیہ

یہ محدث عورت جاراللہ بن صالح بن ابی المنصور کی لڑکی تھیں۔ جو ۷۹۰ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ امام سیوطی نے علم حدیث کی فضیلت کی پگڑی انہیں کے پاک ہاتھوں سے اپنے سر پر باندھی تھی۔

آمنہ خاتون بنت شرف الدین سے امام سیوطی نے جستہ جستہ علم حدیث کے سبق پڑھے۔ مگر ان سے کامل محدث بنے تھے۔ کسی نے صحیح کہا ہے۔

اچھی ماں کے پیٹ سے اچھا ہی لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

قاضی مکہ جمال محمد ابن الضیا انہیں لائق محدثہ کے فرزند ارجمند تھے۔

آمنہ بنت علی

اس محدث عورت کے باپ علی بن عبدالعزیز دمشقی تھے۔ وہ اسماء بنت صفران۔ عبداللہ ابن النایب اور دوسرے محدثین کے جلسوں میں شریک ہوتیں اور علم حدیث پڑھا کرتی تھیں اور خود بھی علم حدیث کی تعلیم دیتی تھیں۔ ابن حجر نے اپنی تصنیفات میں اس محدثہ کا ذکر کیا ہے۔ ۷۹۵ھ میں اس عورت کا انتقال ہوا اور اپنے بعد اپنا جیسا ہمعصر

کوئی نہ چھوڑا۔

آغا ملک

یہ لائق محدثہ ابراہیم ابن خلیل ابن محمود کی لڑکی تھیں اور شیخ جمال الدین ابن الشرہجی کی بہن تھیں۔ یہ فاضل عورت ابن حجر عسقلانی کی ہمعصر تھیں جن کے پاس وہ اکثر ملاقات کے لئے آتی جاتیں اور علم حدیث میں بڑے شد مد کے ساتھ بحث مباحثہ کرتی تھیں۔ ان کا سال وفات ۸۵۰ھ ہے۔

آنی فاطمہ خانم

دارالسعادۃ اسلامبول کی رہنے والی تھیں۔ نہایت مشہور و معروف خاندان کی رکن تھیں۔ خواجہ سعدالدین حسن جانی صاحب تاج التواریخ کی اولاد میں ہیں ان کی شادی امیر آغا کے ساتھ ہوئی تھی۔ جو اسلامبول کا ایک شہزادہ تھا اس کا انتقال ۱۱۲۳ھ میں ہوا۔ اس کا ایک لڑکا آغا امیرزادہ تھا۔ آنی فاطمہ خانم ایک تعلیم یافتہ عورت تھی۔ ترکی زبان میں اس کا ایک کامل دیوان مسمی عثمانی موجود ہے۔

امۃ الخالق

مشہور و معروف محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ۸۱۲ھ ولادت بیان کیا جاتا ہے۔ ان کے والد عبداللطیف ابن صداقہ ابن عوض المنادی العقبی ہیں۔ یہ مجلس درس مولانا جمال الدین حنبلی میں حاضر ہوتی تھیں اور مسند احمد اور معجم صغیر طبرانی پڑھتی تھیں اور سیرۃ ابن ہشام سے بھی علم حاصل کیا

تھا۔ اکثر محدثین نے ان کو فتوے کی اجازت دی تھی۔ کتاب الفیہ بن مالک اور منہاج العابدین ان کو ازبر تھیں۔ ان کتابوں کو انہوں نے خود دیکھا بھی تھا۔ اکثر اساتذہ محدثین نے انہی سے روایتیں نقل کی ہیں۔ ان کی عمر ایک سو سات برس تھی۔ بن ۹۲۰ھ ماہ ذیقعدہ میں اس لائق محدثہ نے اس جہان فانی سے رحلت کی۔ امۃ الخالق کی سب سے زیادہ بزرگی یہ تھی کہ وہ امام سیوطی کی استانی تھیں اور ان سے انہوں نے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ امام صاحب نے ان کا ذکر کتاب منجم میں کیا ہے۔

ام الخیر البغدادیہ

یہ یکتائے عصر محدثہ جمال النساء کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ بغداد کی رہنے والی تھیں۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے متبحر اور مشہور و معروف عالموں سے جو علم و فضل میں کمال رکھتے تھے اور جو درس و تدریس کے ذریعہ طالبان علم کو فائدہ پہنچاتے۔ ابن البطی و ابو المظفر الکاغذی اور شجاع الحربی کو دیکھا تھا اور ان سے علم حدیث حاصل کیا تھا اس کے بعد انہوں نے خود بھی تعلیم و اشاعت حدیث میں سعی بلیغ کی تھی۔

اکابر محدثین مثلاً اسمٰعیل بن عساکر، قاضی تقی الدین سلیمان ابن سعد، ابن شحنہ فاطمہ بنت سلیمان اور دیگر علمائے متبحرین نے اس عورت سے اجازت حاصل کی تھی۔ علم و فضل کے علاوہ یہ زہد و ورع میں بھی کامل تھیں۔ وہ کئی بار حج کو گئی تھیں۔ بن ۶۴۰ھ میں راہی سفر آخرت ہوئیں۔

ام ہانی بنت فہد

اس لائق محدثہ کے والد حافظ تقی الدین بن محمد بن فہد الہاشمی تھے ان کو علم حدیث میں اس قدر کمال حاصل تھا کہ علامہ سیوطی ان کی شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ ذیقعد ۸۰۰ھ میں پنجشنبہ کے روز پیدا ہوئی تھیں۔ انتقال کا حال معلوم نہیں۔

اسماء بنت عبداللہ

یہ عورت قبیلہ بنی عذرہ میں تھی جو نہایت فصیحہ تھی اس کی کہی ہوئی ایک ضرب المثل تمام عرب میں مشہور ہے۔ اس کی دو شادیاں ہوئی تھیں اس کے پہلے شوہر کا نام عروس تھا۔ وہ بھی قبیلہ عذرہ سے تھا یہ شخص نہایت خوبصورت تھا لیکن اس کی عمر نے وفا نہ کی اور جلد ہی وفات پا گیا۔

اسماء بنت عبداللہ ایام عدت گزار کر دوسرے نکاح پر آمادہ ہو گئی۔ بد قسمتی سے دوسرا شوہر نہایت کریہ المنظر اور بد شکل تھا اور وہ اس سے ناخوش رہتی تھی۔ یہ شوہر جب اس کو اپنے گھر لے چلا تو اسماء نے کہا کہ مجھے اپنے مرحوم شوہر کی قبر پر گریہ وزاری کرنے کی اجازت دے۔ جب اس کے شوہر نے اجازت دی تو اس نے پہلے شوہر عروس کی قبر پر اس طرح گریہ وزاری کی کہ سننے والوں کے دل دہل گئے۔ اس کی زبان پر یہ جملے تھے۔

میں تجھ پر گریہ وزاری کرتی ہوں اے عروسوں کے عروس

اے وہ شخص کہ تو رحم کرنے کے وقت نہایت رحم دل حلیم اور

بردبار تھا اور لڑائی کے وقت تیری شباہت مثل شیر کے تھی اور

تجھ میں ایک ایسی صفت تھی کہ دوسرے لوگ اس سے محروم تھے۔"

اس کا شوہر ایک طرف کھڑا ہوا تھا اس آخری کلمہ پر چونک پڑا اور اپنی بی بی سے کہنے لگا کہ عروس میں وہ کونسی ایسی صفات تھیں جن کو تو دوسروں میں نہیں دیکھتی۔ اس رونے والی نے کہا۔

"تو وقت پڑھنے پر ذرا بھی تسامح اور تغافل نہ کرتا تھا۔ بلکہ شمشیر اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور اپنے دشمن کے مقابلہ سے نہ ہٹتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اسماء نے یہ اشعار پڑھے۔

اے میرے پیارے عروس تیری پیشانی نہایت درخشاں تھی۔ تیرا خلق نہایت پاکیزہ تھا اور تجھ میں وہ محاسن حمیدہ تھے کہ جن کو میں اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتی۔

اس کے موجودہ شوہر نے کہا کہ عروس کے ان صفات کو بیان کر جو اس میں موجود تھے لیکن زبان پر نہیں آسکتے۔ اسماء نے اس کے جواب میں کہا۔

عروس مرحوم بُرے افعال سے پرہیز کرتا تھا
اس کے جسم سے نہایت عمدہ خوشبو آتی تھی
اس کے دہن سے بدبو نہیں آتی تھی جو دوسروں کے منہ سے آتی ہے۔

اس کا موجودہ شوہر سمجھ گیا کہ یہ آخری شعر میرے اوپر حملہ ہے کیوں کہ یہ گندہ دہن تھا۔ اب دونوں میاں بیوی یہاں سے روانہ ہوئے۔ مگر اسماء نے اپنا عطردان یہیں چھوڑ دیا۔ شوہر نے اس کا سبب دریافت کیا کہ تو نے اپنا عطردان یہاں کیوں چھوڑا۔ اسماء نے اس کا جواب دیا کہ

"لا عِطر بعد عروس"

یعنی "عروس کے بعد کوئی دوسرا عطر نہیں استعمال کرنا چاہیے"۔ عربی کا یہ جملہ تمام عرب میں ایک ضرب المثل بن گیا اور اب اس طرح استعمال ہوتا ہے۔

"لا مخباء لعطر بعد عروس"

"نہیں ہے قدر عطر کی بعد عروسی کے"۔

اسماء بنت یزید الانصاریہ

اس عورت کے باپ کا نام یزید بن السکن الاشہلی تھا۔ یہ حضرت صحابہؓ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ خاتون بھی صحابیہ تھیں ان کی فصاحت کی تمام عرب میں شہرت تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فصاحت پر تعجب کیا تھا۔ ایک دفعہ یہ عورت پیغمبر اسلام کے پاس حاضر ہوئی اور خدمت بابرکت میں عرض کیا کہ میں اپنی تمام ہم جنسوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ اس عورت نے اپنی عرض داشت اس طرح بیان کی۔

"اے پیغمبرؐ آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔ میں اپنی ہم جنس عورتوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں آپ کو خدائے عزوجل نے تمام مردوں اور عورتوں پر مبعوث کیا ہے۔ اور ہم سب آپ کی رسالت اور خدا کی وحدانیت پر ایمان لائے ہیں۔ اے پیغمبرؐ ہم سب عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ ہم سے لڑکے بالے پیدا ہوتے ہیں اور آپ لوگ مسجدوں میں جاکر نماز پڑھتے ہیں۔ بیماروں کی

عبادت کرتے ہیں۔ بار بار حج کرتے ہیں۔ خدا کی راہ میں جہاد
کرتے ہیں آپ لوگ یہ کام کرتے ہیں تو ہم آپ کے اموال کی
حفاظت کرتے ہیں۔ آپ کے لباس کے واسطے سوت کاتتے
ہیں۔ اولاد کی نگہداشت اور تربیت کرتے ہیں۔ اس صورت میں
ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ عمل خیر کی جزا میں شریک ہیں یا نہیں"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگوں نے کبھی ایسی
عمدہ فصیح گفتگو کسی شخص کی سُنی ہے؟

صحابہ نے جواب دیا کہ ہم نے کبھی ایسی گفتگو کسی عورت کی نہیں سنی۔
اس کے بعد حضورؐ نے اسماءؓ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ
اے عورت تو اپنے ہمجنسوں سے کہہ دے کہ اگر تم لوگ اپنے
شوہروں کو خوش رکھو گی تو تم کو تمام اعمال خیر کی جزا ملے گی
جن کو تو نے ابھی اپنی زبان سے بیان کیا ہے"

اسماء بنت شمس الدین

اس کا باپ بہت بڑا محدث گزرا ہے۔ اسی کے لڑکے کا نام شیخ تقی الدین
تھا۔ ابن حجر عسقلانی سے پانچ سال قبل ۸۴۲ھ پیدا ہوئی تھی۔ اس
کے پہلے شوہر کا نام رملی تھا۔ اس کے مرنے کے بعد علاؤ الدین مقریزی
کے ساتھ نکاح کیا یہ عورت فاضل اجل اور عابدہ زاہدہ متقی تھی اس کی ایک
بہن تھی جس کا نام امۃ الرحیم تھا۔

اسماء العامریّہ

اندلس کے ایک شہر اشبیلیہ کی رہنے والی تھی اس کے قبیلہ کا نام آل بنی عامر تھا یہ عورت کامل تعلیم یافتہ تھی۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی خوشنویس تھی۔ نظم ونثر دونوں میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ ایک نہایت طول طویل قصیدہ اپنے امور خانہ داری کے سلسلہ میں لکھا تھا۔ (سلاطین اندلس)

اسماء عبرت

یہ عورت اسلامبول کی رہنے والی تھی اس کے باپ کا نام احمد تھا۔ اس کے شوہر کا نام محمود جلال الدین تھا جو خوشنویسی میں مشہور ومعروف تھا۔ اسماء عبرت نے خوشنویسی میں اپنے شوہر سے زیادہ مہارت حاصل کی تھی۔ اس نے خود اپنے شوہر سے اس فن کو سیکھا تھا۔ جلال الدین نے بھی خطاطی کے تمام نکات اس کو سکھا دیئے تھے۔ جلال الدین اپنے نام کے ساتھ اپنی بی بی کا نام بھی لکھا کرتا تھا۔ خطوط ممتاز میں اس کے ہاتھ کے بہت سے خط لکھے ہوئے ہیں۔ ابن کثیر نے اس طرح کی گیارہ عورتیں گنائی ہیں:

امتہ اللہ

یہ ایک اسلامبولی عورت تھی۔ ادب میں اس کو کامل دستگاہ حاصل تھی۔ الٰہیات میں اس کو پورا دخل تھا۔ ۱۰۵۲ھ کے قریب اس کی پیدائش کا سال بیان کیا جاتا ہے کیونکہ سلطان محمد خاں رابع کی ہم عصر تھی اس کے باپ کا نام قاضی زادہ تھا۔ اس نے ۶۳ سال کی عمر پائی اور ۱۱۱۵ھ میں اس کا

انتقال ہوا تھا۔ ترکی زبان میں اس کا ایک پورا دیوان موجود ہے جو صدقی امتہ اللہ کے نام سے مشہور ہے۔ صدقی تخلص کرتی تھی۔

ام رعلتہ القشیریہ

یہ عورت نہایت فصیح اور موزوں طبیعت کی تھی۔ اس کی خوش بیانی بہت مشہور تھی۔ امام مستغفری نے اس کو صحابیہ لکھا ہے۔ آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد یہ عورت حسنین علیہما السلام کو گود میں لئے مدینہ کی گلیوں میں پھرا کرتی تھی اور بہت رویا کرتی تھی۔ ایک دفعہ دونوں بچوں کو گود میں لئے حضرت فاطمہؓ کے گھر میں شعر پڑھتی ہوئی داخل ہوئی جو اس نے خود کہے تھے۔ (حور المقصورات)

ام زینب فاطمہ

باپ کا نام عباس تھا۔ بغداد کی رہنے والی تھی۔ علم فقہ میں کامل دستگاہ رکھتی تھی۔ یہ اپنے وعظ و پند سے لوگوں کو مستفید کیا کرتی تھی۔ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھی۔ مصری اور دمشقی عورتیں اس سے استفادہ کرنے کے لئے حاضر ہوا کرتی تھیں۔ ۷۴۱ھ میں اس کا انتقال خاص بغداد میں ہوا۔

بلّویہ

اس کے شوہر کا نام آمر باحکام اللہ تھا۔ جو خلفائے فاطمی سے تھا اور مصر میں حکومت کرتا تھا۔ اس کے شوہر نے ایک عالیشان قصر جس کا

نام ہودج تھا۔ رودنیل پر تیار کرایا تھا۔ اس کی طبیعت تنگ مکانات سے گھبراتی تھی۔ ہمیشہ فراخی اور وسعت پسند طبیعت ہی یہ چاہتی کہ کھلا میدان ہو اور اس میں ایک عالیشان عمارت جس کو نہریں اور آبشار چاروں طرف سے گھیرے ہوں۔ صباحت اور ملاحت قدرتی طور پر اس کو عطا ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اس نے رودنیل کے قصر میں جو ہودج کے نام سے موسوم تھا رہنا اختیار کیا چونکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی اس لئے فصاحت اور بلاغت میں بھی اس کو حصہ وافر ملا تھا۔ شعر خوب کہتی تھی۔

تحفہ عربیہ

یہ عورت عارف باللہ تھی اور ہمیشہ عشق حقیقی میں بے خود رہا کرتی تھی۔ نفحات الانس میں اس عورت کا تذکرہ ہوا ہے یہ عورت اپنے عشق حقیقی کی بے خودی میں آہ وزاری کیا کرتی تھی۔ کھانا پینا بالکل ترک کردیا تھا۔ گھر کے لوگ اکثر اس سے بیزار اور پریشان رہا کرتے تھے۔ آخرکار اس کو مجنون سمجھ کر پاگل خانہ میں بھیج دیا۔ حضرت سری سقطی جو ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں انہوں نے اس کو پاگل خانہ سے نکلوایا۔ یہ عورت بہت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی۔ پاگل خانہ میں اس نے بہت سے اشعار لکھے تھے۔

جانان بیگم

عبدالرحیم خانخاناں کی لڑکی تھی۔ علم و فضل میں اس کو خاص درجہ حاصل تھا۔ بہت سے علوم سے واقف تھی۔ اس نیک بخت اور سعادت منم

عورت نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی تھی۔ جہانگیر نے اس کے ظاہری اور باطنی حسن کی تعریف سن کر اس سے نکاح کی درخواست کی۔ اس باعصمت عورت نے اپنے گیسو کاٹ کر اور دانت توڑ کر جہانگیر کے پاس بھجوا دیئے۔ جہانگیر نے اس کی اس حرکت کو عفت کی دلیل سمجھا اور بہت تعریف کی۔

(اثر رحیمی)

جمیلہ

ناصر الدولہ جو ملوک بنی حمدان سے تھا اس کی دختر نیک اختر تھی۔ اس عورت کی جود و سخا کی بہت تعریف کی جاتی ہے۔ ۳۶۶ھ جب کہ بیت اللہ شریف کی زیارت کو گئی تھی اس وقت اس نے بہت سی نیکیاں اپنے لئے جمع کر لی تھیں۔ اس سال جتنے حاجی حج کرنے گئے تھے ان سب کو شربت پلایا۔ خانہ کعبہ کے لئے دو ہزار دینار نذر کئے۔ تین ہزار غلاموں کو آزاد کیا۔ پانچ سو پیادوں کو حلے عطا کئے بہر حال اسی قدر عطیات وافر عنایت کئے کہ ام جعفر زبیدہ کا سفر حج لوگ بھول گئے اور زبیدہ کی جگہ جود و سخا میں جمیلہ کا نام مشہور ہو گیا۔

جبیبہ

زین الدین عبد الرحمٰن ابن الامام جمال الدین ابی بکر محمد بن ابراہیم بن احمد بن عبد الرحمٰن بن اسمٰعیل بن المنثور المقدسی کی دختر نیک اختر تھیں ان کا شمار محدثات میں کیا گیا ہے۔ کسی زمانے میں یہ محدثہ خاتون ام عبد الرحمٰن جبیبہ کے نام سے مشہور تھیں، اسناد حدیث اور تعداد روایت میں ید طولیٰ تھا۔ ذہانت کے ساتھ حافظہ بھی عجیب و غریب تھا۔ شیخ تقی الدین عبد الرحمٰن

اور خطیب مروان علم حدیث میں اس محدثہ کے استاد تھے اور مختلف علوم کو ابراہیم بن خلیل سے حاصل کیا تھا۔ سبط حافظ سلفی جو اسکندریہ کے مشہور و معروف محدث تھے اور دیگر علما مثل ابراہیم ابی بکر الزعبی و فضل اللہ ین عبدالرزاق وغیرہ نے جو بغداد کے رہنے والے تھے، علم حدیث کی اجازت دی تھی۔ عام طور سے یہ خاتون عصمت اور عفت میں مشہور تھی۔ ۷۳۰ھ میں انتقال ہوا صلاح الدین صفدی نے جو ۷۶۳ھ میں ایک مورخ گزرا ہے اس عورت کا حال اپنی کتاب عنوان النصر میں لکھا ہے۔ ایضاً

خدیجہ بنت القیم

اس عورت کا لقب امتہ العزیز تھا۔ بغداد کی رہنے والی تھی۔ اس کے باپ کا نام حمام تھا۔ اس کے باپ نے جب یہ دیکھا کہ لڑکی کو تحصیل علم کا شوق ہے تو اس نے تعلیمی سہولتیں اس کے واسطے فراہم کر دیں۔ صرف تحریر اور تجوید کا کام خود اپنے ذمہ لے لیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں خدیجہ نے تحصیل علم کر لیا۔ یہ عورت اکثر عورتوں کو جمع کر کے ان میں وعظ کہا کرتی تھی۔ پھر یہ سلسلہ ترک کر کے عزلت نشینی اختیار کر لی۔ خدیجہ نے بغداد میں ابن شیرزای سے علم حاصل کیا تھا۔ مصر میں علی بن مختار العامری اور ابن الخمیری سے کسب علم کیا تھا۔ دمشق اور تبوک میں علم حدیث حاصل کیا۔ ادبیات میں یہ عورت منفرد شمار ہوتی تھی۔ مقامات حریری کا اکثر درس دیا کرتی تھی۔ ۶۰۸ھ میں اس کی ولادت اور ۶۹۰ھ میں وفات ہوئی۔ (حور المقصورات

خدیجہ

احمد بن الظبیا کی لڑکی تھی اس کے زمانے کے لوگ اس کو متبحر عالم خیال کرتے تھے۔ اس کی لڑکی بھی محدثہ تھی۔ اس کے لڑکے کا نام زین الدین عمر البابی تھا جو ابن حجر کا استاد تھا۔ اس عورت کا انتقال ۷۷۴ھ میں ہوا تھا۔

دلشاد

فتح علی شاہ۔ شاہ فارس کی بی بی تھی۔ یہ عورت بہت بڑی بلیغہ تھی۔ طبیعت میں موزونیت تھی۔ اس کا ایک شعر بہت مشہور ہے۔

طاعات منکران محبت قبول نیست
صد بار اگر بہ چشمہ زمزم وضو کنند

رشحہ کاشانی

اس عورت کا دوسرا نام بیگم تھا۔ باپ کا نام ہاتف کاشانی تھا۔ میرزا علی اکبر متخلص بہ نظری کی بی بی تھیں۔ مرزا احمد المتخلص بہ کشتہ کی ماں تھیں۔ نہایت سخن سنج خوش گو اور قادر الکلام شاعرہ تھی۔ اس کا ایک دیوان موجود ہے۔ جس میں تین ہزار اشعار ہیں۔

بی بی رابعہ

حضرت شیخ حمید بندہ شیخ احمد عبد الحق ردولوی کی صاحب زادی تھیں اور حضرت شیخ سلیم کی زوجہ تھیں۔ باپ کی تعلیم و تربیت نے ان کو

مثل رابعہ بصری بنادیا تھا۔ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتیں حتیٰ کہ شوہر کو سلوک کے منازل طے کروائے۔ (بحرزخار ص ۱۲)

ملکہ شجرۃ الدرّ

جن خاتون کے حالات لکھے جا رہے ہیں وہ تاریخ مصر ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام میں بھی قابل صد ستائش ہے نہ صرف مصر کی نسوانی تاریخ بلکہ ساری اسلامی دنیا کی نسوانی تاریخ اس پر فخر کر سکتی ہے کہ اس کی ایک ناتوان ناقص العقل فرد کے نازک کندھوں نے دولت اسلامیہ کا مقدس بوجھ اٹھا کر دنیا کو دکھا دیا کہ ایک کمزور عورت مردوں کی طرح تمام سلطنت کی تنظیمی، سیاسی و مذہبی امور بجا لاسکتی ہے۔

شجرۃ الدر یورپین نسل سے تھی اور خاندان ایوبی کے آخری بادشاہ سلطان نجم الدین عادل ایوبی کی قابل ناز محبوب بیگم تھی۔ العادل نہایت سخی انصاف پسند رعایا پرور فرمانروا تھا۔ اس کے بے لاگ فیصلے، سیاسی لاینحل پیچیدہ مسائل کا حل نیز ممالک غیر میں اس کی عظمت و وقار کا باعث دراصل شجرۃ الدر تھی اور ان تمام امور کی محرک و موید بلکہ العادل کی دست راست تھی۔

۱۲۳۰ء میں العادل کا انتقال ہوا تو اس کا جانشین توران شاہ اپنے شامی مقبوضات کی سیاحت کے لئے گیا ہوا تھا۔ ملکہ نے عادل کی خبر موت کو مخفی رکھا۔ تمام اطبا معالج شاہی بغرض علاج قصر سلطانی میں آئے۔ ملکہ سے مزاج کی حالت سنتے، نسخے اور دوا دے جاتے۔ خاصہ شاہی تیار ہو کر سلطان کے کمرے میں جاتا تھا۔ تمام عرائض پر سلطان کے دستخط

ہوتے تھے۔ ملکہ نے نہایت ہوشیاری سے سلطان کے خادم خاص سہیل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہی سہیل عرائض پر دستخط کر دیا کرتا تھا کیونکہ اس کی تحریر ہو بہو بادشاہ کی تحریر تھی۔

شاہ فرانس لوئی نے اسی زمانہ میں اپنی ۵۰ ہزار فوج سے جس میں ۱۵ ہزار رضا کاران، انگلستان، فرانس اور جرمنی بھی شامل تھے یکایک ساحل دمیاط پر اتار کر مقام منصورہ پر بے خبر اسلامی فوج پر اچانک حملہ کر دیا۔ جس کی رہبری اسلامی غدار ملک ہمون نے کی تھی۔ بے چارہ اسلامی جنرل فخر الدین حمام میں مصروف غسل تھا کہ وہیں شہید کر دیا گیا۔ عساکر اسلامی اپنے بہادر جنرل کو شہید دیکھ کر بری طرح پسپا ہوئی۔ عیسائی فوج ملک مصر پر بڑھنے لگی۔ ملکہ شجرۃ الدر کو جب یہ وحشتناک خبر پہنچی تو اس وقت اس کی خود نہایت نازک حالت تھی۔ ایک طرف مردہ شوہر کی لاش چھپائے ہوئے تھی اور دوسری طرف توران شاہ بھی ابھی نہ آیا تھا۔ اس نازک وقت میں ملکہ نے جس استقلال ثابت قدمی جرأت و بہادری سے ان تمام مشکلات و مصائب کا مقابلہ کیا تھا اس کی مثال شاذ ہی ملیگی۔

ملکہ نے فی الفور دس ہزار سواروں کو فرانسیسی دغا بازوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جنہوں نے پہنچ کر شاہ فرانس کی فوج کو اس بری طرح شکست فاش دی کہ اس میں سے ایک بھی نہ بچ سکا۔ تمام عیسائی فوج ملکہ شجرۃ الدر کی چمکتی دمکتی تلواروں کی پیاس بجھانے میں مصروف ہو گئی شاہ فرانس اور اس کی ملکہ گرفتار کر کے مصر لائے گئے۔

اسی دوران میں توران شاہ پائے تخت مصر پہنچ چکا تھا۔ سلطان عادل کی موت ظاہر کر دی گئی۔ نہایت عزت و وقار کے ساتھ سلطان کی

تجہیز و تکفین کی گئی۔ توران کو تخت نشین کیا گیا۔ توران شاہ نے ساحل بحر روم پر فرانسیسی فوج اور فرانسیسی جنگی بیڑے کی ناکہ بندی خوب کی۔ نیز ایک نہایت خوں ریز بحری جنگ بھی فرانس اور مصری فوج میں ہوئی۔ جس میں ۳۰ ہزار فرانسیسی قتل ہوئے۔

سلطان توران صرف دو مہینے چند دن حکومت کرسکا لیکن ان چند ہی دنوں میں توران شاہ نے اتنی سخت گیری کی کہ رعایا تنگ آگئی آخر مجبور اً رعایا نے بلوہ کر کے اس کو قتل کر ڈالا اور ملکہ شجرۃ الدر کو تخت حکومت پیش کیا گیا۔ نہایت تزک و احتشام سے شجرۃ الدر المستقم الصالحۃ الملکتہ المسلمین والدۃ الملک المنصور خلیل امیر المومنین کے معزز ممتاز پر وقار لقب سے ملقب ہو کر تخت سلطنت مصر پر جلوہ گر ہوئی۔

جس جگہ زلیخا کی ذہانت کا ڈنکا بجا تھا، جہاں کلیو پٹرا اپنے حسن جہاں سوز اور کمال فراست لئے ایک جہاں سے خراج تحسین وصول کر چکی تھی اسی جگہ ملکہ شجرۃ الدر مثل اپنی جنسوں رضیہ سلطانہ، چاند بی بی، نور جہاں، زبیدہ خاتون کے بطرح عدل گستری رعایا پروری انصاف پسندی سے محبوب ملکہ بن گئی جس کی ایک جنبش نوک قلم پر سلطنت مصر کا تغیر و تبدل قائم تھا۔ جس کے خوبصورت ماتھے کی ایک نازک سی شکن معزز سے معزز ہستیوں کو دار فنا تک پہنچانے کے لئے کافی تھی۔ فرانس سے بیس ہزار روپیہ تاوان جنگ لے کر ملکہ نے شاہ فرانس کو رہا کر دیا۔ اس روپیہ سے ملکی اور فوجی ضروریات پوری کیں یہ صرف اس کی سلطنتی زندگی تھی۔ اس کی مذہبی زندگی اس سے کہیں زیادہ درخشاں اور قابل رشک تھی اب بھی اس کی الفت مذہبی کی زبردست دلیل محمل کعبہ ہے۔

اس نے نہایت جوش عقیدت مذہبی سے حج کعبۃ اللہ زیارت دیار رسول اللہ صلعم کی تھی. اس مقدس سرزمین پر اس کی داد دہش اس کے راسخ ایمان ہونے کی عمدہ دلیل تھی. جب یہ واپس اپنے دارالخلافہ پہنچی تو اس کا دل مثل سابق الفت وجدانی سے پُر تھا. اپنے اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کی یاد میں اس نے اسی قسم کی محمل میں جس میں حج کے لئے گئی تھی۔ غلاف کعبہ اور بہت سے بیش بہا تحائف روانہ کرنے لگی. یہ مذہبی رسم عوام و خواص مصر میں اتنی مقبول ہوئی کہ مدت دراز تک مصر سے غلاف کعبہ جاتا رہا۔

اس امر پر نسوانی دنیا کو بجا فخر و ناز ہونا چاہیئے کہ ایک ملکہ نے حجاز مقدس کی سرزمین میں جو آج کی آب رسانی کے لئے نہر زبیدہ جاری کرائی دوسری عالی مرتبت خاتون نے کعبہ کو غلاف روانہ کرکے اپنی مذہبی عقیدت کا ثبوت دے کر اپنے لئے دین و دنیا میں بقائے دوام کا شہرہ حاصل کیا۔

جب سلطان ابن سعود نے حجاز مقدس پر تسلط کیا تو مصری بینڈ باجے پر مصری اور حجازی فوج میں جھگڑا ہو گیا۔ اس جھگڑے کی وجہ سے محمل شریف مصر سے جانا بند ہو گیا۔

خلیفہ المعتصم باللہ عباسی نے ملکہ کو لکھا کہ ابھی تم جوان ہو اور سلطنت کے بار گراں کو صرف تمہاری ایک نازک ہستی کافی نہیں ہے. لہذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ عزالدین ایبک سپہ سالار اعظم عساکر مصر کے ساتھ عقد کر لو اور اس کو اپنی بجائے تخت مصر پر ممتاز کرو۔

شجرۃ الدر خلیفہ کا حکم بجا لائی۔ ایوبی خاندان بہت کمزور ہو چکا تھا۔ خلیفہ کا اس خاندان پر کچھ رعب نہ تھا اس لئے ملکہ کو بھی مجبوراً خلیفہ کا حکم

ماننا پڑا۔ عزیز الدین ایبک سے عقد نکاح کر لیا۔ گو کہ عزیز الدین ایبک ملازم تھا مگر مساوات اسلامی میں مملوک و حُر کا ایک ہی درجہ تھا۔ یہی شخص اسلامی عساکر کا نہایت محبوب ہر دلعزیز سپہ سالار اعظم بن گیا۔ جب اس نے شجرۃ الدر سے نکاح کیا تو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا۔ المعز کے لقب سے تخت مصر پر قدم رکھا۔ گو کہ شجرۃ الدر تخت و تاج شوہر کے لئے چھوڑ چکی تھی۔ مگر یہ عہدہ برائے نام تھا۔ کوئی امیر سلطنت بلا مرضی شجرۃ الدر مقرر نہیں ہو سکتا تھا صرف فرامین پر دستخط المعز کے ہوتے تھے۔ چند ہی دنوں میں المعز کو ملکہ کی شرکت ناگوار ہونے لگی۔ المعز ایک سپہ سالار تھا۔ شاہانہ خوبیاں اس میں کم تھیں۔ ملکہ شجرۃ الدر سلطنت کے چھوٹے سے چھوٹے امر میں شاہی شان کی جھلک دیکھنا چاہتی تھی۔ سلطنت بھی شوہر کو اسی کی بخشی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ دونوں کے دل غبار و کدورت سے پُر ہونے لگے المعز نے دربار خلافت بغداد میں چارہ جوئی کے لئے فریاد کی۔ اب دونوں طرف اعلانیہ جنگ ہو گئی المعز نے ملکہ کو جلانے کے لئے گورنر موصل کی لڑکی "لولو" سے نکاح کر کے قلعہ سے باہر ایک پُر فضا جگہ سکونت اختیار کر لی۔ شجرۃ الدر کے ہاں آمد ترک کر دی۔

شجرۃ الدر بھی بڑی چالاک عورت تھی، عورت جب حد درجہ مجبور ہو جاتی ہے تو اُس کا انتقام نہایت خوفناک ہوتا ہے۔ شجرۃ الدر نے اپنے شوہر کو نہایت عاجزی انکساری خوشامد سے اپنے محل میں بلایا۔ المعز چوگان وغیرہ کھیلتا رہا۔ شام کو تھکا ہارا ملکہ کے ہاں پہنچا۔ ملکہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ حمام تیار تھا پھر دن بھر کی تکان دور کرنے کے لئے المعز کو حمام پہنچایا گیا جہاں دو حمامی ملازمین نے مار دھاڑ شروع کر دی۔ شجرۃ الدر ایک

گوشہ سے اپنے احکام کی تعمیل دیکھ رہی تھی۔ آخر تھی عورت اس کے دل میں رحم وکرم کا دریا جوش مارنے لگا۔ حمام میں پہنچ کر ملازمین کو مارپیٹ سے منع کیا تو ان دونوں نے کہا ملکہ اگر یہ یہاں سے زندہ بچا تو آپ کو اور ہم دونوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ آخر ان دونوں نے المعز کا خاتمہ کر دیا۔

المعز کی موت کی خبر سن کر تمام فوج پھر گئی قلعہ میں گھس کر شجرۃ الدر کو گرفتار کر لیا اور المعز کی پہلی مطلقہ بیوی کے بیٹے علی کو تخت نشین کیا۔ علی نے باپ کے انتقام میں شجرۃ الدر کو کوڑوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور اس کی لاش پھینک دی۔ چند مسلمانوں نے اس کی لاش اٹھا کر اس کی تعمیر کردہ مسجد میں دفن کر دی۔ اس طرح اس باکمال، شجاع، دلیر، فضیلہ وفہیم مہ جبین ملکہ کا نہایت دردانگیز انجام ہوا۔ صنف قوی نے جس طرح رضیہ سلطانہ چاند بی بی، نور جہاں وغیرہ کی زندگیوں کو خاک میں ملا دیا اور فنا کر دیا۔ اسی طرح شجرۃ الدر کو المعز کے نکاح میں آکر تلخ ترین تجربہ اٹھا کر زندگی سے نہایت بے عزتی کے ساتھ ہاتھ دھونا پڑا۔ اگر ملکہ مجبور نہ کی جاتی تو وہ المعز سے نکاح نہ کرتی المعز بدستور سپہ سالار تھا تو ملکہ بھی آزادی سے سلطنت کرتی اپنے زمانہ کی کیا بلکہ تمام اسلامی تاریخ کی نہایت باکمال بے مثل ملکہ ثابت ہوتی اس کی ایجاد واختراع سے دنیا بہت کچھ فائدہ اٹھاتی جب اس کی غیور طبیعت کو المعز کے نکاح ثانی سے ایک زبردست دھکا لگا تو ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح المعز سے انتقام لیا۔ اس کی مشہور ایجادوں میں ایک باجہ بھی ہے جس کا نام اس نے اپنے بیٹے الخلیل کے نام پر خلیلیہ رکھا۔

نامورِ خواتین اندلس

اندلس میں جب مسلمانوں کا دور دورہ تھا۔ بڑے بڑے صاحب کمال لوگ خطہ اندلس میں پیدا ہوئے۔ حکیم ابن رشد، ابن طفیل، ابن زہیر سے حکما پیدا ہوئے۔ قرطبہ دار الخلافہ تھا جہاں عظیم الشان یونیورسٹی تھی۔ اس دار العلوم سے عالی مرتبہ فاضل نکلے۔ ابن خطیب قرطبی جن کے متعلق تذکرہ نویس لکھتے ہیں۔

علم ما بعد الطبیعہ، تاریخ، طب وغیرہ کے متعلق گیارہ سو تالیف و تصانیف اس کی تھیں۔

ابن حزم کے متعلق اخبار الاندلس میں لکھا ہے کہ اس حکیم نے فلسفہ اور فقہ پر چار سو پچاس کتابیں تحریر کیں۔ غرض کے اس قسم کے فضلاء ارض اندلس سے کثرت سے پیدا ہوئے۔ ایسے ہی بلند مرتبہ خواتین قرطبہ کی تھیں۔ خلافت ہسپانیہ میں لکھا ہے کہ اندلس میں فرقۂ اناث کو ہی عظمت حاصل تھی۔ خلفائے بنی امیہ اندلس کے خاندان میں بڑی فاضلہ خواتین گزری ہیں۔ شہزادہ احمد کی صاحبزادی عائشہ نظم میں صاحب کمال تھی۔ اس کے علاوہ وہ فصیح و بلیغ بھی تھی۔

خاندان موحدین کی شہزادی ولیدہ بڑی حسین خاتون تھی۔ شاعری اور علم بلاغت و بیان میں اس کے ہمعصر شعرا اس کے مقابل آتے ہوئے جھجکتے تھے۔ دربار علمی منعقد ہوتا۔ عظم المرتبت علما فضلا خطیب جمع ہوتے۔ ولیدہ اکثر صدر محفل میں جگہ پاتی۔

قرطبہ میں اُم سعد کی شہرت تھی جس کے درسِ حدیث میں بڑے بڑے علما شریک ہوا کرتے۔ اس خاتون کی معاصر لبانہ تھی جو عالی خاندان سے تھی۔ لبانہ نے علم ہندسہ میں بڑا کمال حاصل کیا تھا۔ الجبرا اور مساحت کے نہایت پیچیدہ سوالات وہ باتوں باتوں میں حل کر دیتی تھی۔ الحکم ثانی نے اس خاتون کو اپنا پرائیوٹ سکریٹری مقرر کیا تھا۔

امراء کے خاندان کے علاوہ غربا میں ان سے بڑھ کر تعلیم یافتہ خواتین تھیں۔ حمدا نامی جو دار لحمہ کا رہنے والا کتب فروش تھا۔ اس کی بیٹیاں علم و فضل میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔

ابن عباد اپنی تصنیف تحفۃ القدیم میں لکھتا ہے "باوجود حسن و عصمت و دولت کے نامی علماء کی مجلس میں شریک ہوتیں"۔

ایک معمولی خاندان کی خاتون حفصہ تھی۔ جس نے خوشنویسی میں وہ کمال پیدا کیا کہ اس کی خطاطی کے نمونے زینت عجائب خانہ تھے۔

ایسی ہی بیسیوں ذی علم اور نامور خواتین قرطبہ، غرناطہ، اشبیلہ وغیرہ میں خلفائے ہسپانیہ کے عہد میں گزری ہیں۔ (ماخوذ)

تاریخ اندلس کا ایک ورق

اگرچہ وہ تمام ممالک جہاں مسلمانوں کا آفتاب اقبال چمکا، تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے لیکن اندلس کی تہذیب اور اس کا تمدن سب میں ممتاز رہا۔ چنانچہ غرناطہ و قرطبہ کی بے نظیر عمارتیں ایک قسم کی زندہ شہادت ہے۔ یورپ اپنی تہذیب و تمدنی ترقیوں میں سب سے زیادہ اندلس ہی

کا ممنون احسان ہے۔ اس ملک میں اسلامی حکومت ۷۸۰ سال ۷۱۱ء سے ۱۴۹۱ء تک رہی۔ اس دور میں مسلمانان اندلس نے علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں جس سرعت کے ساتھ ترقی کی تھی اس کی نظیر دیگر اقوام میں نہیں ملتی۔

اندلس کی خواتین محترم مجالس علمی و ادبی میں مردوں کے برابر عملی حصہ لیتی تھیں اور غالباً اسی ترقی نسواں کی وجہ سے تمام جزیرہ نما میں کوئی بھی ناخواندہ متنفس نظر نہ آتا تھا۔

دارالسلطنت اشبیلیہ کی مشہور تفریح گاہ میدان ابیض میں دریائے وادی الکبیر کے کنارہ کنارہ امیر المسلمین المعتضد باللہ کا چشم و چراغ ابوالقاسم محمد بن عباد ولیعہد سلطنت اپنے وزیر خلوت ابن عماد اور ایک ناظر کے ساتھ بھیس بدلے ہوئے سیر کر رہا تھا اور شہر شلب کے حالات اور صوبہ الغرب کی فتوحات کا تذکرہ فخر و مباہات سے کرتا جاتا تھا۔ شام کا وقت ہے آفتاب کی شعاعیں دریا کی لہروں سے بغل گیر ہو رہی ہیں سبک ہوا چل رہی ہے اور سطح آب پر ہلکا تموج پیدا ہو گیا ہے۔ ابوالقاسم ایک زبردست شاعر تھا اور گو گیارہ سال کی عمر میں شہر شلب کی تسخیر پر سالار اعظم مامور کر کے بھیجا گیا تھا لیکن فتح کے بعد سالہا سال تک زانوئے ادب علمائے اشبیلیہ و قرطبہ کے سامنے تہہ کرتا رہا یہاں تک کہ اپنے عہد کے ممتاز شعراء و اُدباء میں اس کا شمار ہونے لگا۔ خوش قسمتی سے اس کا وزیر خلوت ابن عمار بھی ویسا ہی بدیہہ گو شاعر اور لطیفہ سنج تھا اور اگرچہ خلقی طور پر وہ خاموش اور افسردہ خاطر واقع ہوا تھا لیکن مضمون آفرینی میں اسکو یہ کمال تھا کہ جس وقت کوئی شعر موزوں

کرتا تو معلوم ہوتا کہ موتی جھڑ رہے ہیں۔ ابو القاسم نے وادی الکبیر میں ہلکی تموج کو دیکھ کر ایک فی البدیہہ مصرع موزوں کیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"نسیم کے نیچے سطح آب جوشنی بن گئی ہے۔"

اور ابن عمار کی طرف پڑھ کر متمنی ہوا کہ دوسرے مصرع میں وہ اپنی جودت طبع کا اظہار کرے۔ ابن عمار کی طبیعت اس وقت حاضر نہ تھی مضمون سوچنے میں دیر ہوئی۔ ابو القاسم نے پھر اس مصرع کو دہرایا اتنے میں قریب سے ایک آواز آئی۔

("یہ تنک شاندار جوشنی ہے لیکن منجمد ہوئی)

ابو القاسم اور ابن عمار اس بے نظیر بدیہہ گوئی پر پھڑک گئے۔ گردن اٹھا کر دیکھا تو سامنے کی جھاڑی سے ایک نوخیز حسین بے باک لڑکی خچر پر سوار جا رہی تھی۔ ابو القاسم نے اس کو اور اس نے اس کو دیکھا دونوں رُک گئے۔

ابو القاسم نے پوچھا "اے نیک بخت لڑکی تیرا کیا نام ہے؟"

اس نے کہا "اعتماد نام ہے مگر لوگ رمیقیہ کہتے ہیں۔"

ابن عمار۔ "اچھا تو تمہارا تعلق خاندان غبطشہ سے ہے الفوطیہ کی پوتی ہو۔"

اعتماد۔ "کبھی تھی تو مگر اب

در جہاں مثل چراغ لالۂ صحرا ستم
نے نصیبِ محفلے نے قسمت کاشانۂ

ابو القاسم۔ "تم یہاں کیا کرنے آئی تھیں۔

اعتماد۔" اپنے گدھے گھیرنے آئی تھی۔

ابوالقاسم۔ تمہاری شادی ہوگئی ہے!

اعتماد۔ جی نہیں۔

ابوالقاسم۔ کیوں؟

اعتماد۔ اس لئے کہ کوئی معتمد نہیں ملا۔

(۲)

اشبیلیہ کے ایوان القصر میں ابوالقاسم اپنے خلوت کدہ میں مصروف بزم طرب ہے۔ زمان ولیعہدی ختم ہو چکا ہے اور وہ اس وقت مسند شاہی پر جلوہ آرا ہے اور خلیفہ المعتمد کے نام سے اسی کا خطبہ پڑھا جا رہا ہے۔ اعتماد اس کی حرم محترم ہے اور جزیرہ نما اندلس میں سیدہ کبریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت اس خلوت گاہ ناز میں بجز چند خواتین اور خواجہ سراؤں کے اور کوئی نہیں ہے۔ ایک جھروکہ سے المعتمد کے چہرہ پر دھوپ آتی ہے۔ اعتماد کی ایک حاضر باش خادمہ اعتماد کا اشارہ پاتے ہی اس طرح کھڑی ہو گئی کہ خلیفہ وقت کا رُخ انور دھوپ سے ماند نہ ہونے پائے۔ المعتمد اس مزاج دانی پر بجائے ادائگی شکریہ کے یہ اشعار موزوں کرتا ہے۔

"وہ اس لئے کھڑی ہوئی ہے کہ اس کا قد آفتاب کی ضیا کو میری آنکھ سے روک دے اور وہ اغیار کی نگاہ سے محفوظ رہے۔ قسم ہے تمہاری جان کی کہ وہ جانتی ہے کہ وہ خود چاند ہے اور سوائے چاند کی صورت کے آفتاب کو کون پوشیدہ کر سکتا ہے۔"

سیدہ کبریٰ محظوظ ہو جاتی ہے کہ اس کی ایک ہم جلیس وحاضر باش

کی خدمت کی داد خلیفہ وقت اس طرح دیتا ہے۔ محفل جمی ہوئی ہے۔ المعتمد نشہ جوانی میں چور ہے۔ زبان پر چیدہ کلام جاری ہے۔ اعتماد اپنے دست نازک سے تازہ خوشہائے انگور کا جو وادی حلیقہ سے آئے ہیں شربت بنا کر پیش کرتی ہے۔ یکایک مطلع مکدر ہو جاتا ہے۔ فلک نیلگوں پر ابر چھا جاتا ہے اور بجلی کوندنے لگتی ہے۔ اعتماد جام بلوریں ہاتھ میں لے کر سہم جاتی ہے اور المعتمد برجستہ یہ اشعار سناتا ہے۔

"وہ بجلی سے جل گئی حالانکہ اس کے ہاتھ میں برق شراب ہے۔
مجھے تعجب ہے کہ وہ خود آفتاب چاشت ہو کر بھی روشنی سے
ڈرتی ہے۔"

پانی برس کر کھل جاتا ہے اور اعتماد و معتمد گھوڑوں پر سوار ہو کر ہواخوری کو نکلتے ہیں چند گوالیں پائنچے اٹھا کر برہنہ پا کیچڑ میں چپ چپ کرتی گاتی گھر کو واپس جا رہی ہیں۔ اعتماد کو اپنا زمانہ یاد آجاتا ہے۔ جب وہ خچر چرایا کرتی تھی۔ امیر المسلمین سے کہتی ہے کہ "میں بھی کیچڑ میں چلوں گی۔" خلیفہ منع کرتا ہے اور وہ روٹھ جاتی ہے۔ بالآخر معتمد "القصر" کے درباری کمرہ میں اعتماد کے لئے ہزارہا من برادہ صندل، اگر، عود عنبر اور خوشبوئیں منگوا کر عرق گلاب میں سان کر گارہ بنواتا ہے اور اعتماد سے عرض کرتا ہے کہ "چلنے شوق پورا کیجئے۔" بلقیس زماں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گھٹنوں تک پائنچے اٹھا کر مستانہ وار گاتی بجاتی ہے اور خوب خوش ہوتی ہے۔

عرصے کے بعد اندلس کے شیریں خسرو میں شکر رنجی ہو جاتی ہے۔ اعتماد روٹھ جاتی ہے۔ بادشاہ مناتا ہے لیکن وہ نہیں مانتی اور طعنہ دیتی ہے کہ "مجھے تمہارے ہاں کبھی آرام نہیں ملا۔ تم نے میری کوئی بات کبھی پوری

نہ کی" معتمد چپکے سے مسکرا کر کہتا ہے۔ ولا یوم الطین (اور گارہ کا دن یاد نہیں)۔ سیدہ کبریٰ جھینپ جاتی ہے اور زیر لب خندہ کر کے خاموش ہو جاتی ہے۔

فروری کا مہینہ ہے اور خلیفہ وقت مع اعتماد کے قرطبہ کے قصر "الزہرا" میں فروکش ہے۔ شام کا وقت ہے اتفاق سے ہلکے ہلکے لکہ ہائے برف خلاف معمول جبل عروس کے درختوں پر گر رہے ہیں اور جب پتوں سے برف کے چھوٹے چھوٹے ورق زمین پر مثل ابرک گرتے ہیں تو آنکھوں کو سرور ہوتا ہے۔ رمیقیہ امیر المسلمین سے کہتی ہے "کہ اچھا سماں ہے کاش یہ برف ہمیشہ اس موسم میں گرتا رہے"۔

خلیفہ وقت علماء نباتات و طبیعات سے مشورہ لے کر حکم دیتا ہے کہ جہاں تک نظر کام کر سکے اس پہاڑ پر بادام بو دیئے جائیں جن کے سفید پھول فروری میں مثل لکہ ہائے برف گرتے ہیں۔ انجیر، انار اور شفتالو کے درخت جو الزہرا کی تعمیل ارشاد میں خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے نصب کرائے تھے سب قلم کر دیئے جاتے ہیں اور جبل عروس نخلستان بادام ہو جاتا ہے۔

(۳)

اندلس میں انقلاب عظیم ہو رہا ہے۔ یوسف تاشقین نصاریٰ کے خلاف امیر المسلمین کی امداد کے لئے افواج کثیر فراہم کرتا ہے اور فتح زلاقہ کے بعد خود امارت اشبیلیہ غصب کر کے بادشاہ وقت کو جلاوطنی کا حکم دیتا ہے۔ معتمد اس بے سروسامانی سے اندلس کو الوداع کہتا ہے کہ بجز ۳۶۰ دینار سرخ (ایک دینار سات روپیہ) کے جن کو وہ جوتے کے تلے میں چھپا سکا اور کوئی چیز نہ لے سکا۔ اعتماد سے اپنی لڑکیوں اور پور زادہ فخر الدولہ ابن السراج کے ایک جہاز میں سوار ہو کر آبنائے طارق کو عبور کر کے ہمیشہ

کے لئے خاک اندلس کو خیرباد کہتا ہے۔ ساحل طنجہ پر قدم رکھتے ہی حصری نابینا شاعر سابق فرمانروائے اندلس کی ہمدردی میں چند اشعار عرض کرتا ہے اور معتمد ۳۶ دینار سرخ جن کی حفاظت میں اس کے پیر زخمی ہو گئے تھے اور جن پر اسی وقت خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے اپنے تلے سے نکال کر شاعر کے نذر کرتا ہے اور معذرت کرتا ہے کہ اس کے سوا ایک حبہ بھی اس کے پاس نہیں ہے۔

یوسف تاشقین کے حکم سے یہ خانماں برباد مراقش کے قریب اغمات نامی قریہ میں پابہ زنجیر کر کے نظر بند کیا جاتا ہے اس کی لڑکیاں اور بیوی شاہی امداد مطلقاً بند ہونے کے سبب سے چرخہ کات کر گزر اوقات کرتی ہیں۔ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ سیدہ کبریٰ کے ادنیٰ اشارہ پر خزائن سلطنت حاضر ہوا کرتے تھے اور آج انقلاب دہر سے وہ ایک روا کے لئے محتاج ہے۔

"زمانہ کا بُرا ہو اس نے کیا کیا جب کبھی اس نے کوئی عمدہ چیز دی ضرور چھین لی"

لیکن اس زمانہ فلاکت میں بھی شاہانہ علو حوصلگی اور عزو وقار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ نہ کسی کے سامنے دست طلب دراز کیا اگر کسی ہمدرد نے یوسف تاشقین کے خوف کے باوجود امداد کی جرأت بھی کی تو جب تک یہ یقین نہ ہو جاتا کہ دینے والے کو کچھ حذر نہ پہنچے گا وہ ہرگز قبول نہ کرتے تھے بلکہ شرف قبولیت بھی اسی خیال سے بخشا جاتا تھا کہ انکار سے معطی کے دل کو صدمہ نہ پہنچے۔

پور زادہ فخر الدولہ زرگری میں ہوشیار تھا اور محنت مزدوری سے

شکم پروری کرتا تھا چنانچہ اس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی نقرئی ڈبیہ اب تک عجائب خانہ مادرد میں محفوظ ہے۔

معتمد کی ایک لڑکی شبنیہ نامی جو خلع سلطنت کے وقت القصر سے نکل نہ سکی تھی۔ ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت ہوئی اور جب اس نے خلوت کا ارادہ کیا تو شاہی خون جوش میں آگیا تن کر بولی کہ " میں بے شک تیری زرخرید غلام ہوں مگر اپنی اولاد کو غلام دیکھنا نہیں چاہتی۔ گو والدین جلا وطن ہیں مگر جب تک وہ اجازت نہ دیں گے میں تجھ کو اپنا زوج نہیں بنا سکتی۔ بالآخر سوداگر اور شبنیہ دونوں جداگانہ خطوط بھیجتے ہیں اور معتمد و اعتماد کی تحریری اجازت پر قاضی شہر نکاح پڑھ کر دونوں کے اتحاد کو مستحکم کرتا ہے۔

جلاوطنی کے چار سال بعد ۱۰۹۵ء میں بعمر ۵۵ سال معتمد کا انتقال ہوا اور اعتماد کی بغل میں جو اس سے قبل داعی اجل کو لبیک کہہ چکی تھی اور جس کی قبر جبل اغمات کے قریب ایک مرغزار میں تیار کرائی گئی تھی۔ خاندان ابو عباد کا آخری فرمانروا ابوالقاسم محمد ابن عباد المعروف بہ المعتمد علی اللہ الظافر بحول اللہ امیر المسلمین سلطنت اشبیلیہ سپرد خاک ہوا۔

مرنے سے کچھ پہلے اس نے چند اشعار نظم کر کے وصیت کی تھی کہ لوح مزار پر کندہ کرا دیئے جائیں۔ جن میں سے دو شعر اس کی حسرت و بیکسی کو کس قدر دردناک طریقہ سے ظاہر کر رہے ہیں۔ (ترجمہ)

" اے مسافر کی قبر خدا کرے کہ تجھ کو صبح و شام کے ابر سیراب کریں۔ اس حق کی بنا پر کہ تو ابن عباد کے جسم پر حاوی ہے اور خدا کرے کہ تیرے اندر مدفون شخص پر ہمیشہ ہمیشہ خدا کی بے شمار نعمتیں نازل ہوتی رہیں۔

گردش زمانہ دیکھو کہ نماز جنازہ کے لئے آس پاس کے گاؤں کے مسلمانوں کو یہ کہہ کر طلب کیا کہ "ایک غریب مسافر کی نماز جنازہ میں شرکت کیجئے" اور جب سترھویں صدی کے ایک زبردست مورخ نے فاتحہ پڑھنے کی غرض سے تلمسان سے اقصائے مغرب کا سفر کیا تو اغمات میں اس کی قبر کا نام و نشان بتانے والا بہ مشکل دستیاب ہو سکا۔

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

سیدہ کبریٰ نے ۱۰۸۵ء میں اشبیلیہ میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو سترھویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کے اخراج پر کلیسائے جان پلما کے نام سے مبدل ہو گئی اور جہاں اب بجائے تکبیر کے تثلیث کا جرس سنائی دیتا ہے۔ مسجد کا کتبہ بنیاد جو سیدہ کبریٰ کے نام سے منارہ پر نصب تھا وہ وہاں سے اتار کر عجائب خانہ اشبیلیہ میں بھیج دیا گیا ہے۔ سیدہ کبریٰ کا بڑا لڑکا عبداللہ ابن حسن الرشید سخاوت و مہمان نوازی میں حاتم وقت تھا اس کا اجڑا ہوا محل جہاں ہزارہا غربا و مساکین کو ہر جمعرات کھانا کھلایا جاتا تھا اسی کلیسا کے پاس اب بھی موجود ہے اور ہر جمعرات کو اب بھی غربا کا مجمع کثیر اس کے قریب ہو جاتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ معتمد کے زمانہ میں دعوت ہوا کرتی تھی اور اب اس محل کے زیر سایہ گدڑی بھرتی ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار (ماخوذ)

-ـــ-

اُندلس کی آخری ملکہ الیشلونہ

خلیفہ ولید بن عبدالملک فرماں روائے دمشق کے زمانہ میں جس کا عہد خلافت دس سال من ابتدائے سنہ ۸۶ھ لغایت سنہ ۹۶ھ رہا ہے۔ ملک اندلس دو غلامان اسلام طارق و موسیٰ کے زور بازو سے تقریباً دو سال کی خفیف مدت میں تمام و کمال فتح ہوگیا۔ لیکن نفاق و حسد نے ان دونوں کو تباہ کر دیا۔ یہ حیرت ناک فتوحات حساد کی آنکھوں میں اُس وقت تک کھٹکتی رہیں جب تک کہ دونوں کے خاندان کا نام و نشان باقی رہا۔

موسیٰ و طارق فتح اندلس کے بعد دمشق طلب کئے گئے جہاں دونوں مغلوب ہوئے۔ خلیفہ ولید کے بعد بعہد خلیفہ سلیمان موسیٰ کے تینوں فرزند عبداللہ گورنر قیروان (طونس) عبدالملک گورنر طنجہ (مراقش) اور عبدالعزیز گورنر اشبیلیہ (اندلس) صفحہ دنیا سے نیست و نابود ہو گئے۔ عبدالعزیز اندلس کا پہلا وائسرائے تھا (والی) تھا۔ جس نے دو سال تک گورنری کر کے آخر ماہ ذی الحجہ سنہ ۹۷ھ میں خلیفہ سلیمان کے حکم سے شہادت پائی۔ اسی امیر نے اندلس کے آخری نصرانی بادشاہ لزریق کی بیوہ الیشلونہ سے شادی کی تھی جس کا واقعہ درج ذیل ہے۔

(۱)

مورخین اندلس بیان کرتے ہیں کہ مغرب اقصیٰ کی ایک بڑی شہزادی ایک روز صبح کو دریا کی سیر کے لئے بجرہ پر سوار ہو کر بحر زقاق (خلیج جبرالٹر) کو روانہ ہوئی۔ موسم خوش گوار تھا۔ خنک ہوا چل رہی تھی۔ سمندر میں تموج

بہت کم تھا۔ شہزادی نے کشتی میں قدم رکھا۔ خدام نے بسم اللہ مجریہا کہا۔ اصنام ہرقل[1] میں سے جبل منّا نے الوداع کہا اور خاک یورپ کی کلپی نے دور سے مرحبا و خوش آمدید کا نعرہ بلند کیا۔ شہزادی نے ڈوری سنبھالی۔ ملاحوں نے بادبان کھولے اور کشتی موجوں سے اٹھکیلیاں کرتی ہوئی رواں دواں ہوئی۔ حلقہ بگوشان دولت نے خدا حافظ کہہ کر شہزادی کو رخصت کیا اور اگرچہ کشتی نظروں سے اوجھل ہوتی جاتی تھی۔ تاہم خیر سگالان دولت ٹکٹکی باندھے کشتی کو دیکھ رہے تھے۔ جو دلکش انداز کے ساتھ پیچ در پیچ تموج سے بغل گیر ہوتی ہوئی بحیرہ روم کی طرف جا رہی تھی۔ کشتی ابھی ۵۔۶ میل گئی ہو گی کہ ہوا میں تیزی پیدا ہو گئی پانی برسنے لگا۔ بلند موجیں اُٹھنے لگیں اور سمندر میں تلاطم برپا ہو گیا۔ شہزادی کی کشتی جانب شمال تیز بہ چلی۔ ملاحوں نے مستول و بادبان کو سنبھالا لیکن کشتی کسی طرح قائم نہیں ہوتی تھی۔ بادبان پارہ پارہ اور رسیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ کشتی میں پانی بھرا جاتا تھا جس کو خدمت گار نکال رہے تھے جب انسانی کوشش مجبور ہو گئی تو خدا کے نام پر کشتی چھوڑ

---

[1] اصنام ہرقل، مراقش (افریقہ) اور اندلس (یورپ) کے درمیان ۱۲ میل کا بحر زقاق ہے۔ جانب افریقہ جبل تھا اور جانب یورپ جبل کلپی ہے یہ دونوں چٹانیں بہت بلند عمودی شکل میں واقع ہیں توہم پرست مورخین یورپ لکھتے ہیں کہ ہرقل نے جو قدیم یونان و مصر کا مشہور رستم ہے پہاڑ چیر کر اور ان کو بہ شکل ستون قائم کر کے سمندر پر پل بنایا تھا اور اسی پر سے وہ شاہ قادس کے مویشی چرا کر افریقہ لے گیا تھا۔ عرب ان کو اصنام ہرقل اور یورپین ستون ہرکلیز کہتے ہیں۔

دی گئی۔ تند و خشمناک سمندر نے کشتی کو تھپیڑے دینا شروع کیا۔ کشتی کبھی افریقہ کا رُخ کرتی تھی اور کبھی یورپ کا آب سمندر کی موجیں کشتی کو سطح آب سے بلند کرتی تھیں اور پھر کنارے لگا دیتیں۔ اسی طرح یہ کشتی گرتی پڑتی جنوبی اندلس کے چھوٹے بندرگاہ ساحل دانیہ کے قریب شام کو پہنچی۔ یہاں بھی طوفان بلاخیز کے آثار ہویدا تھے۔ بہت سے جھونپڑے اڑاڑ کر سمندر میں گر چکے تھے اور کتنی کشتیاں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو چکی تھیں۔ مکانوں کی چھتیں اڑ رہی تھیں غربا کے مکانات کثرت بارش سے گر رہے تھے۔ گلیوں میں ندی نالے جاری تھے غرض کہ ایک ہنگامہ محشر برپا تھا۔ راہبان اُسقف اعظم یہ حالت دیکھ کر توبہ استغفار کے لئے کلیسا میں جمع ہوئے اور القائد[1] کی آمد پر خشوع و خضوع سے دعائے استغفار شروع کی گئی۔ یہ مجمع ابھی چھٹنے نہ پایا تھا کہ ایک سپاہی گھبرایا ہوا کلیسا میں داخل ہوا اور بھرائی ہوئی آواز میں چیخا کہ دوڑو عرب آگئے۔ القائد اور اس کے جاں باز سپاہی ساحل کی طرف دوڑے۔ کلیسا سے بہت سے من چلے نوجوان بھی نیزہ، تلوار لے کر ساتھ ہوئے۔ لیکن کنارے پر پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ بجائے جنگی جہازوں کے ایک متوسط کشتی ساحل پر آ لگی ہے جس میں چند مستورات اور غلام و ملاح بیٹھے ہوئے ہیں۔ سب پانی سے شرابور ہو رہے ہیں۔ سردی سے دانت بج رہے ہیں۔ گیسو پریشان ہیں۔ اور بدحواسی کا عالم طاری ہے کشتی اگرچہ صحیح سالم ہے لیکن موجوں کے

---

[1] کلکٹر ضلع کے برابر اس کو اختیارات سول جوڈیشل پولس وغیرہ کے حاصل ہوتے ہیں اہل عرب کے زمانہ سے کچھ قبل یہ عہدہ اندلس میں قائم ہوا تھا جس کو مسلمانوں نے بھی اپنے زمانہ میں قائم رکھا۔

تھپیڑوں سے اس کا رنگ و روغن اڑ گیا ہے۔ اندلسی نوجوان تیغ و تیر سے مسلح حملہ کو تیار تھے لیکن القائد نے سب کو روک دیا اور اپنے سپاہیوں کو بھیج کر سب کو بخیریت کشتی سے اتارا۔ ٹوٹی پھوٹی بربری زبان میں ان سے القائد نے بات چیت کر کے حالات دریافت کئے جس کے بعد سب کو قلعہ میں لے گیا اور سب کے آرام و آسائش کا انتظام کیا۔

القائد نے اسی یوسف گم کردہ کی اطلاع اندلس کے آخری فرمانروا شاہ لڈریق کو کی جس نے سب کو دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اور شہزادی کے حسن و جمال سے فریفتہ ہو کر اس نے اس کو اپنی محبوب ملکہ بنالیا۔ جو ایشلونہ کے نام سے شریک تاج و تخت بن گئی۔

دو سال تک ملکہ ایشلونہ سفر و حضر، خلوت و جلوت میں سایہ کی طرح شاہ لڈریق کی رفیق محبت رہی جنگ و امن میں اس کی رائے و مشورہ کو ہمیشہ غلبہ رہا لیکن جب طارق کی فیصلہ کن جنگ وادی لکہ کے موقع پر ایشلونہ پیچھے چھوڑی گئی تو ہمیشہ کے لئے لڈریق سے جدائی ہو گئی۔ لڈریق طارق کے ہاتھ سے اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور ملکہ ایشلونہ کو بیوگی کا تلخ تجربہ اٹھانا پڑا۔

زمانہ نے کروٹ بدلی۔ حکومت اندلس میں انقلاب عظیم نمودار ہوا شاہان قوط کی تخت و تاج پر بادیہ نشینان عرب کا تسلط ہے۔ صلیب کی جگہ ہلال نمودار ہے پرچم ارغوانی کی بجائے خلفائے دمشق کا رایت سفید جبل طارق سے لے کر کوہ البرتات (پرینز) تک اور برشلونہ سے اشبلونہ تک لہرا رہا ہے۔ تاجو (دریائے ٹیگس) کی وادیوں وادی الکبیر کی مرغزار اور کوہ البرتات کی گھاٹیوں میں توحید کی آواز گونج رہی ہے۔ شاہ لڈریق جو طارق کی تیغ خارا

شگاف کے گھاٹ اتر چکا تھا۔ توہم پرست اہل اندلس کے نزدیک کبھی صحرا میں گلہ بانی کرتا ہے کبھی کسی خانقاہ میں اپنے افعال شنیعہ کی پاداش میں نفس کشی کر رہا ہے اور کبھی اس کے جسم کو بچھو اور سانپ ڈس رہے ہیں۔ طارق و موسیٰ تمام ملک کو تسخیر کر کے آپس کے نفاق و حسد کا شکار ہو کر دمشق میں طلب کیے جاتے ہیں جہاں دونوں معتوب ہو کر حالت کس مپرسی میں جھونک دیئے جاتے ہیں۔

موسیٰ نے قبل روانگی اپنے بیٹے عبدالعزیز کو امیر اندلس مقرر کر دیا تھا اور عنان حکومت دیتے وقت امن و امان قائم رکھنے اور عدل و انصاف جاری رکھنے کی سخت ہدایت کی تھی لیکن اس زبانی ہدایت پر وہ قانع نہیں رہا بلکہ راستہ سے اس نے ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا۔

اے جان پدر تم بہت ہوشیاری سے کام کرنا کسی کے مکر و فریب میں نہ آنا، دشمن سے غافل نہ رہنا۔ فریب و بغاوت سے دور رہنا۔ بے وفا اور مکار سے ہمیشہ اجتناب رکھنا اور اس کے جال میں کبھی نہ پھنسنا۔ یاد رکھو جس نے اپنے دوست کو دھوکہ دینے میں تامل نہ کیا وہ تم کو نقصان پہنچانے میں ہرگز پس و پیش نہ کرے گا۔ عورتوں سے اختلاط نہ رکھنا اور ان کی محبت سے گریز کرنا۔ ان کی محبت دل و دماغ کو بیکار کر دیتی ہے۔ طاقتور کو کمزور اور آزاد کو غلام بنا دیتی ہے۔ اگر تیرے دل میں کسی کی محبت کا خیال پیدا ہو تو فوراً کانٹا سمجھ کر نکال پھینکنا۔ اس میں جتنی دیر کرے گا۔ اتنی ہی خلش بڑھے گی۔ تخم محبت کو نہ اگنے نہ دینا ورنہ وبال جان ہو جائے گا۔

(۲)

عبدالعزیز سرحد جلیقیہ کی مہم سے فاتح و منصور اپنی دارالمستقر اشبیلیہ کو واپس آتا ہے اور نماز شکرانہ ادا کر کے القصر میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں نصاریٰ اندلس نے مبارک باد کے نغمے گائے اور فتح و نصرت کے شادیانے بجائے۔ عبدالعزیز شاداں و فرحاں القصر میں ان لوگوں کی تہنیت قبول کر رہا تھا کہ اس کی نظر ایشلونہ پر پڑی جس کو پہلی دفعہ دیکھا تھا یہ اداس مغموم سر جھکائے ایک کونہ میں بیٹھی تھی۔ سب نے مبارک باد پیش کی لیکن یہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی۔ عبدالعزیز سے کسی نے کہا کہ شاہ متوفی کی یہ بیوہ ہے۔ عزیز جو خلقی طور پر رقیق القلب واقع ہوا تھا۔ شاہ لرزیق کی بیوہ کو اس طرح دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور قریب جا کر ایشلونہ کی مزاج پرسی کی جس کا جواب اس نے بربری زبان میں تقریباً علامہ ڈاکٹر اقبال کے ان اشعار میں دیا۔

آہ کیا کہئے کہ اب پہلو میں اپنا دل نہیں　　　بجھ گئی جب شمع روشن در خور محفل نہیں
اے مضاف نظم ہستی میں ترے قابل نہیں　　　ناامیدی جس کو طے کر لے یہ وہ منزل نہیں
ہائے کس منہ سے شریک بزم میخانہ ہوں میں
ٹکڑے ٹکڑے جس کے ہو جاویں وہ پیمانہ ہوں میں

یا امیر المومنین! اپنی قسمت کو روتی ہوں۔ کل تک میں اسی قصر کی ملکہ تھی اور آج اسی قصر میں ایک ادنیٰ باندی بنی ہوئی ہوں۔ میری خوشنودی مزاج کے لئے کل تک یہ خدام رقص و سرود کرتے تھے اور آج مجھ سے کہا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ شریک ہو کر اپنے شوہر کے فاتح و غاصب کے لئے شادیانہ مسرت بجاؤں۔ افسوس میں آج یہ دن دیکھنے کے لئے کیوں زندہ رہی"۔

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نوجوان عبدالعزیز پر الشلونہ کے حسن وجمال نے جادو کا اثر کیا اور جب عزیز کے اس سوال پر کہ یہ بربری زبان کہاں سیکھی الشلونہ نے اپنی داستان غم سنائی تو وہ بالکل بے قابو ہو گیا اور شاید یہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتا اگر ایوب جیسا غم خوار خالہ زاد بھائی اس کو ہشیار نہ کرتا۔

عبدالعزیز اس وقت تو چلا گیا لیکن تیر عشق کام کر چکا تھا۔ اس کا دل اب مرہم جگر کے تلاش میں گلگشت حرم سرا کو صبح وشام جانے لگا اور وہ گھنٹوں کسی نہ کسی وجہ سے الشلونہ کی صحبت میں گزارنے لگا۔ ایوب کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا اس نے عبدالعزیز کو ٹوکا اور موسیٰ کی وہ نصیحت یاد دلائی جس میں اس نے عورت کی محبت سے اجتناب کرنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ وہ کسی بُرے خیال سے نہیں جاتا بلکہ یہ سوچ رہا ہے کہ اس غریب مظلوم عورت سے عقد کر لیا جائے تو کیسا۔ ایوب کی صلاح بیکار گئی۔ موسیٰ کی نصیحت اوراق پریشان کی طرح طاق نسیاں میں پھینک دی گئی۔ علمائے کرام کے مواعظ محراب ومنبر پر دھرے رہے۔ عزیز نے کسی کو گوش توجہ سے نہ سنا اور الشلونہ چند دنوں بعد عبدالعزیز کی حرم محترم بن کر غاشیہ امارت پر جلوہ آرا ہو گئی۔

عقد کو ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ عبدالعزیز کا عشق الشلونہ کی ناز آفرینی کے ساتھ ساتھ روز بروز بڑھتا گیا۔

الشلونہ میں اول تو یوں ہی صنف نسوانی کی تمام دلفریبیاں موجود تھیں اس پر خدا نے اس کو ایک فرزند ارجمند بھی عطا کیا جس سے وہ عبدالعزیز کی نظروں میں محبوب سے محبوب تر بن گئی۔

اب ایلونہ کا نام ام العاصم قرار پایا اور اس کے اقتدار میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ملک مفتوحہ میں عبدالعزیز کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی لیا جانے لگا اور مہمات سلطنت میں اس کا مشورہ لازمی ہو گیا۔

اگرچہ ام العاصم اس وقت امیر اندلس کی بیوی تھی لیکن تمدن اسلام پر ہنوز مصری و ایرانی تکلفات کا رنگ نہیں چڑھا تھا اور فاتحان اندلس بوریہ نشینان عرب کی سادہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن اس مایہ ناز و ادا' اس سرچشمہ محبت اس دلدادۂ عیش و نشاط کے دل و دماغ سے بوئے سلطنت نہیں گئی۔ وہ اندلس کے جشن دیکھ چکی تھی اور رومۃ الکبریٰ اور الاقصر کے نغمہائے مسرت کی آواز بازگشت سن چکی تھی اس سادہ سپاہیانہ زندگی کی مطلق روادار نہ تھی ایک روز جب کہ عبدالعزیز اس کے نشہ حسن سے سرشار بیٹھا تھا کہ اس نے عزیز سے کہا کہ وہ باوجود حقیقی فاتح و فرمانروائے اندلس ہونے کے تاج شاہی کیوں زیب فرق نہیں کرتا۔ عبدالعزیز نے ایلونہ کو جھڑک دیا۔ جبکہ آقا خلفائے بنو امیہ بجز عمامہ کے اور کوئی تاج یا ٹوپی سر پر نہیں رکھتے تو اس کے لئے جو منجملہ ۸ ۔ ۱۰ گورنروں کے ایک معمولی امیر کا درجہ رکھتا ہے۔ تاج زیب سر کرنا داخل جرم و کفر ہے۔ لیکن تریاہٹ کے سامنے عبدالعزیز کی منطق بے کار تھی۔ ایلونہ کا اصرار غالب آگیا اور منجملہ ۲۶ تاجوں کے دو تاج جو موسیٰ کے دست برد سے باقی رہ گئے تھے اس نے منگوائے جن میں سے ایک بڑا تاج اپنے دست نازک سے عبدالعزیز کے سر پر سجا کر بولی "یا امیرالمومنین! آئینہ دیکھو! یہ تاج اچھا معلوم ہوتا ہے یا تمہارا عربی صافہ"۔ عبدالعزیز آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر غرور و امارت سے مسرور و شادماں ہو گیا مگر پھر کچھ سوچ کر تاج اتار نے

لگا۔ مگر ایلیلونہ کب ماننے والی تھی۔ اس نے نہ صرف عبدالعزیز کو تاج پہننے پر مجبور کیا بلکہ خود بھی دوسرا تاج عبدالعزیز کے ہاتھ سے زیب سر کیا اور تاج پوشی کے بعد اپنے سر پر رکھوا کر خدام و مصاحبین القصر کو موقعہ حاضری و مبارک باد کا دیا۔ اس دن سے عبدالعزیز خاص موقعوں پر عبائے ارغوانی زیب بر اور تاج قوطی زیب فرق کر کے قدیم شاہان اندلس کے رعب و داب کی یاد تازہ کرانے لگا۔ ملک اندلس میں اس انقلاب رسم و آئین کی خبر پہنچی تو مخالفت کا زور ہو گیا۔ اہل عرب جو عزیز کے اس عقد سے زیادہ خوش تھے منحرف ہونے لگے۔ نصاریٰ اندلس نے بھی بجز خاص متوسطین و لواحقین کے نظر پسندیدہ سے دیکھا نہیں۔ عبدالعزیز کبھی کبھی تاج پہن کر دیوان میں آنے لگا اور یہی نہیں بلکہ ایلیلونہ نے نصاریٰ اندلس کو حکم دیا کہ حسب رواج قدیم زمین بوس خدمت ہو کر عزیز کو کورنشات شاہی بجا لائیں۔ اہل عرب کے لئے جھک کر سلام کرنا ایک مشکل امر تھا۔ لہذا ایلیلونہ اور عبدالعزیز کو خاص ترکیب کرنا پڑی یعنی سرداران عرب کی آمدورفت کے لئے ایک چھوٹی کھڑکی دیوان خاص میں بنائی گئی جس میں سے ان کو آتے وقت لامحالہ سر جھکانا پڑتا تھا۔

عبدالعزیز کی اس مطلق العنانی کا تمام ملک میں چرچا ہونے لگا اور اگرچہ اس کی سخاوت و شجاعت معدلت گستری اس کی کمزوریوں کو چھپائے ہوئے تھی لیکن اس اختلاف و خود رائی کا کوئی علاج نہ تھا مخالفین نے دربار خلافت میں ایک طولانی فرد جرم مرتب کی۔ جس میں خاص طور پر تین الزامات نمایاں کئے گئے۔ اول یہ کہ موسیٰ کے زوال و تشہیر سے عبدالعزیز نے متاثر ہو کر علم بغاوت و خودسری بلند کیا ہے اور تکمیل

مقاصد کے لئے اس نے شاہ لرزیق متوفی کی بیوہ سے شادی کر کے نصرانی جاگیرداران و سرداران کو متحد و متفق کر کے اپنا ہوا خواہ و معاون بنا لیا ہے۔ دوم یہ کہ شاہ متوفی کا تاج و عبائے ارغوانی خلاف اصول اسلام و بلا اجازت خلافت دمشق زیب کر کے دربار شاہی آراستہ و پیراستہ کرتا ہے۔ سوم یہ کہ شہر اشبیلیہ کے قریب بیرون باب القرطبیہ بیت المال سے نہ صرف اپنے عیش و آرام کے لئے ایک عالی شان ایوان تعمیر کرایا ہے۔ بلکہ اسی باغ میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی ہے۔ جہاں تثلیث کی تلقین ہوتی ہے۔

عبدالعزیز کو جب اس مخبری کی اطلاع ہوئی تو اس نے ۹۷ھ میں ایک وفد خلیفہ سلیمان کی خدمت میں اس کی صدر نشینی کے موقعہ پر مبارکباد دینے کے لئے بسرکردگی محمد بن حبیب اسمح بن مالک۔ اسمٰعیل بن ابی عبداللہ، دمشق کو بہت سے بیش قیمت تحائف کے ساتھ روانہ کیا لیکن دمشق میں مخالفین موسیٰ و عبدالعزیز کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی جن کی وجہ سے خلیفہ کا دل نرم نہ ہوا اور اس نے ایک منشور سر بمہر اس تاکید کے ساتھ روانہ کیا کہ سرزمین یورپ میں پہنچ کر یہ لفافہ کھولا جائے اور بلا عذر حیلہ تعمیل حکم کر کے دربار خلافت کو نتیجہ سے فوراً مطلع کیا جائے۔ بخت برگشتہ کو دیکھو کہ جن پانچ سرداران اندلس کو یہ لفافہ تعمیل کے لئے دیا ان میں سے جنرل حبیب بن عبیدہ الفہری اور جنرل زیاد بن بدر موسیٰ اور عبدالعزیز کے صادق احباب میں سے تھے۔ حبیب ہی نے پہلے لفافہ کھولا اور جس وقت دربار خلافت کا حکم دیکھا تو فرمان اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور زیاد سے کہنے لگا۔

کم بخت دشمنوں نے خاندان موسیٰ کا پیچھا ابھی تک نہ چھوڑا۔ قیامت ہے کہ عبدالعزیز کے قتل کا حکم ہم کو دیا جاتا ہے زیاد بھی دم بخود رہ گیا۔ لیکن دربار خلافت کا حکم اٹل تھا۔ اس کی تعمیل سب پر مقدم تھی۔ اکثر اہل عرب پہلے ہی سے مخالف تھے۔ صرف ایشلونہ کا رسالۂ محافظت (باڈی گارڈ) اور نصاریٰ اندلس اس کے موافق تھے لیکن اس حکم کی تعمیل میں اس خاموشی اور عجلت سے کام لیا گیا کہ قتل سے پہلے کسی کو وہم وگمان بھی نہ ہوا۔

دوسرے روز نماز فجر کے وقت جب عبدالعزیز اپنے باغ کی خانقاہ میں ایشلونہ کا انتظار کر رہا تھا جو خانقاہ میں ایک راہب کے ہاتھ پر بیعت واستغفار کر رہی تھی۔ فوج اسلام نے باغ کا محاصرہ کر لیا اور چند تند خو نوجوانوں نے خانقاہ میں داخل ہو کر عبدالعزیز اور ایشلونہ کو گھسیٹ کر نکالا اور دارالامارت اشبیلیہ کے چوراہے پر لا کر بے رحمی سے قصاص کیا۔ دونوں عاشقان ناز کے سر تن سے جدا کر کے نعشیں بے کفن خاک وخون میں غلطاں وپیچاں سر بازار چھوڑ دی گئیں کسی کو اتنا ترس نہ آیا کہ ان پر ایک چادر ڈال دیتا۔ آخر تاریکی شب میں چند وفادار خدا ترس خدام نے دونوں کو اٹھا کر کنیسہ ربینا کی ایک کوٹھری میں سپرد خاک کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ام عاصم کا ذکر یہاں مفصل پیش کیا ہے۔

یہ سخت دلی بھی کس قدر عبرتناک وسبق آموز ہے کہ جس وقت جنرل حبیب عبدالعزیز کے سر دربار خلافت میں لے کر پہنچا تو موسیٰ کو جس کی حالت اس وقت نہایت قابل رحم تھی۔ خلیفہ سلیمان نے سر دکھلا کر پوچھا کہ "پہچانتے ہو یہ سر کس کا ہے۔"

موسیٰ نے اپنے لخت جگر کا سر دیکھ کر ایک چیخ ماری اور آسمان کو

دیکھ کر دہائی دی کہ خدایا جس نے اس فرشتہ خصلت عزیزہ کا سر اتارا ہو وہ تباہ و برباد ہو جائے۔

ان شہیدانِ ناز کی قبریں ایک عرصہ تک ایک تودہ خاک کی شکل میں حالت کس مپرسی میں پڑی رہیں نہ کبھی کسی کو شمع جلانے کی توفیق ہوئی اور نہ کبھی کسی کو دو پھول چڑھانے کا خیال ہوا۔ مسلمانوں کی سلطنت کا اندلس میں خاتمہ ہو گیا ہے اور اگرچہ خانقاہ سُنّت اپنا باقی ہے لیکن قبروں کا نام باقی نہیں دریافت کرنے سے بھی کوئی رہبری نہیں کرتا کہ عاشقانِ باصفا کس جگہ سو رہے ہیں۔

جو جو کہ انتخاب تھے صفحہ پہ دہر کے
اس طرح مٹ گئے کہ نشاں بھی نہیں رہا ماخوذ

دودمانِ تیموریہ کی علم دوست شہزادیاں

شاہانِ تیموریہ کی علم دوستی اور حسنِ مذاق کا اس سے نمایاں ثبوت ملتا ہے کہ جہاں انہوں نے حکومت کا نظم و نسق سنبھالنے اور ملک گیری کے لئے اپنے شہزادوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ وہاں انہوں نے اپنی شہزادیوں کو بھی اس سے محروم نہ رکھا۔ علم و فن کی مجلسیں نہ صرف ان کے درباروں میں ہی قائم تھیں بلکہ ان کے خلوت کدوں میں بھی علم و ادب کی بزم آراستہ تھی۔ فتوحات کی معرکہ آرائیوں اور جنگ کی خون آشامیوں کے باوجود تیموریوں نے جلوت اور خلوت دونوں کو علم و ہنر کی شمع سے منور

رکھا۔ چنانچہ علمی حیثیت سے تیموری شاہزادوں کے ساتھ ایسی تیموری شاہزادیاں بھی ملتی ہیں جن کی ذات پر ارباب علم وفضل کو بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے۔

گلبدن بیگم

ان شہزادیوں کی علمی بزم میں سب سے پہلے گلبدن بیگم نظر آتی ہے جو بابر کی بیٹی تھی، بابر کے لڑکوں میں ہمایوں، کامران۔ ہندال اور عسکری مرزا نے میراث علم ادب اور شعر و شاعری کا ذوق پایا اور اسی دودمان فضل و کمال کے گہوارہ میں گلبدن بیگم نے بھی پرورش پائی اور اپنی اعلیٰ تعلیم و تربیت کی بدولت ترکی اور فارسی زبان کی قابل قدر انشاپرداز اور شاعرہ ہوئی۔ فارسی زبان میں اس کی ایک تصنیف ہمایوں نامہ ہے جو اپنی طرز انشا پر ایک لاجواب کتاب اور بابر و ہمایوں کے عہد کے تمدنی، معاشرتی اور تاریخی واقعات کے لئے ایک قیمتی ماخذ ہے۔

یہ کتاب اکبر کے حکم سے اکبر نامہ کی ترتیب و تدوین کے وقت بابر اور ہمایوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے لکھی گئی تھی لیکن اپنی خصوصیات کی بنا پر ایک اہم تالیف ہو گئی یہ کتاب عرصہ دراز تک گوشہ گمنامی میں پڑی رہی لیکن انگلستان کی ایک علم دوست خاتون نے اس کے متعدد نسخے بہم پہنچائے اور اس کو کافی محنت و عرق ریزی سے مرتب کر کے ۱۹۰۲ء میں لندن سے شائع کیا۔ اس کے دیباچہ میں خاتون مذکور نے گلبدن بیگم کی مفصل سوانعمری لکھی ہے اور کتاب میں جن بیگمات کے نام آئے ہیں ان سب کے حالات بھی تحریر کئے ہیں۔ کتاب میں جہاں جہاں ترکی الفاظ آئے ہیں ان کی تحقیق کی اور پھر فارسی متن کے ساتھ انگریزی ترجمہ بھی

منسلک کیا۔

مولانا شبلی مرحوم نے اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے اور خصوصیات اور خوبیاں انہوں نے بیان کی ہیں۔ اس کتاب کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

اس کتاب کی انشاپردازی کے متعلق مولانا شبلی کہتے ہیں۔

فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور واقعات عالمگیری ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خان ان پر نثار کردی جائیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے سادہ اور بے تکلف الفاظ روزمرّہ کی عام بول چال طرز ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کردیتی ہے۔

تاریخی حیثیت سے اس کتاب کی قابل قدر خصوصیت مولانا شبلی یہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں اس عہد کے تمدن شائستگی، معاشرت اور خانگی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو روشن کرکے دکھایا گیا ہے۔ مثلاً وہ کسی شادی یا جلسہ کی تقریب کا حال لکھتی ہے تو اس کی ہو بہو تصویر کھینچ دیتی ہے۔ عورتوں کے متعلق وہ بہت سی نئی معلومات فراہم کرتی ہے۔ مثلاً عورتیں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فنون سپہ گری سے بھی خوب واقف ہوتی تھیں سفر اور سیر وشکار میں تھیں اور بعض اوقات وہ مردانہ لباس بھی پہنتی تھیں۔ مہر انگیز بیگم (مظفر حسین مرزا بیگرہ کی بیٹی) کے بارہ میں لکھتی ہے کہ وہ مردانہ لباس میں ملبوس رہتی

تھی اور مختلف ہنر مثلاً چوگان بازی، تیر اندازی اور ساز بجانے میں ماہر تھی۔
ہمایوں جب ایران گیا تو اس کی ایک بہن ہمیشہ گھوڑے پر سوار اس کے عقب میں چلتی تھی۔ خاندان کے آدمی جب ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے تو عورتیں بھی گانے میں شریک ہوتی تھیں لیکن یہ احتیاط رہتی تھی کہ کوئی غیر آدمی اس محفل میں شریک نہ ہو۔ عورتوں کا نہایت احترام کیا جاتا تھا۔ بابر کی بیوی ماہم بیگم جب کابل سے ہندوستان آئی تو بابر دو کوس تک پیدل استقبال کو گیا۔ ملکی معاملات میں عورتوں سے بھی مشورے لئے جاتے تھے اور ہر قسم کے امور میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی۔

ایک اور خصوصیت اس کتاب کی یہ بتائی جاتی ہے کہ گلبدن بیگم تاریخی واقعات لکھنے میں اس بات سے بخوبی واقف تھی کہ کس واقعہ کو مختصر اور کسی کو تفصیل سے لکھنا چاہیئے وہ خوب جانتی تھی کہ کونسا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے اور اس لئے اس کے اسباب و علل سے کہاں تک بحث کرنی چاہیئے۔

اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۷۱۰ میں لکھا ہے کہ گلبدن بیگم کے عالم نزع میں مریم مکانی اس کے سرہانے کھڑی تھی دونوں میں بڑی محبت تھی۔ مریم مکانی گلبدن بیگم کو بیگم جیو کہہ کر بار بار پکار رہی تھی۔ گلبدن بیگم نے آخری بار آنکھیں کھولیں اور مریم مکانی کی طرف دیکھ کر یہ مصرع پڑھا ؎

من زار عبردم عمرت بادا ارزانی

گل رُخ بیگم

بابر کی ایک دوسری لڑکی گل رُخ بیگم، صالحہ سلطان بیگم کے بطن سے تھی وہ بھی شعر و شاعری سے ذوق رکھتی تھی اور اشعار موزوں کرتی تھی۔

صبح گلشن مولفہ نواب علی حسن خاں مرحوم میں اس کی شاعری کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"بہ گل رُخی و شگفتہ روئی و سلیقہ شاعری سر آمد زمرہ فسواں غنچہ دہانش بہ نسیم اشعار لطیف می شگفت"

سلیمہ سلطان بیگم

یہ بابر کی نواسی اور گل رُخ بیگم کی بیٹی تھی۔ پہلے خانخاں بیرم خاں سے شادی ہوئی اس کے انتقال کے بعد اکبر سے نکاح ہوا۔ سیاسی واقعات میں اس کا نام اس وقت نمایاں ہوا جب شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ سلیمہ سلطانہ ہی کی کوششوں سے اکبر اور سلیم میں مصالحت ہوئی۔ اس سلسلہ میں اکبر نامہ منتخب التواریخ میں اسی کا ذکر بار بار آتا ہے۔

اس کو شعر و شاعری سے بھی مناسبت تھی۔ مآثر الامراء جلد اول ص ۳۷۶ میں لکھا ہے کہ اس کا تخلص مخفی تھا لیکن مخزن الغرائب کے مؤلف لکھتے ہیں کہ اس کا تخلص مخلص تھا۔

مورخین نے سلیمہ بی بی کی کتب بینی کے شوق کا بھی اعتراف کیا ہے۔ اور اس شوق کی تکمیل کے لئے اس کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔

ماہم بیگم

یہ بیگم دودمان تیموریہ کی چشم و چراغ تو نہ تھی لیکن ہندوستان کے سب سے بڑے بادشاہ اکبر بادشاہ کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) تھی اس لئے اس کا ذکر اس سلسلہ میں بے محل نہ ہوگا۔ ماہم بیگم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ

خاتون تھی اسی لئے علم وفضل کی ترویج واشاعت کی خاطر اس نے دہلی میں ایک اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ خیر المنازل کے نام سے قائم کیا۔ سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید میں اس کا ذکر کیا ہے یہ مدرسہ پرانے قلعہ کے پاس واقع تھا۔

اس مدرسہ کے ساتھ طلبا کے لئے ایک بہت ہی حسین مسجد بھی تھی۔ ایک انگریز ماہر آثار قدیمہ نے اس مسجد کو دیکھ کر اس کا دلکش نقشہ یوں بیان کیا ہے۔

یہ مسجد پانی سے گھسے ہوئے نوکدار پتھروں کی بنی ہوئی ہے جہاں نقش ونگار ہیں وہاں سُرخ پتھر اور اینٹ لگائے گئے ہیں پھاٹک اگرچہ اب مسمار ہو چکا ہے لیکن بہت ہی خوبصورت ہے۔ مسجد کا اندرونی حصہ رنگین پلاسٹر اور چمکدار اینٹوں سے مزین ہے۔ عمارت کا رُخ اور پھاٹک رنگین تمغوں اور ترشے ہوئے پتھر کے پھولوں سے منقش ہیں ان میں رنگ نیلے، زرد، سرخ، ارغوانی، سپید اور سیاہ استعمال کئے گئے ہیں اس مسجد میں صرف ایک گنبد ہے جس کی گردن میچی ہے اس کا کنگرہ بہت ہی عجیب وغریب ہے۔ جو مسجد پرانے قلعہ کے کنگرہ سے مشابہ ہے۔ مسجد کی دیواریں عمودی ہیں لیکن مینارے ڈھلوان ہیں۔ موتی مسجد کی طرح چھجے سامنے نکلے ہوئے ہیں۔ اس میں حجرے ہیں جو اور مسجدوں میں نہیں دیکھے گئے[1]۔ یہ مسجد جس فراخ دلی اور فیاضی سے طلبہ کے لئے بنائی گئی تھی

---

[1] آرکیالوجی آف دلی مولفہ سی اسٹیفن۔

وہ ماہم بیگم کی تعلیمی دلچسپی کی بڑی دلیل ہے۔

جانان بیگم

بیرم خاں کی لڑکی، عبدالرحیم خان خاناں کی بہن اور اکبر کے لڑکے شہزادہ دانیال کی بیگم تھی۔ بڑی حسین و جمیل، عاقلہ اور تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ اس کی فیاضی اور مکارم اخلاق کا بڑا شہرہ تھا۔ علماء و فضلا کی قدردان اور فقراء و مشائخ سے عقیدت رکھتی تھی۔ شاہزادہ دانیال کے انتقال کے بعد شہزادہ سلیم اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگیا، لیکن اس کی امید بر نہ آئی۔ اکبر کے بعد جب وہ خود تاج و تخت کا مالک ہوا تو جانان بیگم کو نکاح کا پیغام دیا اس وفا شعار عفت مآب خاتون نے اس کے جواب میں کل دانت نکلوا کر اور زلفیں ترشوا کر جہانگیر کے پاس بھجوادیں۔ وہ عفت و حیا کا یہ نمونہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور پھر کبھی نکاح کی خواہش نہ کی۔ جانان بیگم زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئی اور قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی سعادت بھی حاصل کی۔ شاعرہ بھی تھی۔

نورجہاں بیگم

نورجہاں بیگم بھی اگرچہ تیموری النسل نہ تھی لیکن ایک تیموری حکمران کی بیوی بن کر شاہی حرم اور حکومت کے لئے رونق و زینت کا باعث بنی۔

نورجہاں نے شاہی محل میں داخل ہوتے ہی اپنے جمالیاتی ذوق سے حرم کی عورتوں کا سارا مذاق ہی بدل دیا۔ پہننے، اوڑھنے، بناؤ سنگار فرش و فروش اور زیور و آرائش کی چیزوں میں اتنی جدتیں پیدا کیں کہ تمام

ملک میں یہی رنگ غالب آگیا حسن مذاق کے ساتھ قدرت نے نورجہاں کو علم وادب کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ ایک علم دوست باپ کی بیٹی اور ایک اعلیٰ ادیب وانشا پرداز شاعر کی بیوی تھی اس لئے باپ کی وراثت اور شوہر کی رفاقت سے اس کی علمی صلاحیت اور لیاقت کو اتنی جلا ہوئی کہ اب تک اس کی استعداد علمی اور سخن سنجی کی داد دی جاتی ہے۔

نورجہاں کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے لیطفے آج کل علمی مجلسوں میں مشہور ہیں مگر پھر بھی ان کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ایک روز جہانگیر نے لباس پہنا جس کا تکمہ لعل بے بہا کا تھا۔ نورجہاں نے اس کو دیکھتے ہی فوراً یہ شعر پڑھا

ترا نہ تکمہ لعل است بر عبائے حریر
شدہ است قطرۂ خون منت گریبان گیر

ایک موقع پر جہانگیر نے عید کا چاند دیکھ کر یہ مصرع موزوں کیا تو دوسرا مصرعہ فوراً نورجہاں نے کہا۔ ہلال عید براوج فلک ہویدا شد
کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد (مراۃ الخیال)

ایک مرتبہ جہانگیر نورجہاں سے کئی روز کے بعد ملا۔ ملنے کی خوشی میں نورجہاں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جہانگیر نے اس کیفیت کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا۔

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود

نورجہاں نے فوراً دوسرا مصرع فی البدیہہ کہا

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

نورجہاں اور جہانگیر میں مفصل حال لکھ چکا ہوں اس نے ۱۰۵۵ھ میں انتقال کیا لاہور میں مزار ہے۔

ممتاز محل

شاہجہاں کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم الملقب بہ ممتاز محل بھی زیور علم وفضل سے آراستہ تھی اور وہ نہ صرف سخن فہم بلکہ سخن سنج بھی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار شاہجہاں جمنا کے کنارے بیٹھ کر دریا کے مناظر دیکھ رہے تھے کہ اس کی موجوں کی طرف اشارہ کر کے ممتاز محل سے کہا۔

آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگہا

ممتاز محل نے اس کا دوسرا مصرع فوراً موزوں کر کے کہا

از ہیبت شاہجہاں سر می زند بر سنگہا [1]

(ممتاز محل)

جہاں آرا بیگم

شاہجہاں اور ممتاز محل کی بیٹی تھی جو سیاسی واقعات کے لئے بھی اپنے عہد میں بہت نمایاں رہی۔ ممتاز محل کی گود اور نور جہاں کی صحبت اور شاہجہانی عہد کی اعلیٰ علمی فضا میں رہ کر علم وفضل کے لحاظ سے بھی مشہور ہوئی بچپن میں تعلیم ستی النساء خانم سے حاصل کی جو ملک الشعراء طالب آملی کی بہن اور حکیم رکنا کاشی کے بھائی کی بیوی تھی، یہ خاتون حافظ تھی اور زباندانی، ادب شناسی اور علم قرأت تجوید میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ ممتاز محل اور شاہجہاں دونوں اس کے قدر دان تھے، ممتاز محل کی مہردار تھی اور

---

[1] مآثر الکرام جلد دوم ص ۹۲

اس کے انتقال کے بعد محل کی صدارت اسی کے سپرد ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد شاہجہاں نے تیس ہزار روپیہ خرچ کر کے اس کا مقبرہ بنوایا جو روضۂ تاج گنج میں ہے۔ جہاں آرا بیگم نے اسی خاتون کے زیر تعلیم رہ کر قرأت و تجوید سیکھا۔ اور یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جہاں آرا بیگم نے اعلیٰ قسم کی تعلیم پائی۔ کیونکہ وہ مصنف بھی ہوئی اور شاعرہ بھی۔ ۱۰۴۹ھ میں جبکہ اس کی عمر صرف ۲۶ سال کی تھی تو اس نے مونس الارواح لکھی جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کے سلسلہ کے اکابر خلفاء مثلاً شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنجؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت مخدوم نصیر الدین روشن چراغ دہلیؒ کے بہت ہی عقیدتمندانہ احوال درج ہیں جس سے اس کے مذہبی اور صوفیانہ ذوق کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے گئی تو وہاں جن تاثرات کو قلمبند کیا ان سے بھی اس کی والہانہ عقیدتمندی اور اخلاص کا اظہار ہوتا ہے۔

مونس الارواح چھپ چکی ہے اس کا ایک خوشخط نسخہ دار المصنفین اعظم گڈھ میں موجود ہے۔ یہ نسخہ جہاں آرا نے مشہور درباری خوشنویس عاقل خاں سے وصلیوں پر لکھوایا تھا اور پوری کتاب کو طلائی نقش و نگار اور زریں افشاں سے مزین کرایا تھا۔ اس پر سنہ کتابت ۱۰۶۸ھ مرقوم ہے یعنی تصنیف کے انیس سال کے بعد اور جہاں آرا کی عمر کے ۴۶ ویں سال میں یہ نسخہ لکھا گیا، جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب میں جن بزرگوں کے حالات ہیں ان سے عقیدت و ارادت بھی بدستور قائم تھی۔ اس کتاب کے نسخہ کا معائنہ

۲۶ × ۱۷ ہے۔ ہر صفحہ میں گیارہ سطریں اور کل صفحات کی تعداد ۱۴۴ ہے۔ مولانا شبلی مرحوم اپنی قلمی کتابوں کے ذخیرہ میں اس کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ یہ کتاب خطاطی کے اعلیٰ نمونہ کے طور پر لندن کی نمائش منعقدہ مئی ۱۹۱۱ء میں بھیجی گئی تھی۔

جہاں آرا کے علمی مشاغل میں زیادہ تر صوفیائے کرام کے حالات کا مطالعہ ہی رہا کرتا تھا۔ جہاں آرا شاعر بھی تھی۔ مونس الارواح میں جا بجا اس کے اشعار درج ہیں۔ اس کے ذوق شعری اور اس سلسلہ میں اس کے جود و سخا کی متعدد روایتیں تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ کلمات الشعراء (سرخوش) ریاض الشعراء اور خزانہ عامرہ میں ہے کہ جہاں آرا بیگم ایک دفعہ باغ کی سیر کو ہاتھی پر برقعہ ڈالے نکلی، میر صیدی طہرانی چھپ کر تماشا دیکھنے لگا جب ہاتھی اس کے پاس سے گزرا تو اس نے بے ساختہ یہ مطلع پڑھا

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش
تا نکہت گل بیختہ آید بہ دماغش

جہاں آرا نے حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لائیں۔ وہ آیا تو اس سے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا اور پانچ ہزار روپے دلوائے لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ اسکو شہر سے نکال دیا جائے۔ کیونکہ جہاں آرا بیگم کو شعر تو پسند آیا لیکن گستاخی پسند نہ آئی۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بیگمات کے لئے کس قسم کے آداب مقرر تھے۔

کلمات الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) میں جہاں آرا کی علمی فیاضی کی ایک اور مثال درج ہے۔ مرزا حسن بیگ رفیع قزوینی نے جو شاہجہانی دربار کا ایک معزز منصب دار اور شاعر تھا۔ شاہجہان آباد

پرایک مثنوی لکھی اس شہر کے باغ حیات بخش کی تعریف میں جو اشعار کہے وہ جہاں آرا کو پسند آئے اس کے صلہ میں اس نے پانچ سو روپے انعام اس کے پاس بھجوائے۔

جہاں آرا کی علم پروری اور اس کے ساتھ اس کے مذہبی رجحان کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آگرہ کی جامع مسجد اسی کی بنوائی ہے اس نے مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو بہت دنوں تک نہایت کامیابی سے چلتا رہا۔

جہاں آرا بیگم کو خواجگان چشت سے عقیدت وفات کے بعد بھی قائم رہی۔ یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیارحہ کے مزار پرُ انوار کے ٹھیک پائیں میں اپنی خواہش کے مطابق دفن ہوئی۔ اس کی پرہیزگاری، نیکی، انکساری اور ذوق شعری اس کے شعروں سے بھی ظاہر ہے۔ اس کے مزار کا کٹہرہ تو سنگ مرمر کا ہے لیکن تعویذ بالکل خام ہے جو ہمیشہ سبزہ سے ڈھکا رہتا ہے۔ اس کی سادگی اور انکساری کی عکاسی اس کے اس شعر سے خوب ہوتی ہے۔ جو اس کی معمولی اور سادہ قبر پر لکھا ہوا ہے۔

(بزم تیموریہ)

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

زیب النساء بیگم

تیموری شہزادیوں کے علمی چمنستان کا گل سرسبد زیب النساء بیگم ہے یہ اورنگ زیب عالمگیر کی سب سے پہلی اولاد دلرس بانو بیگم کے بطن سے تھی۔ دستور کے مطابق اس کو سب سے پہلے کلام پاک پڑھایا

گیا۔ جس کے لئے عالمگیر کے ایک درباری امیر کی ماں مریم کو مقرر کیا گیا جو کلام پاک کی حافظ تھی[۱]۔ زیب النساء نے بھی کلام پاک حفظ کیا۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس سعادت کے صلے میں عالمگیر نے زیب النسا کو تیس ہزار اشرفیاں بطور انعام مرحمت فرمائیں[۲]۔ زیب النساء نے عربی اور فارسی کی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

زیب النساء کے معلموں میں صرف ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی کا نام تاریخوں میں مذکور ہے۔ جو اس کی عمر کے اکیسویں سال میں درسی کتب کے علاوہ فقہ اصول فقہ اور علم حدیث کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ زیب النساء نے شعر و شاعری میں بھی انہی سے اصلاح لی۔ اس نے علم کی تکمیل کے لئے فن خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا۔ مآثر عالمگیری کا مؤلف رقم طراز ہے کہ وہ ہر قسم کے خطوط یعنی نسخ، نستعلیق اور شکستہ نہایت خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی۔ یہ فن بھی اس نے ملا محمد سعید ماژندرانی سے سیکھا تھا کیونکہ وہ نہ صرف ایک ممتاز شاعر اور عالم تھے بلکہ خطاط اور خوشنویس بھی تھے۔ زیب النسا کے علم و ہنر کی بنا پر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کی علمی کاوش اس کی علمی و ادبی تصنیفات میں بھی ظاہر ہوگی، مگر وہ اب ناپید ہیں، مخزن الغرائب کے مؤلف نے اس کی ایک کتاب زیب المنشآت کا حوالہ دیا ہے۔

زیب المنشآت، زیب النساء کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ تھا اس کی ایک بیاض خاص بھی تھی۔ جو اس کی ایک خواص ارادت فہم

---

[۱] مآثر الامراء جلد ۲ صفحہ ۸۲۹ [۲] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی ص ۳۹۴

نامی کے ہاتھ سے حوض میں گر کر ضائع ہو گئی۔ ملا سعید اشرف ماژندرانی نے اس کی معذرت میں ارادت فہم کی طرف سے ایک طویل قطعہ لکھ کر زیب النساء کی خدمت میں پیش کیا۔

زیب النساء کے نام سے ایک مرقع بھی منسوب ہے جس میں قطعات مشہور کاتبوں اور خطاطوں کے کمالات کے نمونے ماہر نقاشوں اور مصوروں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی انواع واقسام کی تصویریں تھیں۔ یہ مرقع ناپید ہے لیکن اس کا دیباچہ جس کو ایک شاعر و نثار ملا رضا راشد نے لکھا تھا خدابخش لائبریری میں موجود ہے۔ یہ دیباچہ ملی جلی نظم و نثر میں لکھا گیا ہے۔ اس سے زیب النسا کی علمی مجالس کا حال معلوم ہوتا ہے۔ شاعر مذکور لکھتا ہے کہ بیگم کی علمی مجلسوں میں نظم و نثر، صرف و نحو، ہندسہ و نجوم، معانی بیان، اور ہیئت و مرایا پر علماء و فضلاء جمع ہو کر بحث و مباحثہ اور تحقیق و تفتیش کیا کرتے تھے۔

اس دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیب النساء بیگم طب روحانی میں بھی حاذق تھی اور علم موسیقی سے بھی واقف تھی۔

شعر و شاعری کے علاوہ شاعر مذکور دیباچہ کی نثر میں بھی بیگم کی انشاء خوشنویسی اور شاعری کا ذکر شاندار اور باوقار الفاظ کے ساتھ کرتا ہے۔ مورخین اور تذکرہ نویس بھی اس کی علمی سرپرستی اور قدردانی کے بیان میں رطب اللسان ہیں، مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ علما و فضلا اور خوشنویسوں کا ایک گروہ زیب النساء بیگم کی سرکار سے فیضیاب ہوا کرتا تھا۔

مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں کہ زیب النساء کا دربار حقیقت میں ایک

اکیڈمی (بیت العلوم) تھی۔ اس بیت العلوم میں ہر فن کے علماء و فضلاء نوکر تھے جو ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے کتابیں عموماً اس کے نام سے موسوم ہوتی تھیں یعنی ان کتابوں کے نام کا پہلا جزء زیب کا لفظ ہوتا تھا۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف لکھتے ہیں کہ صفی الدین اردبیلی نے بیگم کے حکم سے تفسیر کبیر کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تو اسکا نام زیب التفاسیر رکھا۔ زیب التفاسیر کا پانچواں حصہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں موجود ہے۔ یہ حصہ ۶۱۶ صفحوں میں ختم ہوا ہے اور خاتمہ کی تاریخ ۱۰۸۱ھ مرقوم ہے۔

زیب النساء نے اپنے بیت العلوم کے علماء فضلاء کے استفادہ کے لئے ایک اعلیٰ قسم کا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا مآثر عالمگیری کے مصنف لکھتے ہیں کہ علم دوست اور ہنر شناس شہزادی ہمیشہ کتابیں جمع کرنے اور جدید تصنیف و تالیف کو جاری رکھنے میں کوشاں رہتی تھی اس کا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادر الوجود تھا۔

زیب النسا کا ذوق شعری اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کی خدمت میں شعراء اپنے معروضات اشعار ہی میں پیش کرتے تھے۔

اورنگ زیب کی دوسری لڑکیاں

اورنگ زیب کی دوسری لڑکیوں کا علم و ہنر زیب النساء کی علمی شہرت کے سامنے ماند پڑ گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیب النساء کی طرح آسمان علم و ادب کی مہر و ماہ تو نہ بن سکیں مگر مختلف قسم کے علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ تھیں۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ اورنگ زیب کی لڑکیوں میں زینت النساء بیگم نے بھی باپ کی توجہ اور فیض تربیت

سے علمی کمالات حاصل کئے وہ عقائد مذہبی، احکام دینی اور مسائل شرعی سے بخوبی واقف و آگاہ تھی اور شعر بھی کہتی تھی۔

مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ اورنگ زیب کی لڑکی بدالنسلہ بیگم حفظ کلام اللہ کی سعادت اور علوم دینی کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئی اور ہمیشہ علم کے ساتھ عمل کو بھی ملحوظ رکھا۔ عالمگیر کی ایک دوسری لڑکی زبدۃ النساء بیگم کے بارے میں مولف مذکور کا بیان ہے کہ ہمیشہ طاعت و عبادت و تحصیل علم میں عمر بسر کی اور ذخیرہ سعادت فراہم کرتی رہی۔

زینت النساء بیگم

زینت النساء بیگم بنت اورنگ زیب عالمگیر در سنہ یک ہزار و یک صد و بست و دو ہجری انتقال نمودہ مدفنش در صحن مسجد زینت المساجد کہ تعمیر ساختہ اوست۔ (مفتاح التواریخ ص ۲۹۵)

نواب قدسیہ حضرت صاحبہ عالیہ

ادہم بائی زوجہ محمد شاہ جن کو احمد شاہ کے عہد میں اول نواب بائی پھر نواب قدسیہ صاحب الزمانی کا خطاب ملا۔ شیعہ مسلک تھا۔ ۱۱۶۲ھ میں ان کے پاس ایک ایسا پتھر آیا جس پر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدم مبارک کا نقش تھا۔ نواب قدسیہ بیگم نے اس نقش قدم کو ایک سنگ مرمر کے حوض میں نصب کرایا۔ ۱۱۸۰ھ میں وفات پائی۔

(واقعات دار الحکومت دہلی جلد سوم ص ۶۱)

ایک بہمنی ملکہ کا حج

حج اسلام کا دوسرا رکن ہے اور ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے کہ وہ عمر بھر میں ایک دفعہ حج کرے آج کے زمانہ میں جب کہ نسبتاً بحری اور بری سفر کے ذرائع آسان ہیں لوگ اس فریضہ کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی کے اوائل میں بھوپال کی تین جلیل القدر بیگمات اس شرف سے بہرہ اندوز ہوئیں۔ چھٹی صدی ہجری کے آخری زمانہ کا تصور کیجئے، راستہ کی مشکلات خیال میں لائیے اور دیکھئے کہ دکن کی ایک ملکہ کس ذوق و شوق سے حج کو جاتی ہے۔

دکن کے سلاطین بہمنی کی بیگمات میں ملکہ جہاں نہایت فیاض اور اولی العزم بیگم گذری ہے۔ جب اس کے شوہر سلطان علاؤ الدین حسن کا انتقال ہوا تو اس نے اپنی تمام دولت اور زر و جواہر اپنے شوہر کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر صرف کر دیئے اور ایک سال کے بعد اپنے فرزند سلطان محمد شاہ سے فرض حج اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے اجازت لی۔ سعادت مند بیٹے نے ماں کو نہایت تزک و احتشام سے رخصت کیا اور تمام خزانہ شاہی کو جس میں اشرفی اور روپیہ چاندی اور سونا جو کچھ کہ تھا صندوقوں میں بھروا کر ماں کے ہمراہ کیا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ دکن کی تول سے چار من سونا اور سات سو من چاندی تھی۔ ملکہ جہاں بندر دائل سے

ایک بادبانی جہاز سے بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئی۔ چشم و خدم اور عزیز و اقربا اور دوسرے امرا کی بیگمات کے علاوہ (۸۲۵) بیوہ اور مسکین عورتیں بھی اس کے ہمراہ تھیں اور ہر ایک ہمراہی کے کل مصارف سفر ملکہ جہاں نے اپنے ذمہ رکھے تھے۔

یہ جہاز ایک مہینہ اور سات دن کے عرصہ میں مع الخیر جدہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ وہاں سے یہ قافلہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور تمام ہمراہی حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ملکہ جہاں نے مکہ کے مستحقین کو فیاضی کے ساتھ انعامات اور تحائف دیئے۔

پھر یہ قافلہ مدینہ طیبہ زیارت کے لئے گیا اور ایک سال وہاں قیام پذیر رہا۔ یہاں بھی اسی فیاضی سے کام لیا اور چار ہزار سادات کے لڑکے اور لڑکیوں کی شادیاں اپنے اہتمام سے کیں۔

ملکہ جہاں اکثر اوقات جنت البقیع میں حضرت فاطمہ رضؓ کے مزار شریف کی زیارت کو بھی جاتی تھی۔ ایک دن صدر الشریف سے جو اس قافلہ کے محافظ و نگراں تھے کہا کہ چونکہ ماں کو چھوٹا بیٹا اور بیٹوں سے زیادہ عزیز ہوتا ہے اس لئے اگر میں حضرت حسینؓ کی قبر کی زیارت نہ کروں گی تو معلوم نہیں حضرت بی بی فاطمہ رضؓ مجھ سے خوش ہوں گی یا نہیں اس کے بعد روانگی کا انتظام کیا لیکن اسی اثنا میں ایک رات حضرت فاطمہ رضؓ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں تیرے حسن اعتقاد سے بہت خوش ہوئی اور خدا و رسول بھی تجھ سے خوش ہیں اب تو اپنے وطن کو لوٹ جا۔ تیرے بیٹے تیری ملاقات کے لئے بے چین ہیں۔ ملکہ جہاں نے اس خواب کو صدر الشریف سے بیان کیا اور ایک

آدمی کو بہت سارو پیہ دے کر بھیجا کہ وہ حضرت علی اور حضرت حسین علیہما السلام کے مزاروں کے زائروں اور خادموں کو تقسیم کرے۔

اس کے بعد ملکہ جہاں جدہ کی طرف سے واپس ہوئی ملکہ کے حسن اعتقاد کی برکت سے جس قدر ہمراہی تھے وہ سب بصحت وسلامتی منزل مقصود پر پہنچے اور حرمین الشریفین کی زیارت سے خداوند کریم کے فضل و کرم سے مشرف ہو کر واپس آئے۔

جب ملکہ جہاں بندر دائل پہنچی تو سعادت مند بیٹا اطلاع پاتے ہی استقبال کے لئے روانہ ہو گیا اور قصبہ کالہر میں ماں کی قدم بوسی حاصل کی۔

اس قافلے کے ہمراہ خلیفہ عباس نے ایک خلعت اور فرمان بھیجا جس میں خطبہ اور سکہ کی اجازت تھی۔ سلطان محمد شاہ نے اس خلعت و فرمان کا بڑا احترام کیا اور اہل قافلہ اور دوسرے متوسلین اور مستحقین کو انعام واکرام عطا کیا۔

ملکہ جہاں اپنے ساتھ غلاف کعبہ بھی لائی تھی۔ جو بطور تحفے کے اپنے فرزند رشید کو دیا جس نے اس کا چتر شاہی بنایا۔

دو مہینہ تک اس قصبہ میں سلطان نے بڑے پیانہ پر ماں کے حج و زیارت سے شرف یاب ہونے اور بخیریت واپس آنے کا جشن منایا۔ اس کے بعد ملکہ جہاں گل برگہ میں آئی اور وہاں بھی ایسے ہی جشن رہے۔

واپسی کے بعد ملکہ جہاں نے اپنے شوہر کے خطیرہ کے قریب رہنے کے لئے ایک مکان بنایا اور اپنی بقیہ زندگی عبادت الٰہی میں گزار دی۔ ۶۶۳ھ میں انتقال ہوا اور اپنے شوہر کے قریب دفن ہوئی

قرۃ العین طاہرہ

اس لڑکی کا اصل نام زرین تاج تھا۔ یہ ایران کے نامور علما کے گھرانے میں پیدا ہوئی۔ اس کا باپ حاجی محمد صالح ایک مشہور فقیہ اور اس کا چچا ملا محمد تقی قزوین کا ایک نہایت معزز عالم مجتہد تھا اور اس کا چچازاد بھائی ملا محمد تقی کا بیٹا ملا محمد بھی ایک عالم تھا۔ جس سے قرۃ العین کی بعد میں شادی ہوئی۔ اس لڑکی کی بچپن ہی سے غور و خوض کی عادت تھی اور پھر علم سے ایک طبعی مناسبت اور شوق تھا۔ کچھ اتفاقاً اور کچھ اس کی محنت اور شوق کی وجہ سے اس نے اپنی تعلیم میں حیرت انگیز ترقی کی جو دنیا میں عورتوں کو ذرا کم میسر آتی ہے۔

اس کے گھر میں صبح و شام علمی چرچوں کے سوا اور کوئی شغل نہ تھا۔ ان باتوں کو وہ بڑے غور سے سنتی اور بعض اوقات خود بھی رائے دیتی اکثر جب گھر کے لوگ اور دوسرے عزیز و اقارب ایک جگہ جمع ہوتے تو علمی مباحثے چھڑ جاتے اور ان میں قرۃ العین بھی نہایت جوش و خروش سے حصہ لیتی۔ اس کی فصاحت اور دلائل ایسے ہوتے کہ دوسروں کو متاثر کئے بغیر نہ رہتے اور پھر اس پر حسن، حیا اور عصمت۔ غرض وہ اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور اپنے خاندان کی سرتاج تھی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف اس کے خاندان کو بلکہ سارے شہر قزوین کو اس قابل باحیا اور حسین لڑکی پر فخر تھا۔ اس نے باب سے خط و کتابت کی اور اس کی تعلیم پر الٰہی فریفتہ ہوئی کہ اس کی ترویج و اشاعت کے لئے

اس نے دور دراز کے سفر کئے، کچھ مدت کربلا میں رہی اور پردہ کے پیچھے سے تقریر کرتی۔ فقہ وحدیث اور آیات قرآنی کی تفسیر اس خوبی اور فصاحت سے بیان کرتی کہ ایک انبوہ کثیر اس کو سننے کے لئے جمع ہو جاتا۔

رضیہ سلطانہ

بنت سلطان التمش بڑی عاقلہ خاتون تھیں۔ ان کا تذکرہ ضمیمہ میں مفصل درج ہے۔

سلطانہ چاند بی بی

سولہویں صدی عیسوی میں چاند بی بی دکن کی ایک بڑی مشہور عورت گزری ہے۔ علی عادل شاہ بادشاہ بیجاپور کی ملکہ تھی اور نہایت عمدہ علمی قابلیت رکھتی تھی۔ علمی قابلیت کے علاوہ اس میں شجاعت اور دلیری بھی خاص طور پر تھی اس کو فوجی کاموں سے بہت دلچسپی تھی فوج سے پریڈ کراتی اور کبھی کبھی لڑائیوں میں بھی شریک ہوا کرتی تھی۔

اس کے شوہر کے اکثر با اثر آدمی دشمن ہو گئے تھے اور یہ فکر کر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح علی عادل شاہ کو قتل کر دیں اگرچہ علی عادل شاہ ایسی باتوں کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ تاہم متوحش تھا اور تین روز سے برابر جاگ رہا تھا۔ چاند بی بی نے اپنے شوہر کو ہمت دلائی اور اطمینان سے سو جانے کو کہا اور خود مستعدی سے جاگتی رہی اتنے میں بالاخانے پر کسی کے کودنے کی آواز سنائی دی۔ یہ بہادر خاتون فوراً اپنے شوہر کی تلوار لے کر باہر نکل آئی اور دیکھا کہ دو شخص کھڑے ہیں فوراً ان پر جھپٹ پڑی اور پہلے ہی حملہ میں ایک کا تو سر اڑا دیا اور دوسرے

حملے میں ایک کو سخت زخمی کر ڈالا۔ بالاخانہ پر دھماکہ کی آواز سے علی عادل شاہ فوراً جاگ اٹھا اور باہر آکر دیکھا تو اس کی بیگم تلوار لئے کھڑی تھی۔ عادل شاہ کو آتے دیکھ کر چاند بی بی نے کہا کہ "لیجئے یہ آپ کے دونوں مہمان ہمیشہ کے لئے آپ سے جدا ہو گئے۔"

ایک دفعہ یہ خاتون محافہ میں احمد نگر سے بیجاپور آرہی تھی ساتھ میں صرف ایک مختصر سا باڈی گارڈ تھا۔ حکومت گولکنڈہ کے سپاہیوں سے راستہ میں چاند بی بی کی محافظ سپاہ سے چل گئی اور بات کا بتنگڑہ بن گیا۔ دونوں طرف سے تلواریں نکل پڑیں۔ مخالفین زیادہ تھے اور باڈی گارڈ کے سپاہی کم اپنے سپاہیوں کو قتل ہوتے دیکھ کر فوراً محافہ سے نکلی اور اپنے چیتل گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ میں کھڑی ہو گئی اور مخالفین پر ایسے حملے کئے کہ انہیں بھاگتے ہی بن پڑی۔ شوہر کے مرنے کے بعد وہ اس کے بھتیجے ابراہیم عادل شاہ کی محافظ قرار دے دی گئی اور امور مملکت کا کام اس کی رائے سے ہوتا تھا۔ احمد نگر اس کا دارالحکومت تھا۔

۱۵۸۴ء میں وہ خود غرض امراء کی مخالفت کے باعث ستارہ کے قلعہ میں قید کر دی گئی لیکن سلطنت کے خیر خواہوں نے اس کو قید سے چھڑا لیا۔

۱۵۹۴ء میں سلطنت بیجاپور کا محاصرہ کیا گیا مگر چاند بی بی نے اس محاصرہ کو توڑ دیا اور نہایت جرأت کے ساتھ لڑ کر دشمن پر فتح پائی۔

۱۵۹۵ء میں شہنشاہ اکبر کی فوج نے جب احمد نگر کا محاصرہ کیا

تو اگرچہ اس وقت تمام ملک میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اور چاند بی بی کے پاس کافی فوج نہ تھی مگر وہ ہمت نہ ہاری اور اپنے سپاہیوں کو قلعہ کے برجوں اور دریچوں میں مقرر کر دیا۔ اور دروازوں اور پھاٹکوں پر دلاور و بہادر سپاہی متعین کئے۔ شہزادہ مراد نے جو اکبر کی طرف سے اس محاصرہ پر مامور تھا قلعہ کے نیچے ہی نیچے سرنگ لگانی شروع کی۔ جب چاند بی بی کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے ان کو بھروانا شروع کیا۔ لیکن ہنوز سب سرنگیں پوری نہ بھری جا چکیں کہ شاہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا اور ایک ہی سرنگ سے قلعہ کی پچاس گز دیوار گر پڑی۔

چاند بی بی کی فوج نے جو شہزادہ مراد کی فوج پر نظر ڈالی تو وہ بدحواس ہو گئی لیکن یہ بہادر عورت اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر اور تلوار ہاتھ میں لے کر بند برقع پہنے ہوئے نمودار ہوئی شہزادہ اس ارادہ میں تھا کہ باقی سرنگوں کے اڑاتے کے بعد حملہ کیا جائے مگر چاند بی نے تھوڑی ہی دیر میں توپوں اور سپاہیوں کی دیوار مسمار شدہ دیوار کی بجائے کھڑی کر دی اور تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑائی پر آمادہ کر دیا اور اس دلیری کے ساتھ فوج کو لڑایا کہ باوجود شہزادہ مراد اور اکبری فوج کی بے انتہا کوشش و جانبازی کے قلعہ فتح نہ ہو سکا اور شام تک قلعہ کی خندق سپاہیوں کی لاشوں سے پٹ گئی۔ رات بھر میں اس دلیر خاتون نے ٹوٹی ہوئی دیوار کو ۳ گز اونچا بنا دیا۔ صبح کو اکبری فوج کے سامنے وہی پہلی دیوار موجود تھی۔

چاند خاتون کی اس بہادری اور مستقل مزاجی پر ہر موافق و مخالف

حیران رہ گیا اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔
لیکن یہ بہادر عورت ۱۵۹۹ء میں اپنے ہی باغی سپاہیوں کے ہاتھوں ماری گئی۔

لفٹننٹ فاطمہ خانم

آپ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ ایک مسلمان عورت کے نام میں ایک فوجی منصب (لفٹننٹ) کا فقرا شامل ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ترکی یونانی جنگ اور اس کے علاوہ ان دوسری جنگوں نے جو ترکوں کو لڑنی پڑی ہیں ترکوں نے عورت مرد دونوں بہادر فوجی افسر پیدا کئے ہیں۔

اناطولیہ کے جنگی میدانوں میں حفاظت وطن کی خاطر بہت سی خواتین نے موت سے بے پروا ہو کر جنگ کی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انہوں نے بکشادہ پیشانی میدان جنگ میں موت کا استقبال کیا ہے ان کی خوددار ہستیوں نے اس امر کو گوارا نہیں کیا کہ ایسی حالت میں جبکہ دشمنوں کی تلواریں باشندگان اناطولیہ یا ان کے عزیز نوجوانوں کے سروں پر چمک رہی ہوں وہ گھروں میں بیٹھی رہیں وہ اپنے گھروں سے نکلیں میدان جنگ میں داخل ہوئیں اور جنگ کے مصائب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

لفٹننٹ فاطمہ خانم انہیں خوددار عورتوں میں سے ہے جس کے ذکر سے تاریخ کے اوراق ہمیشہ زریں رہیں گے۔ لفٹننٹ فاطمہ خانم

انگورہ میں ایک قومی عَلم کی حیثیت رکھتی تھی اور مجاہدین میں قربانی کی تحریک کو جوش میں لاتی رہتی تھی۔ ذیل میں موصوفہ کی زندگی کے مختصر واقعات عربی اخبار اقبال سے ترجمہ کر کے درج کئے جاتے ہیں تاکہ خواتین ان کو پڑھ کر عبرت حاصل کریں۔

لفٹننٹ فاطمہ خانم ارض روم میں جو ان کی ماں کا وطن تھا پیدا ہوئی آپ کے والد کا نام بکباشی (میجر) مرزا بک تھا اور وہ سیواس میں رہتے تھے پھر انہوں نے قسطنطنیہ میں اقامت اختیار کی اور یہیں لفٹننٹ فاطمہ خانم کی تعلیم و تربیت ہوئی اور ایک فوجی افسر سے جو گذشتہ جنگ یورپ میں مقام قدس پر شہید ہوا تھا شادی کردی گئی لفٹننٹ خانم عین عالم شباب میں بیوہ ہوئی اور شوہر کی شہادت کے بعد اس نے قسم کھائی کہ وہ اپنے شوہر کا انتقام لے گی اور ضرور لے گی اور وہ انتقام کی راہ میں شہید ہو کر جنت میں جائیگی اور اپنے محبوب شوہر سے ملے گی۔ عرصہ تک شوہر کی شہادت کے بعد وہ عرصہ تک فکر و ترہم میں مبتلا رہی لیکن جس قدر وقت گزرتا گیا اس کے دل و دماغ میں انتقام کا جوش بڑھتا گیا اور جو آگ اس کے دل میں روشن تھی وہ برابر بھڑکتی رہی کچھ عرصے کے بعد لفٹننٹ فاطمہ خانم نے معاہدہ ردس کو پڑھا جس نے ترکوں کے کاندھوں پہ بھاری بوجھ ڈال دیا تھا اور وہ ذلت وحقارت کا بوجھ تھا پھر اس نے بعد کے واقعات کو دیکھا کہ برابر عثمانی قوم پر حملہ کیا جا رہا ہے اور ترکی حکومت کو تباہی کے غار کی طرف ڈھکیلا جا رہا ہے اس نے ان تمام واقعات کو دیکھا تو اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اس نے ذلیل زندگی بسر کرنے

پر موت کو ترجیح دی اور آخر آستانہ سے ہجرت کر کے وہ ازمیت چلی گئی۔

آستانہ سے وہ ازمیت کی طرف تین سو پچاس مجاہدوں کو لے کر چلی اور ان کی رہنمائی کی تو پھر اس جماعت کی تعداد نو سو پچاس تک پہونچ گئی اور اس نے اپنے مجاہدوں کیساتھ متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔ جنگ کے موقعوں پر وہ اس قدر نڈر ہو کر کام کرتی تھی کہ گویا موت اس کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے اور اپنے پہلو میں شیر ببر کا دل رکھتی ہے۔

عرصہ تک وہ ازمیت میں یونانیوں سے لڑتی رہی اور ان معرکوں میں اس کے دائیں بازو میں گہرا زخم آیا اس زخم کے اچھا ہونے پر وہ مرسل کملیک کی طرف بڑھی ان مقامات کے معرکوں میں اس کی پنڈلی پر گولی لگی اور وہ نقل و حرکت سے عاجز ہو گئی اس زخم کے مندمل ہو جانے پر اس نے پھر جہاد شروع کیا اور قانیارجہ کی سمت اس نے بڑھنا شروع کیا اس معرکہ میں اس کے دائیں پستان پر گولی لگی لیکن اس نے پروانہ کی اور برابر دشمنوں سے لڑتی اور آگے بڑھتی رہی مگر زخم کی شدت نے آخر اس کو چند روز آرام لینے پر مجبور کیا اور جب زخم اچھا ہونے کے قریب ہوا تو وہ پھر شیر دل کی طرح اٹھی اور دشمنوں سے لڑنا شروع کیا۔

مختصر یہ کہ لفٹننٹ فاطمہ خانم اسی طرح لڑتی بھڑتی ایک میدان سے دوسرے میدان میں بڑھتی رہی یہاں تک کہ وہ سپارٹا اور دکزلی کے میدان پہنچ گئی اور مختلف مقامات پر اس نے یونانیوں کو زبردست

شکستیں دیں۔ ان معرکوں میں اس کا داہنا ہاتھ زخمی ہوا اور وہ یونانیوں کے ہاتھوں ایک معرکہ میں گرفتار ہو گئی لیکن دس روز نہ گزرے تھے کہ اس نے موقع پا کر یونانیوں سے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور چار بندوقیں مال غنیمت میں یونانیوں سے حاصل کر کے بھاگ آئی ان بندوقوں کو وہ اپنی گرفتاری کی یادگار سمجھتی تھی اور بہت احتیاط سے ان کو رکھتی تھی۔

آج وہ اپنے کارناموں کی بدولت جو اس نے اناطولیہ میں انجام دیئے ایک بڑی فوجی افسر کی حیثیت رکھتی تھی اور بیش قیمت فوجی معلومات اس کو حاصل تھیں اور وہ اس وقت ازمیت کی اس سپاہ کی قیادت کر رہی تھی جو قوجا ایلی کے منطقہ میں پھیلی ہوئی تھی۔

لفٹننٹ فاطمہ خانم نے ایک گفتگو کے دوران میں بیان کیا کہ اب میں نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی جان کو موت کے حوالہ کر دونگی اور میں اپنے شہید شوہر سے خدا کے حضور میں شرمندہ نہ ہوں گی کیونکہ میں نے انتقام لے لیا ہے۔ میں نے نہ صرف اپنے شوہر کا انتقام لیا ہے بلکہ اپنی تلوار سے ترکی خواتین کی عظمت و عزت کے صفحات کو روشن کر دیا ہے اور اپنے سر کو مجد و شرف کے تاج سے زینت بخشی ہے۔

بلاشبہ لفٹننٹ فاطمہ خانم کے کارناموں نے عثمانی مجاہدین میں ہمت و شجاعت اور جوش کی ایک نئی روح پیدا کر دی تھی اور آخر اس روح نے میدان جیت لیا اور قومی آزادی کو فنا ہونے سے بچا لیا۔

(ماخوذ)

تقریب نشرح

(بسم اللہ)

مسلمانوں میں نشرح کی تقریب مذہبی تعلیم کی تقاریب میں ایک خاص تقریب ہے اس تقریب کے ساتھ مسلمان عورتوں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے اور ہر امیر و غریب گھر میں اپنے حوصلہ کے مطابق تکلفات وغیرہ کئے جاتے ہیں۔ ان تکلفات کے اہتمام میں عورتوں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔

بھوپال کے خاندان شاہی میں بھی عرصہ سے اس تقریب کا دستور ہے خصوصاً بیگمات بھوپال نے ہمیشہ اس میں نہایت فیاضی اور دریا دلی ظاہر کی ہے۔

علیا حضرت حضرت سرکار عالیہ دام ملکہا کے فرزند اصغر عالی جناب نواب زادہ افتخار الملک بہادر کی نور نظر صاحبزادی عابدہ سلطان صاحبہ سلمہا کے تقریب کی مکمل روئداد ریاست کی ایک محترم خاتون خسرو جہاں بیگم نے کتابی صورت میں مرتب کی تھی اس تقریب کا اصل حصہ درج کیا جاتا ہے۔ تقریب کا حال ایسے پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ اس کا نظارہ صفحات قرطاس پر بھی آسانی سے ہو سکتا ہے۔

قصر سلطانی کے سب سے بڑے دالان میں جو اعلیٰ فرش و

فرش سے آراستہ تھا ایک تخت سجایا گیا تھا۔ یہ تخت ریگہ[1] کی صورت کا تھا اس پر گلابی پردے ڈالے گئے تھے اور اس کی چھت جگمگاتے ہوئے کپڑے کی تھی اور فرش مخمل کا تھا۔ تخت کی گلاب اور جوہی کے پھولوں سے آرائش کی گئی تھی ایک چھوٹا سا دروازہ تخت کے پیچھے عروس نشرح کے آنے کے لئے رکھا گیا تھا اور سامنے کی طرف ایک محراب نما دروازہ بنایا گیا تھا دروازہ کے پھولوں میں آبنوس اور صندل کی دو نفیس رحلیں رکھی ہوئی تھی۔ جن پر دو نفیس خوبصورت جزدانوں میں قرآن مجید تھے۔ تخت کے قریب ہی اختران عروس استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ یہ اختران عروس خاندان و اراکین ریاست کی نو لڑکیاں منتخب ہوئیں جو ٹرکش حرم کے لباس میں تھیں اور جن کا پورا لباس بادشاہ پسند کے رنگ میں تھا۔

تمام دالان مہمان بیگمات و خواتین سے معمور تھا۔ تخت کے بالمقابل عین سرے پر سرکار عالیہ اور بیگمات خاندان کی نشست تھی۔ چھ بجے صاحبزادیوں کے تشریف لانے کی آہٹ معلوم ہوئی اور ایک خاتون نے بلند آواز سے "خاموش" کہہ کر حاضرین کی توجہ کو صاحبزادیوں کے تشریف لانے کی طرف مائل کیا اور بہ یک لمحہ صاحبزادیاں خراماں خراماں تشریف لائیں۔ اختران عروس نے استقبال کیا۔ چنور برداروں نے چنور ہلانا شروع کئے اور دونوں تخت سعادت پر جلوہ افروز ہوئیں اس وقت ایک عجیب سکوت اور محویت کے

---

[1] ریگہ اس تخت کو کہتے ہیں جس پر عرب میں دلہن بٹھائی جاتی ہے۔

نظارہ کا عالم طاری ہوگیا۔ دونوں نور کی مورتیں یا جنت النعیم کی حوریں عربی لباس میں ملبوس تھیں جس کا آسمانی رنگ تھا۔ دونوں صاحبزادیوں کے سر پر عرب کا قصاوہ تھا اور مجیدیوں کے بندھن سے باندھا گیا تھا اس پر تاج الماس تھا۔ مجیدیاں آفتاب کی کرن بنی ہوئی تھیں۔ مقیش سہرے پر موتی کی لڑیاں لٹک رہی تھیں اور یہ سہرا اس طریقے سے بنایا گیا تھا کہ ان مہر و ماہ کے چہروں پر نقاب نہ بن جائے۔ دوپٹہ اسی انداز سے اوڑھے ہوئے تھیں جس طرح نماز میں اوڑھا جاتا ہے اور اس میں ان کا چہرہ بالکل نور معصومیت بن کر نظر آرہا تھا پاؤں میں کوئی زیور نہ تھا کیونکہ وہ اسے ترک کر چکی ہیں لیکن گلے اور ہاتھوں میں کچھ مرصع زیورات تھے کانوں میں ہیرے کے بندے تھے جو چہروں کی شعاع نور سے ماندہ ہو رہے تھے۔

اس شان کے ساتھ دونوں صاحبزادیاں پیکر نور بنی ہوئی تخت پر جلوہ افروز تھیں ہر طرف ایک عالم سکوت اور خاموشی تھا کہ صاحبزادی عابدہ سلطان صاحبہ نے نہایت ادب و تعظیم سے اپنی معصوم آواز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور سورہ بقر کا پہلا رکوع الم سے مفلحون تک اور للہ ما فی السمٰوٰت کو امن الرسول سے ختم سورہ تک اور پارہ تبارک الذی میں سے سورہ مرسلات کا پچھلا رکوع ایسی بلند آواز اور ایسے لہجہ میں پڑھا کہ اس وقت ہر انسان تصویر ادب تھا اور خالق ارض و سما کی عظمت و جلال اور اس کی رحمت سے دل متاثر ہو رہے تھے۔

جب یہ رکوع ختم ہوا تو آمنا باللہ وحدہٗ کی آوازوں سے مکان

گونج گیا اس کے بعد معوذتین پڑھ کر اپنی قرأت کو ختم کیا صاحبزادی ساجدہ سلطان صاحبہ نے بہت ہی بے تکلفی سے اس لہجہ اور طرز و ادا کے ساتھ سورہ بقر کا اول رکوع مفلحون تک اور سورۂ بقر کا آخری رکوع فانصرنا علی القوم الکافرین اور معوذتین پڑھ کر قرأت پڑھ کو ختم کیا سورہ مرسلات کا رکوع نہیں پڑھا کیونکہ یہ نشرح سورہ بقر کا تھا نہ کہ ختم قرآن کا۔

جب ان دونوں نے یکے بعد دیگرے قرآن مجید کی سورتوں کو پڑھا ہے تو نورٌ علی نور کی کیفیت آنکھوں کے سامنے آگئی۔

ختم قرآن کے بعد سرکار عالیہ نے دونوں قرآن مجید صاحبزادی عابدہ سلطان صاحبہ کے ہاتھوں میں دیئے اور وہ ان کو لئے ہوئے رنگیہ سے باہر نکلیں۔ تمام بیگمات اور خواتین نے سروقد تعظیم ادا کی۔ عابدہ سلطان صاحبہ کے پیچھے ساجدہ سلطان صاحبہ تھیں اور صفوں کے درمیان خراماں خراماں متحرک نور کی طرح سے چاندی سونے کے پھولوں کی بارش میں جو چاروں طرف سے ان پر نچھاور کیئے جا رہے تھے اپنے خاندان کی صف میں شامل ہونے کو جا رہی تھیں اور وہ بیگمات نہایت ذوق وشوق سے ان پھولوں کو چن رہی تھیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ پھول بہت سے مرضوں کی دوا ہیں۔ قریب پہنچ کر اپنی چچیوں اور بیگمات خاندان کو سلام کیا اور سب نے دعاؤں کے ساتھ ان کو پیار کیا جب یہ بیٹھ گئیں تو اختر ان عروس نے باآواز بلند ایک رکوع قرآن مجید کا مصری لہجہ میں پڑھا۔ واقعی یہ عجب سماں تھا اور عجیب شان عظمت وجلال نظر آتی تھی اور نور رحمت آنکھوں

سے نظر آتا تھا۔ رکوع ختم ہونے کے بعد سرکار عالیہ کی ایک جدید تالیف فضائل رحمانی کو جو اس موقع کے لیے حضور ممدوحہ نے تالیف فرمائی تھی جستہ جستہ پڑھا گیا جس میں بسم اللہ۔ سورہ فاتحہ۔ قرآن مجید اور درود و سلام کے ایسے فضائل تھے کہ جو احادیث میں مروی ہیں اس کے بعد موئے مبارک کی زیارت ہوئی یہ وہ موئے مبارک ہے جس کو خلیفۃ المسلمین سلطان المعظم محمد رشاد آفندی انار اللہ برہانہ نے ۱۹۱۱ء میں سیاحت قسطنطنیہ کے زمانہ میں سرکار عالیہ کو تحفۃً دیا تھا جو قصر سلطانی میں ایک صندل سفید کے حجرہ میں محفوظ ہے۔

زیارت کے بعد سب بیگمات اور خواتین نے کھانا کھایا اور عطر و پان تقسیم ہوئے گلاب پاشی کی گئی اس طرح نو اور دس بجے رات کو یہ تقریب ختم ہوئی۔

چند نصیحتیں

(۱) **ماں کی بیٹی کو نصیحت** اسماء بنت خارجہ فزاری نے اپنی بیٹی سے جس وقت ان کا نکاح کیا تو کہا کہ تم اب اس گھر سے نکلتی ہو جس میں تم نے اب تک وقت گزارا۔ اب تم ایسے گھر کی جانب چلی ہو کہ اسے نہیں پہچانتیں اور ایسے شخص سے سابقہ ہوتا ہے جس سے تم مانوس نہیں، تم اس کے لئے زمین ہو جاؤ وہ تمہارے لئے آسمان ہو جائے گا تم اس کی

لونڈی بن جانا وہ تمہارا غلام بن جائے گا اس کی ناک کان آنکھ کی بہت نگہداشت رکھنا وہ تم سے سوائے عمدہ خوشبو کے کچھ نہ سونگھے، نہ سوائے عمدہ بات کے اور کچھ سنے، نہ سوائے عمدہ برتاؤ کے اور کچھ دیکھے۔

مجھ سے کوئی قصور ہو تو تم معاف

(۲) شوہر کی بیوی کو نصیحت کر دیا کرو۔ ہر وقت مجھ سے محبت و مودت کا برتاؤ کیا کرو، جس وقت میں غصہ کروں اور غصہ کا جوش ہو تو اس وقت چپ ہو جایا کرو اور کبھی بلند آواز سے نہ بولا کرو نہ بہت زیادہ شکوہ و شکایت کیا کرو کہ وہ محبت کو زائل کر دے اور میرا دل تم سے پھر جائے۔ کیونکہ اکثر اوقات دل پھر جایا کرتے ہیں میں دیکھتا ہوں کہ جب محبت و اذیت دونوں کسی دل میں جمع ہوتی ہیں تو محبت نہیں ٹھہر سکتی۔

(۳) زمانہ جاہلیت کی ایک عربی ماں کی نصیحت

میری پیاری بیٹی اگر علم و ادب کی زیادتی اور عقل کے کمال کی وجہ سے کسی کو نصیحت کرنا نامناسب ہوتا تو چونکہ تو بھی ماشاء اللہ بہت عاقلہ اور فہیمہ ہے میں بھی تجھ کو نصیحت نہ کرتی لیکن جن کو نصیحت کی جاتی ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں غافل یا عاقل اگر وہ عاقل ہے تب تو اس کو نصیحت آئندہ نتائج کو یاد دلا دیتی ہے اور اگر وہ غافل ہے تو وہ نصیحت اس کے لئے ایک خیر خواہ اور معین کا کام دیتی ہے۔

بیٹی! اگر والدین کی دولت یا مال وجہ سے کیا ان کو اپنی بیٹیوں

سے زیادہ الفت اور ان کو ان کی زیادہ ضرورت ہے لڑکیاں خاوندوں سے مستغنی ہوتیں اور اپنے ماں باپ کے ہاں رکھی جا سکتیں تو تو سب سے زیادہ حق دار تھی اس لئے کہ تیرے ماں باپ بڑے دولت مند بھی ہیں اور تجھ سے محبت بھی زیادہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور مرد عورتوں کے لئے۔

بیٹی! جس گھر میں تو نے پرورش پائی تھی اور جس گھوارہ میں تو نے آج تک آرام کیا تو اس کو چھوڑ کر ایک ایسے کنبے میں جاتی ہے جس کو تو پہچانتی نہیں اور اب تجھ کو ایسے ہمنشین کے ساتھ عمر گذارنی ہوگی جس سے تو اس وقت تک مانوس نہیں ہوئی اور نہ اس کی صورت دیکھی۔

بیٹی! وہ ہمنشیں تیرا مالک اور محافظ ہوگا اس لئے تجھ کو لازم ہے کہ تو اس کی لونڈی بن جائے تاکہ وہ تیرا غلام و مطیع ہو جائے۔

بیٹی! میری دس باتیں یاد رکھنا وہ تیرے لئے بہترین جہیز ہوں گی خاوند کے ساتھ قناعت سے بسر کرنا۔ خاوند کی اطاعت اور تابعداری کرکے رہنا۔ یہ خیال رکھنا کہ اس کی نظریں کہاں کہاں پڑتی ہیں تاکہ وہ تیری کوئی بری بات نہ دیکھ سکے اس کا لحاظ رکھنا کہ اس کی ناک میں کہاں کہاں کی خوشبو یا بدبو جاتی ہے تاکہ وہ تجھ میں سے کبھی بدبو نہ سونگھ سکے۔ حسن کی زینت زیادہ تر سرمہ میں ہے۔ پانی بے نظیر خوشبو ہے اس کا خیال رکھنا کہ خاوند کھانا کس وقت کھاتا ہے جس وقت وہ سوتا ہو اس وقت گھر میں شور و شر نہ ہونے دینا۔ اس لئے کہ بھوک کی حرارت آدمی کو خواہ مخواہ بھی بھڑکا دیتی ہے اور نیند کا خراب

ہونا ناراضی کا سبب ہو جاتا ہے۔ خاوند کے گھر اور مال کو محفوظ رکھنا۔ خاوند کی جان اس کے خدام اس کے لواحق و توابع کا پورا خیال رکھنا اس واسطے کہ مال کی حفاظت سے خاوند راضی رہے گا اور اس کے خدام وغیرہ کی مراعات سے وہ سب دراندازی کر کے دل کو بی بی سے نہ پھیر سکیں گے۔ خاوند کے کسی بھید کو کسی پر ظاہر نہ کرنا اس واسطے کہ اگر تو نے اس کے بھید کو کسی پر ظاہر کر دیا تو یاد رکھ کہ وہ بھی تیرے ساتھ یقیناً بے وفائی سے پیش آئے گا۔ خاوند کی کبھی نافرمانی نہ کرنا۔ اگر تو نے اس کی نافرمانی کی تو یقیناً تو نے اس کے دل کو اپنی طرف سے پھیر دیا اور یہی خیال رکھنا کہ اگر وہ کسی وقت تیرے پاس غمگین بیٹھا ہو تو اس کے ساتھ خنداں و شاداں نہ رہنا تاکہ وہ یہ خیال نہ کرے کہ اس کو میرے حزن و ملال کی کچھ پرواہ نہیں اگر وہ کسی وقت خوش ہو کر تیرے پاس آوے تو تو اس کے پاس غمگین ہو کر نہ بیٹھنا کہ اس کو اپنی خوشی کے خاک میں مل جانے سے رنج ہو۔

بیٹی! تو سب سے زیادہ اپنے خاوند کی اطاعت و مراعات کرنا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ تیرا خیال رکھے گا اور جس قدر تو اس کی موافقت کرتی رہے گی اسی قدر تو اس کے ساتھ عیش و عشرت سے بسر کر سکے گی اور خوب اچھی طرح سے سمجھ لے کہ تو آج کے بعد سے اپنی خواہشات کو اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں کر سکتی جس وقت تک کہ تو اپنی رضا پر خاوند کی رضا کو ترجیح نہ دینے لگے اور اس کی خواہشوں پر مقدم نہ کرنے لگے۔ جو کچھ مجھ کو کہنا تھا میں کہہ چکی اللہ تعالیٰ تجھ کو خیریت کے ساتھ رکھے۔

شوہر سے محبت

شوہر کی عزت کرنا اور اس کی محبت رکھنا عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کے ساتھ بے حد محبت رکھتی تھیں۔ جب حضور کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو امہات المومنین بخیریت واپس آنے کے لئے دعا مانگا کرتی تھیں اور جب حضورؐ واپس آجاتے تھے تو شکریہ کے نوافل پڑھا کرتی تھیں۔

• طبقات ابن سعدؒ میں ہے کہ حضور کی صحابیات بھی اپنے شوہروں کے ساتھ نہایت محبت رکھتی تھیں۔

• سنن ابن ماجہؒ میں ہے کہ حمنہ بنت حجشؓ ایک نہایت نیک بخت خاتون تھیں ایک بار ان کے شوہر علیل ہوئے۔ تو وہ متواتر دو مہینے بیدار رہیں اور شوہر کی تیمار داری میں مصروف رہیں۔

• ابو داؤد میں ہے کہ حضرت زینب (بنت رسول اللہ) کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ ایک عرصہ تک حالتِ کفر میں رہے یہاں تک کہ بدر کا واقعہ پیش آگیا اور گرفتار ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کو فدیہ لے کر رہا کرنا چاہا۔ تمام لوگوں نے اپنے فدیئے پیش کئے۔ ابوالعاص کے پاس کچھ نہ تھا وہ نہایت متردد ہوئے۔ جب حضرت زینب کو خبر ہوئی تو انہوں نے قیمتی ہار جو حضرت خدیجہؓ نے بطور یادگار دیا تھا اور جس کو وہ ایک لمحے کے لئے بھی جدا نہ کرتی تھیں برضا و رغبت اپنے

خاوند کے فدیئے میں حضور کے پاس بھیجدیا۔ حضور نے دیکھا تو سخت رقت طاری ہوئی اور صحابہ کے مشورہ سے رہا کردیا اور "ہار" بھی واپس کردیا۔

حضرت عاتکہ رضؓ کو اپنے شوہر عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی۔ چنانچہ جب وہ غزوہ طائف میں شہید ہوئے تو فرط محبت اور فرط غم سے حضرت عاتکہ بے ہوش ہوگئیں۔ پھر جب ہوش آیا تو ایک پُر درد مرثیہ لکھا جس کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے۔

"میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری
آنکھ ہمیشہ پُرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود
رہے گا۔"

حضرت ام سلیمؓ کو اپنے شوہر حضرت ابوطلحہ رضؓ سے بے حد محبت تھی۔ اگر کبھی وہ علیل ہوجاتے تھے تو ام سلیم بھی نصف بیمار ہوجاتی تھیں اور ہر وقت پریشان رہتی تھیں۔ حضرت ابوطلحہ کا بیان ہے کہ ام سلیم نے ہمیشہ اپنے آرام پر میرے آرام کو مقدم سمجھا۔ کبھی بھی رنج نہیں پہونچایا۔ کبھی میری مخالفت نہیں کی اور ہر وقت میری اطاعت کی۔ میں اگر کسی بات پر مغموم ہوا تو مجھے اطمینان دلایا اور مجھے خوش کیا۔

تاج النسا بیگم حیدرآبادی

اہلیہ محترمہ شاہ کمال اللہ چشتی القادری السہروردی قدس سرہٗ عرف مچھلی والے شاہ صاحبؒ۔ ایک ذی علم اور عارفہ کاملہ تھیں اور حضرت موصوف کی پیر و مرشد سے بیعت تھیں۔ ذاکر شاغل تھیں۔ تصرف کے معاملات اچھے تھے، عالم باعمل تھیں۔ تقریباً ۱۳۳۵ھ میں بعارضہ طاعون وصال ہوا۔

اکثر عورتوں کی تربیت کرتی رہتی تھیں۔ عورتیں ان کو پیرانی ماں سے مخاطب کیا کرتی تھیں۔ نزع کے عالم میں ایک معتقد عورت نے پوچھا کہ پیرانی اماں مجھے کوئی اچھی کتاب کا نام تلایئے جس کو میں پڑھا کروں تو فرمایا کہ تو نے دیکھا کہ میں تو اب اپنے مالک کے پاس جا رہی ہوں میری کتابیں سب طاق میں رہ گئیں اور فرمایا کہ کتابیں کام نہ آئیں گی۔ عمل مقدم ہے۔

اکثر مراقبہ میں مستغرق رہا کرتی تھیں۔ ایک روز اپنا ایک فارسی شعر حضرت کو سنایا ؎

آنکہ اندر زمانِ استغراق　　　ہر کہ گوید انا خطا نبود

بعد وصال خواب میں آئیں۔ حضرت نے پوچھا کہ کہو کیسی گزری تو عرض کی کہ مجھے موت میں بڑا مزا آیا۔ ہزار زندگیاں ایسی موت پر قربان ہیں۔ غرض بڑی صالحہ عابدہ اور عارفہ تھیں۔

مدفن۔ قبرستان مسجد ٹھگی جیل حیدرآباد دکن۔

منور بیگم

یہ پوتی اللہ وردی خاں۔ دیوان نواب ذوالفقار خاں عالمگیری۔ آخر بارہویں صدی ہجری کی فاضل و عالم خاتون تھیں، عورتوں کو پند و نصیحت کے عنوان سے ایک مثنوی الموسوم بہ توشہ عاقبت لکھی تھی جس کے آٹھ سو اشعار ہیں۔ مثنوی کا ماخذ فقہ و سیر کی مستند کتابیں ہیں۔ مثلاً بحر الرائق، ہدایہ، فتادی قاضی خاں، احادیث و تفاسیر وغیرہ۔ بدکردار عورتوں کے حق میں تیغ برہنہ تھیں، عورتوں کی بُری طرح خبر لی ہے۔ جس کے دو ایک اشعار یہ ہیں۔

تُف ہے بی بی تپے پرائے بی بی بلکہ لعنت ہزار از غیبی
تف ترے حسن والیی سیرت پر تف جوانی پہ ایسی مورت پر

زیب النسا عصمتؔ

فارغ التحصیل عالم تھیں عمدۃ النسا زوجہ خواجہ غلام غوث بیخبرؔ خاں بہادر ذوالقدر بنت مفتی انعام اللہ خاں بہادر اکبرآبادی کی تعلیم یافتہ[1] تھیں۔ علم سے دلی لگاؤ تھا۔ شادی نہیں کی۔ مولانا غلام امام شہیدؔ لکھنوی کی مرید تھیں۔ پیر کی شان میں قصیدہ جو کہا ہے اس کا ایک شعر پیش ہے۔ ۱۸۵۰ء میں دارالبقا کو سدھار گئیں ؎

در وصف شہیدی کہ شہید ست قدم را کوتاہ بزبانم کہ چہ آرائے رقم را

---

[1] داستان تاریخ اردو دانشگاہ بیخبر

بی بی خدیجۃ النساء

یہ خاتون مفتی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی کی صاحبزادی اور مولوی معظم الحق ابن ذکی الدین محمد خاں فاروقی صدرالصدور کی نواسی تھیں. نانا سے علوم دینی کی تحصیل کی۔ آپ نے شاعرات کا تذکرہ مرتب کیا تھا جو شائع ہوگیا ہے۔ آپ کے صاجزادے مفتی محمد حسن گوپاموی تھے جنہوں نے والدہ سے ہی تعلیم پائی تھی۔ مشہور مصنف تھے خم خانہ جاوید میں ان کا ذکر تحریر ہے۔ ۱۲۷۴ھ تک بقید حیات تھیں۔
(تاریخ مفتیان گوپاموٗ)

-×× - ××-

سیدۃ النساحرمان

مولانا فضل حق خیرآبادی کی دختر نیک اختر اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کی ہمشیرہ تھیں۔ باپ نے تعلیم دی تھی۔ عربی میں ان کو بڑا درک حاصل تھا۔ معقولات میں بھی اچھی استعداد تھی۔ مولوی سید حسین ابن سید تفضل حسین خیرآبادی سے منسوب تھیں۔ خان بہادر اعتبار حسین مضطر خیرآبادی آپ کے صاجزادے تھے۔ جنہوں نے علوم کی تحصیل اپنی والدہ ماجدہ سے کی۔

راقم سطور کی پھوپھی عمدۃ النساء زوجہ خان بہادر ذوالقدر خواجہ

غلام غوث بے خبر سے حرمان کے تعلقات عزیزانہ تھے۔ خیر آباد سے جب ٹونک بیٹے کے پاس جاتیں وہ آگرہ چند یوم عمدۃ النسا کے پاس ٹھیرتیں۔ آپ کا ایک شعر نقل ہے۔

خانہ یار کا تم کو کیا پتہ بتلاؤں
جیسا مشتاق ہو نزدیک بھی ہے دور بھی ہے

عمدۃ النساء بیگم

عمدۃ النسا بنت خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی ثم اکبر آبادی ۱۸۳۴ء میں الہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ صدر نظامت آگرہ منتقل ہوا باپ سرکاری وکیل تھے وہ آگرہ آئے یہ بھی آئیں۔ نیل کے احاطہ میں مقیم ہوئیں۔ باپ سے فارسی عربی کی تعلیم پائی۔ درسیات فارسی کی تکمیل زیب النساء بیگم معلمہ سے کی۔ باپ نے لکھنا نہیں سکھایا۔ متوسطات تک عربی کی تحصیل تھی ۱۴ یا ۱۵ برس کی عمر میں خواجہ غلام غوث خان بہادر ذوالقدر سے عقد نکاح ہوا۔ اس زمانہ میں خواجہ صاحب لفٹننٹ گورنر مغربی وشمالی کے میر منشی تھے۔ میاں دبوی میں بے حد خوش گوار تعلقات ایک عرصہ تک رہے۔ خواجہ صاحب نے ڈپٹی محمد حسن الہ آبادی کی بہن سے شادی کی بےخبر سے یہ کبیدہ خاطر ہو گئیں اور میکے میں آکر مقیم ہو گئیں مگر خواجہ صاحب پچاس روپیہ ماہوار اپنی وفات تک دیتے رہے اور بے حد خواہش تھی کہ کشیدگی دور ہو جائے مگر عمدۃ النساء کا کہنا یہ تھا کہ مجھ سے

دریافت کرلیتے۔ اب خدا کے یہاں فیصلہ ہوگا۔ چنانچہ آپ کے تین بھائی مولوی اکرام اللہ صاحب تصویر الشعرا مفتی افہام اللہ ساحر اور ڈاکٹر الہام اللہ تھے ہر ایک بھائی اطاعت گزار اور بہن کا گرویدہ تھا۔

ڈاکٹر الہام اللہ کی دختر احمد النساء کو بہت عزیز رکھتی تھیں۔

عمدۃ النساء نے تیس برس تک ایک مکان سے دوسرے مکان میں قدم نہ رکھا کہ شوہر سے اجازت نہیں لی تھی۔ ڈپٹی نثار علی بیگ نے خواجہ صاحب سے خط کے ذریعہ اجازت لی تو خواجہ صاحب نے لکھا جہاں آپ کی والدہ جاتی رہی ہوں وہاں وہ جا سکتی ہیں چنانچہ وہ اپنے بھائیوں کی سسرال کبھی نہیں گئیں کیونکہ والدہ کے انتقال کے بعد یہ شادیاں ہوئی تھیں۔

غریب بڑھیوں کی خفیہ مدد کرتی تھیں۔

مرزا زین العابدین کی دختر ولایتی بیگم اور منصف نظام علی خاں افضل کی دختر افضل النساء اور مرزا وقار علی بیگ کی بہن زوجہ مرزا نثار علی بیگ بہنیں بنی ہوئی تھیں۔ افہام اللہ ساحر کے انتقال کا بڑا صدمہ اٹھایا۔ ۱۲ برس ان کی لحد پر سوئیں۔ جوانی کے ایام اس غم میں گزار دیئے۔

ڈاکٹر الہام کی زوجہ لاڈو بیگم اور مولوی اکرام اللہ کی زوجہ محمدی بیگم بنت ملک باقر علی حسینی بلہوری ہر دو بھاوجیں اپنی نند کی اطاعت گذار تھیں۔

محمدی بیگم والدہ راقم سطور جو میر فیض علی بریلوی کی نواسی تھیں

جن کے بطن سے اسلام اللہ صوفی اکبرآبادی اور احسان اللہ اور راقم سطور تھے۔ ان سب کی پرورش اور تعلیم و تربیت عمدۃ النسا نے کی ایک کوٹھی (بابو گنج) اور چند مکان آپ کی ملکیت تھے۔

تمام زندگی خوش اسلوبی سے گزاری اوراد وظائف کی بڑی پابند سورہ واقعہ روزانہ سوتے وقت پڑھتیں۔ ۱۹۱۲ء میں انتقال ہوا۔ درگاہ شاہ ابوالعلا احراری میں اپنے والد مفتی انعام اللہ کے پہلو میں نیم کے درخت کے نیچے مغربی و جنوبی گوشہ میں دفن ہوئیں۔

افضل النساء

افضل النسا بنت نظام علی خاں متخلص بہ افضل[1] منصف فتح آباد باپ سے رسمی تعلیم پائی۔ طب بھی پڑھی۔ مولوی اصغر علی خاں ڈپٹی کلکٹر بھرت پور کو منسوب تھیں۔ شوہر مثلیں مقدمات کی مکان پر لے آتے یہ فیصلہ لکھتیں صرف اصغر علی خاں دستخط کر دیتے۔ آخر عمر میں حج کیا اس کی روداد سفرنامہ کی صورت میں لکھی۔ جس کا تعارف شاہ محمد اکبر داناپوری نے تحریر کیا ہے۔ حکیم ریاض علی اکبرآبادی طب میں شاگرد تھے۔ ۱۹۱۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔

---

[1] آخری بزم ص ۲ شاعر کا آگرہ نمبر ۳۶ء ذکر ریاض

فاطمہ بنت عبداللہ

غزوہ طرابلس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ صدیوں کے بعد اس نے صدر اول اسلام کے غزوات و مجاہدات کے واقعات زندہ کر دیئے اور مدتوں کے بعد عرب بادیہ کو موقعہ ملا کہ ان کے اصل جوہر نمایاں ہوں، بدر اور اُحد کے واقعات میں ہم پڑھتے تھے کہ ایسی عورتیں تھیں جو اپنے آٹھ آٹھ لڑکوں کو اللہ کی راہ میں زخمی کرا کے پھر خود زخمی ہو جاتی تھیں اور اللہ کے رسول کی محبت میں ایسی محو تھیں کہ تیروں پر تیر کھاتی تھیں۔ مگر اپنے جسم کو ان کے سامنے ڈھال کی طرح رکھتی تھیں۔ یہ ہم پڑھتے تھے مگر خاک طرابلس نے یہ تمام واقعات دہرا دیئے۔

عربی جنگ کی پہلی خصوصیت عورتوں کی شرکت ہے۔ غزوہ طرابلس کے لئے جب اطراف و جوانب اور اندرون صحرا سے قبائل جمع ہونے لگے تو ہر قبیلے کے ہمراہ اس کا پورا خاندان تھا۔ ان میں ہر طرح کی عورتیں ہوتی تھیں جن کے ابھی کھیل کود کے دن تھے۔ بڑھیا عورتیں بھی ہوتی تھیں جن کے جسم قوی ہی جواب دے چکے تھے۔ بہت سی عورتیں ایسی بھی ہوتی تھیں کہ ان کی گود میں چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور وہ ان کو الگ نہیں کر سکتی تھیں۔ ہم نے وہ تصویریں دیکھی ہیں جن میں کسی عورت نے ایک طرف تو گود میں بچہ اٹھا لیا ہے

اور دوسری جانب پانی کی مشک ہے اسی حالت میں میدان جہاد کے زخمیوں کو ڈھونڈھتی پھرتی ہیں۔

جن قبائل نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں ایک مشہور قبیلہ (قبیلہ البراعقہ) تھا جو کثرت نفوس اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے اندرون طرابلس کا سب سے بڑا قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔

اس قبیلے کا سردار شیخ عبداللہ تھا جس کو عرب اپنی بول چال میں عبدہ پکارا کرتے تھے۔ اس مجاہد غیور نے آغاز جنگ سے خالصاً لوجہ اللہ جو عظیم الشان خدمات جہاد انجام دیں۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ جنگ کے تمام ترک افسر اس بارے میں متفق اللسان ہیں کہ اگر شیخ عبداللہ کے جاں فروشانہ عزائم اول کار میں ساتھ نہ دیتے تو بعد کی کامیابیاں ہرگز حاصل نہ ہو سکتی تھیں۔ مختصر یہ ہے کہ اس فدائے اسلام نے اپنے قبیلے کو ابھارا اطراف و نواح کے دوسرے قبائل کو آمادہ جہاد کیا۔ اپنا تمام مال و متاع ترک افسروں کے سپرد کر دیا۔ تمام عربوں کو بطور نفقہ جنگ کے روزینہ دیا جاتا تھا اس کے لینے سے بھی اس نے انکار کر دیا۔ پھر اپنے خاندان کے تمام مردوں اور عورتوں کو لا کر دشمنان اسلام کے آلات جہنمی کے سامنے لا کھڑا کیا۔ ان کو کٹوایا اور آخر میں خود بھی ان کی رفاقت میں روانہ ہو گیا۔ خدا نے اپنی محبت کی پہلی شرط یہ قرار دی تھی کہ لن تنالوا لبر حتی تنفقوا مما تحبون نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اس کی راہ میں ان چیزوں کو نہ لٹا دو جو تم کو محبوب اور مطلوب ہیں۔ کیونکہ ایک دل میں محبت کے دو آشیانے نہیں بن سکتے۔ ـ ان کی دنیوی

محبوبات میں مال و متاع۔ اہل و عیال۔ پھر نفس و جان یہی تین چیزیں وہ سب سے زیادہ بوجھل زنجیریں ہیں جو اس راہ میں پاؤں کو ہلنے نہیں دیتیں۔ اس فانی فاللہ عاشق صادق نے ایک ہی وقت میں ان تینوں منزلوں کو طے کر لیا۔ سب سے پہلے مال و متاع کو اس کی راہ میں لٹایا۔ پھر اپنے عزیزوں کو قربان کیا۔ آخر میں جان رہ گئی تھی یہ بھی جان آفریں کے سپرد کر دی۔ لایؤمن احد حتیٰ احب الیہ من ماله والناس اجمعین۔

آنکس کہ ترا بخواست جاں را چہ کند | فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی | دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد (۳۲ : ۱۱) اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو اس کی رضا جوئی کی راہ میں اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔

اس کا تمام خاندان معروف پیکار و خدمات جہاد تھا لیکن اولاد میں صرف ایک گیارہ برس کی لڑکی فاطمہ تھی جس کی محویت و استغراق کو دیکھ کر تمام ترک افسر اور سپاہی حیران رہ جاتے تھے ڈاکٹر اسمٰعیل ثنیاتی بک لکھتے ہیں۔

سب سے پہلے میں نے اس معصوم بچی کو اس وقت دیکھا جب میں پہلی مرتبہ اپنی جماعت لے کر عزیزیہ سے زوارہ آیا تھا۔ عورتوں اور لڑکیوں کی لشکر میں کمی نہ تھی۔ کیونکہ ہر عرب مع اپنے پورے خاندان کے شریک جہاد ہوا تھا۔ لیکن چند مخصوص باتیں فاطمہ

میں ایسی نظر آتی تھیں جن کی وجہ سے وہ ہزارہا مردوں اور عورتوں میں بھی پہچان لی جاتی تھی۔ اول تو اس کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ زیادہ سے زیادہ گیارہ برس ہو گی۔ دوسرے اس کو جنگ اور جنگ کے زخمیوں سے کچھ ایسا انس ہو گیا تھا کہ سخت سے سخت معرکوں میں بھی اس کی مسابقت اور پیش قدمی کو ہر سپاہی محسوس کرتا تھا۔ جنگ خواہ حملے کی ہو خواہ مدافعت کی۔ ساحلی بیڑے سے توپوں کی بارش ہو رہی ہو یا تلواروں اور سنگینوں کی سامنے صفیں ہوں مگر زخمی مسلمان کی آہ میں اس کے لئے ایک ایسی کشش تھی جس کو سن لینے کے بعد محال ہو جاتا تھا کہ اس کی چھوٹی سی مشک اپنے فرض کو بھول جائے وہ کم سن تھی لیکن اس کے اندر ایک کہن سال عشق موجود تھا۔ یہ عشق لہو و لعب یا تمتعاتِ حیات کا نہ تھا بلکہ خون زخم اور کٹی ہوئی انسانی رگوں کا۔ جہاں کہیں یہ چیزیں موجود ہوتیں وہ ایک باد رفتار ہرنی کی مستعدی مگر فرشتۂ عشق کے پروں سے اڑتی ہوئی وہاں پہنچ جاتی میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ بارود کے دھوئیں سے تمام فضا تاریک ہو رہی ہے۔ کانوں کے پردے توپوں کی سامعہ شکن صداؤں سے پھٹ رہے ہیں۔ گولوں کے پھٹنے سے ایک عارضی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی زخمیوں ...... کی چیخیں پچھلی مہیب گرجوں کے ساتھ مل کر ایک عجیب وحشت انگیز سماں برپا کر دیتی ہیں۔ ایسے جگر پاش اور زہرہ گداز عالم میں وہ معصوم ہرنی اپنا اونچا کرتا پہنے ہوئے اور پھٹی ہوئی اوڑھنی کمر کے گرد لپیٹے ہوئے اس طرح دوڑ رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ مظلوم و محتاج زخمیوں کی خبر گیری کے لئے کوئی فرشتہ ربانی آسمان سے

اتر آیا ہے اور اللہ نے ہوا اور زمین کو اس کے تابع کر دیا ہے کہ وہ اٹھائے رہے اور یہ لٹتی جائے۔ سامنے سے گولوں کی لگاتار بارش ہو رہی تھی مگر یہ اسی بارش پر تیرتی ہوئی جاتی تھی۔ انسانی لاشیں ایک پر ایک گر رہی تھیں مگر ہر نئی لاش گرنے کی آواز خوف کی جگہ اس کے دل میں قوت کی نئی رَو پیدا کر دیتی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر میں بے اختیار ہو گیا۔ کچھ بعید نہیں کہ ایسے خطرناک اور یکسر موت و ہلاکت کے عالم میں یہ برق وش ہمیشہ کے لئے نظروں سے چھپ جائے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب کی مرتبہ اگر وہ نمودار ہوئی تو کسی نہ کسی طرح پکڑ کر سمجھاؤں گا کہ موت کی اس درجہ آرزو مند کیوں ہو گئی ہے؟

تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک چھوٹا سا سایہ قریب سے گزرا۔ میں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا تجھے نہیں معلوم تو اپنے باپ کی ایک ہی بیٹی ہے؟

چھوڑ دو! کیا تم بھول گئے کہ اسلام اور وطن کے کتنے فرزند یہاں پیاسے دم توڑ رہے ہیں! یہ کہا اور نظروں سے غائب ہو گئی۔

وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ مجھ کو سرخ رنگ سے عشق ہے۔ آہ! یہی رنگ ایک دن میں نے اس کی گردن اور دل کے نیچے سے بہتا ہوا دیکھا۔

۲۱ رجب ۱۳۳۱ھ کو زوارہ میں اطالیوں نے دو ماہ کی مسلسل تیاریوں کے بعد ایک بہت بڑا حملہ کیا تھا۔ عربوں نے بھی جو عرصے کی بیکاری سے گھبرا اٹھے تھے۔ بھوکے شیروں کی طرح ان کا استقبال کیا۔ زوارہ سے جو خبر بعد کو مشتہر کی گئی تھی اس میں اطالوی نا

کی تعداد چھ ہزار بتلائی تھی۔ مگر دراصل بارہ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔ عربوں اور ترکوں کی متحدہ فوج کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی۔

یہ لڑائی دن بھر جاری رہی اور عصر کے وقت بارہ سو لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر اپنی عادت قدیم کے مطابق اطالویوں نے ساحل کا رُخ کیا۔

عین دوپہر کا وقت تھا۔ اٹالین توپ خانہ دونوں جانب سے آگ برسا رہا تھا دس ہزار بندوقوں کے چھوٹنے کی آواز ایک ہی وقت میں کڑک رہی تھی۔ تمام ریگستان میں موت اور ہلاکت کے سوا کچھ نہ تھا اس وقت اس بہشت زار شہادت کی حور عین فاطمہ کہاں ہے۔

وہ بدستور اپنے ہی کام میں مشغول ہے اس کی دائمی رفیق مشک اس کی پیٹھ پر ہے۔ دھوئیں اور تپش کی شدت سے چہرہ جھلسا ہوا ہے بالوں پر سرخی مائل ریت کی تہ جمی ہوئی ہے۔ کپڑے اس کے محبوب سرخ رنگ" کے دھبوں سے رنگین ہو رہے ہیں۔ اور اپنی مخصوص مجنونانہ محویت کے پردوں سے فضائے جنگ میں اڑ رہی ہے۔ اس کی ماں بھی اسی خدمت میں شریک ہے۔ مگر اس کا ساتھ کون دے سکتا ہے؟ اس کا باپ بھی اپنے قبیلے کے ساتھ مصروف جاں بازی ہے مگر اس کو اپنے کام کے انہماک میں اس کی یاد کی مہلت کب ہے۔ عصر کا وقت جب قریب آگیا تو مجاہدین آخری عزم فیصلہ کن کے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کی صفوں میں

گھس کر تلواروں سے کاٹنا شروع کیا۔ احمد توری بک ترکی کمان افسر نے عربوں کے ہجوم کو دیکھا تو خود بھی اپنی جماعت لے کر دشمنوں کے مشرقی توپ خانے تک بڑھتا ہوا چلا گیا۔ توپ خانے کے پاس اطالیوں کی ایک تازہ دم جماعت موجود تھی جس نے اب تک لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ایک چھوٹی سی جماعت دیکھ کر وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور تین ترک سپاہیوں کو چاروں طرف سے گھیر کر بندوقوں کا نشانہ بنانا چاہا۔ نہیں معلوم کون سا محافظ ہاتھ تھا جس نے عربی صفوں سے اس قدر دور ۔۔۔ پہنچا دیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جانباز ترک تلواروں کے بے امان ہاتھ مار کر صاف نکل آئے ہیں مگر چار زخمی ترک زمین پر پڑے سسک رہے ہیں۔ نامرد اطالوی حریفوں کو روک تو نہ سکے مگر اب زخمیوں کے سر و سینہ میں سنگین چبھو کر اپنا غصہ نکال رہے ہیں۔ گیارہ برس کی فاطمہ دیکھتے ہی لپکی اور بغیر ان لوگوں پر نظر ڈالے ہوئے جو پاس ہی کھڑے تھے اپنی مشک ایک زخمی کے منہ سے لگا دی۔ پورا ایک گھونٹ بھی ابھی زخمی کے حلق سے نہیں اترا تھا کہ دو اطالویوں نے بڑھ کر گردن کے پاس سے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ فاطمہ تڑپی مگر دشمن کی گرفت مضبوط تھی۔ فوراً اس نے زخمی ترک کی پڑی ہوئی خون آلود تلوار اٹھالی اور اس زور سے ماری کہ اطالوی سپاہی کے داہنے ہاتھ کا پہنچا زخمی ہو کر لٹک گیا۔ اس نے گردن چھوڑ دی۔ تاکہ بائیں ہاتھ سے دشمن پر حملہ کر سکے۔

۔۔ بندوق چھوٹنے کی آواز آئی اور ادھر اٹالین فوج شکست کھا کر بھاگتی نظر آئی۔ عرب اور ترک سپاہی جب دشمنوں کا تعاقب

کرتے ہوئے میدان جنگ سے آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ چار زخمی ترک زمین پر پڑے ہیں۔ پاس ہی فاطمہ کی لاش ہے مگر اس حالت میں کہ مشک کا حلقہ ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے اور مشک ایک بیہوش ترک کے سینے پر پڑی ہے۔ شاید مرتے دم بھی زخمی ترک کو پانی پلانے کی کوشش کی تھی مگر مشک اس کے منہ تک نہ لے جا سکی۔

إنا للہ وانا الیہ راجعون ٥

لاڈو بیگم

صالحہ بی بی تھیں۔ خان بہادر ڈاکٹر وزیرالدین کی دختر ڈاکٹر الہام اللہ شہابی کی زوجہ تھیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی منشی عبدالکریم ملکہ وکٹوریہ کے میر منشی تھے۔ والدہ بگہ بیگم میر رجب علی نگران مسجد عالمگیری کی دختر تھیں۔ لاڈو بیگم شوہر کی اطاعت گزار اور عابدہ اور سعادت میں مشہور تھیں۔

بھائی کے ترکہ میں سے معقول جائداد حصہ میں آئی۔ ایک حصہ چک پنجم سواد شہر آگرہ وقف کر دیا۔ ایک بیٹی احمدالنسا بیگم تھیں جو خود مخیرہ اور سخی واقعہ ہوئی تھیں۔ بیسیوں بچیوں کی شادی کے مصارف خود ادا کئے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دیتیں۔ تمام املاک زندگی میں خیر و خیرات میں لٹا گئیں۔

لاڈو بیگم نے ۱۹۱۵ء میں انتقال کیا درگاہ شاہ نواز الزماں میں دفن ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں احمدالنساء بھی واصل بحق ہوئیں۔

نواب شاہجہاں بیگم

نواب شاہجہاں بیگم کے والد کا نام نواب جہانگیر خاں بہادر شمشیر جنگ تھا۔ والدہ کا نام سکندر بیگم تھا۔ بیگم صاحبہ بھوپال میں سنہ ۱۹۵۴ء میں پیدا ہوئیں۔ ۱۵ محرم سنہ ۱۲۶۳ھ میں جب کہ بیگم صاحبہ کی عمر ۹ برس کی تھی تو اپنے باپ کی جگہ تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئیں۔ اپنی والدہ کے زیر سایہ پرورش پائی اور تمام علوم و فنون فارسی نہایت خوش اسلوبی سے حاصل کئے۔ یہاں تک کہ لکھنا پڑھنا خط و کتابت سلیقہ سیاست اور ریاست کے نظم و نسق کے تمام طریقے بہ تمام و کمال اکتساب کئے۔ ۹ شوال سنہ ۱۲۷۶ھ میں جب کہ بائیس سال کی عمر ہوئی تمام ریاست کے کاروبار کو اپنی والدہ کے سپرد کر دیا لیکن غرہ شعبان سنہ ۱۲۸۵ھ میں اراکین ریاست کے اصرار پر زیب اورنگ ہوئیں۔

لارڈ میو گورنر جنرل کے زمانہ میں سنہ ۱۲۸۸ھ میں نواب صدیق حسن خاں سے ان کا نکاح ثانی ہوا۔

شاہجہاں بیگم چونکہ خود تعلیم یافتہ اور صاحب فراست تھیں اس وجہ سے اہل ہنر کی قدر افزائی کرتیں اور اپنے جود و کرم سے بہت مہربانی فرماتیں۔ شعر بھی کہتیں تھیں۔

ایک غزل ملاحظہ ہو۔

غزل

از نواب شاہجہاں بیگم

ہر دم ز حسن یار من خیزد تجلائے دگر
چشمم بود در ہر نظر محو تماشائے دگر

ہر ذرہ خاک درش خورشید تاباں در برش
از پرتو مہر رخش دارد تجلائے دگر

خوبان دنیا گو ہمہ خوبند از سر تا بہ پا
نام خدا آں دلربا دارد سراپائے دگر

از بوریای زاہداں بوئی ریا آمد بجاں
بہر نماز عاشقاں باشد مصلائے دگر

باور مکن قول عدو ساغر کجا و شیشہ کو
اے محتسب ایں ہائی ہو دارم ز صہبائے دگر

من می روم سوئے حرم دل میکشد سوئے صنم
من می روم جائے دگر دل می رود جائے دگر

جانم بہ تنگ آمد از و یارب چساں سازم بدو
من می زنم رائے دگر او میزند رائے دگر

اے عشق بے پروا بیا تا وا رہم از ما سوا
جز درد تو نبود مرا در دل تمنائے دگر

از شرم رنگ آں او دیگر بود احوال او
گل بر سر آں لالہ رو دارد تماشائے دگر

اے مونس و غم خوار من خلقے پئے آزار من
بس مہر ایزد یار من دارم نہ پروائے دگر

شاہ جہانم بیگماں ہم تاجور در ہندیاں
جز یاد دارد در جاں دارم نہ سودائے دگر

مہربانو رابعہ ثانی

مہربانو بنت ملک باقر علی بلہوری میر فیض علی جو سادات نو محلہ بریلی سے تھے اُنکی نواسی تھیں۔ باپ نے دینی تعلیم دلوائی۔ میرا[illegible] علی نبیرۂ نواب

سید عابد حسین امیر الامرا شاہجہانی کی اولاد سے تھے۔ مبارک محل واقع آگرہ رہنے کا مکان تھا۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں نواب محمد علی حجاز چلے گئے۔ انگریز نے آپکی املاک پر قبضہ کیا۔ بودلہ اور قدم شریف کی آراضی کچھ لڑاؤ علی کو ورثہ میں ملی مگر وہ کافی نہ تھی تو ٹوپے کا کام سیکھ لیا اور گھر میں زیور گوندھ کر گزارہ کرتے۔ اس طرح باپ دادا کی شان قائم رکھی۔ معمولی پڑھے لکھے تھے نوکری تمام عمر نہ کی۔ بودلہ سے سالیانہ آتا تھا وہ چند ماہ میں ختم ہو جاتا۔ جس دن گندھائی کا کام نہ آتا خود اور بیوی فاقہ سے رہتے۔ مہربانو نے کبھی ماں باپ کو خبر نہ ہونے دی کہ کس حال میں زندگی کٹ رہی ہے۔ ایک دن ان کے بھائی منشی الطاف حسین خطاط جن کی تحریر کا نمونہ محراب مسجد شو مارکیٹ پر کتبہ کی صورت میں ہے جو حضرت وارث علی شاہ دیوی کے خلیفہ تھے وہ آئے۔ اشتہا کا غلبہ تھا، بہن سے کہا آپا کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ عموماً مہربانو آنے جانے والوں کے لئے پنڈیاں یا ستو کا انتظام رکھتیں، خود نہ کھاتیں۔ اس دن یہ سامان نبڑٹ گیا تھا ایک رکابی میں آم کی آبلی گٹھلیاں رکھی تھیں اور ایک پیالی میں نمک مرچ کی چٹنی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا آپا یہ کیا ہے کہنے لگیں کہ یہ گٹھلیاں سوندھی ہوتی ہیں کبھی کھا لیتی ہوں۔ منشی صاحب نے بھی کھائیں۔ گھر لوٹ کر آئے باپ سے کہا۔ انہوں نے فرمایا۔ مہربانو نے اپنی تکلیف کا کبھی ذکر تک نہ کیا اور خود بیٹی کے پاس پہنچے اور دس روپے دے آئے مگر یہ ایسی صابرہ بی بی تھیں وہ دس رکھے رہنے دیئے جب کوئی میکہ سے آتا کہتیں۔ باوا کو غلط

اطلاع ملی جو روپے دے گئے خرچ کرنے کی نوبت آج تک نہ آئی۔

انہوں نے محلہ کی بچیوں کو بلا بلا کر انکو بلا معاوضہ قرآن پڑھانا شروع کیا جب کسی بچی کا قرآن ختم ہوتا۔ اس کے والدین جوڑا اور پچیس روپیہ نذر کرتے وہ جمع کرتیں اور یتیم بچوں کی شادی میں اپنی طرف سے مدد دیتیں۔ غرض کہ صدہا بچیوں کو کلام مجید پڑھا دیا اور بیسیوں بچیوں کی شادی اپنے پاس سے کی۔ اللہ نے پھر بڑی فراغت دے دی اولاد برسر روزگار ہو گئی ۱۹۳۵ء میں انتقال ہو گیا۔

بیگم حسرت موہانی

سب سے پہلی مسلم خاتون ہیں جنھوں نے جنگ آزادی میں اپنے شوہر کے پہلو بہ پہلو حصہ لیا۔ جب حسرت جیل گئے اردو معلی خود نکالتی تھیں ۱۹۱۱ء میں آگرہ ثاقب اکبر آبادی کے یہاں آئیں مجھے بھی گفتگو کا موقعہ ملا گاڑھے کی ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ مسلمانوں میں یہ پہلی پردہ شکن خاتون ہیں۔

بی اماں

والدہ مولانا محمد علی و شوکت علی مرحوم۔ آپکے والد احمد علی خاں امروہہ کے معزز خاندان سے تھے آپ اس قابلیت کی خاتون تھیں کہ اپنے

بچوں کو تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر دلوائی اور قوم پر اولاد کو نثار کرنے کو تیار رہتیں۔ خلافت کی تحریک کو کامیاب بنانے میں موصوفہ کا بڑا حصہ ہے افسوس ہے کہ ہم ان کے مفصل حالات نہ لکھ سکے۔ ان کا مزار دہلی میں حضرت غلام علی شاہ کی خانقاہ میں ہے۔

ضمیمہ رضیہ سلطانہ

رضیہ سلطانہ الملقب بہ بلقیس جہاں۔ سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی تھی۔ دہلی میں پیدا ہوئی اور ۶۳۴ھ میں تخت نشین ہوئی۔ دستور کے مطابق رضیہ کی پرورش نہایت عمدہ طریقہ سے کی گئی۔ شاہی خاندان کا طریقہ تھا کہ اگر لڑکا پیدا ہوتا تو وہ محل کے باہر پرورش پاتا اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو محل کے اندر ماں سے علیحدہ خاص عورتیں اس کی پرورش کرتیں۔ یہ کام نہایت شریف خوش اخلاق اور نیک عورتوں کے سپرد کیا جاتا۔ اور ملازمت کے وقت دینی علوم میں ان کا امتحان لیا جاتا۔ نو برس تک لڑکی ان کے پاس رہتی اس عرصے میں قرآن مجید اور دیگر ضروری مسائل اسے ازبر کرا دیئے جاتے تھے۔ اس کے بعد فن سپہ گری اور ملکی معاملات کی تعلیم کے لئے وہ محل کے چھوٹے سے اسکول میں تعلیم حاصل کرتی تھی جو صرف شہزادیوں کے لئے مخصوص تھا۔

رضیہ نہایت حسین تھی۔ شمس الدین التمش گو اپنے بیٹے رکن الدین التمش کو بہت چاہتا تھا مگر وہ اب اس ہونہار لڑکی کے آگے اس

کی محبت کو بھول گیا تھا۔ اور جوں جوں رضیہ بڑی ہوتی جاتی تھی۔ اسے یقین ہوتا جاتا تھا کہ آئندہ یہ میری معاون اور قوت بازو ثابت ہو گی۔ جب رضیہ کی عمر چار برس کی ہوئی تو اسے قرآن مجید پڑھایا گیا۔ تین برس میں اس نے قرآن مجید ختم کر لیا۔ قدرت نے اس کو خوش الحانی بھی عطا فرمائی تھی۔ اس کی آواز میں ایسا لوچ تھا کہ جب وہ قرآن شریف پڑھتی تو ممکن نہ تھا کہ سننے والا اس کو پڑھتے ہوئے سن کر رو نہ دے۔

ختم قرآن مجید کی تقریب خوب دھوم دھام اور شاہانہ تزک و احتشام سے عمل میں آئی۔ ہزاروں روپیہ محتاجوں اور فقرا میں تقسیم کیا گیا اور تمام لشکر کی تین روز تک دعوت ہوتی رہی۔

قرآن مجید ختم کرنے کے بعد فارسی کتب اور شاہی ادب و آداب کی تعلیم ہوتی رہی۔ رضیہ کو ذہن اور حافظہ قدرت نے ازل ہی سے غیر معمولی عطا کیا تھا۔ لہذا رضیہ نے تین برس کے عرصہ میں فارسی میں بھی کافی دستگاہ پیدا کر لی۔ رضیہ سادہ عبارت اور مختصر نویسی میں تمام قلعہ میں مشہور تھی۔

غرض تیرہ برس کی عمر تک رضیہ کسی قدر پابندی سے تعلیم حاصل کرتی رہی۔ جب چودہ برس کی عمر کو پہنچی تو تدابیر ملکی میں حصہ لینے کا زمانہ آ گیا۔ اس عرصہ میں وہ تیر اندازی چابک سواری اور فنون جنگ میں بھی خوب مشاق ہو گئی تھی۔

رضیہ کا بڑا بھائی رکن الدین بچپن سے کاہل وجود اور آرام طلب تھا مگر رضیہ اپنے بھائی کی بالکل ضد تھی۔ گو وہ عورت تھی

مگراس میں استقلال۔ بہادری جرأت مردوں سے زیادہ تھی وہ سمجھتی تھی کہ ہماری خوش تدبیری نہ صرف مفتوحات اور مقبوضات کو ہمارے قبضہ میں رکھے گی بلکہ ہمارے خاندان کی عظمت اور وقعت کا باعث بھی ہوگی۔

رضیہ کی دانائی فراست، معاملہ فہمی، ذہانت کے آگے معاملات کی عقدہ کشائی کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی اس کا حکمرانہ دماغ خود بخود جہانداری کی قابل تحسین صفتیں پیدا کرتا جاتا تھا۔ یہ مردانہ کھلے دربار میں آتی اور آزادانہ طور پر معاملات پر بحث کرتی۔ ان صفات کی بنا پر نہ صرف اس کا باپ التمش بلکہ عوام الناس بھی رضیہ کو اپنا آئندہ حکمراں سمجھتے تھے۔ پہلا کام رضیہ نے سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد کیا وہ ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر تھی۔ رضیہ خود ایک اچھی نقشہ نویس تھی ایک مسجد کا نقشہ بناکر باپ کی خدمت میں پیش کیا اس نے اس کی تعمیر کا انتظام رضیہ کے سپرد کیا۔

باپ کی عدم موجودگی میں رضیہ تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت پر جلوہ افروز ہوتی اور دستور کے مطابق کل وزرا دست بستہ حاضر خدمت ہوتے۔ قدرتی طور پر اس کا رعب اہل دربار پر اس قدر تھا کہ اس کا چہرہ، لمحہ بھر کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ رضیہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی سب سے پہلے فوج پھر خزانہ، رسد اور ڈاک وغیرہ کا نہایت معقول انتظام کیا۔

مگر ارباب سلطنت ملک کوفی وغیرہ نے اس کے خلاف سازشیں کیں اور قتل ہوئے مگر فتنہ بڑھتا رہا۔ آخرش ملک اعزالدین حاکم لاہور نے

بغاوت کی۔ ملک التونیہ بھی مخالف ہوگیا۔ بھٹنڈہ پر معرکہ ہوا۔ یہ گرفتار ہوئی اور قلعہ بھٹنڈہ چلی آئی۔ اس نے ملک التونیہ سے عقد کر لیا۔ پھر دو نے ملک اعزالدین سے مقابلہ کیا۔ پھر بھی ہر دو ناکام ہوئے۔ رضیہ ایک کسان کے کھیت میں روپوش ہوئی سوتے میں اسے قتل کردیا۔ یہ واقعہ ربیع الآخر ۶۳۷ھ کا ہے۔ دہلی کے محلہ بلبلی خانہ میں مزار ہے۔ راقم سطور نے مفصل سوانح عمری رضیہ سلطانہ لکھ دی جو کتاب گھر دہلی سے ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

بی بی صالحہ

بی بی صالحہ بنت شیخ نظام الدین اللہ دیہ رضوی خیرآبادی جو اولیائے کبار سے تھے۔

یہ اپنے عہد کی عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ باپ سے عربی کی تعلیم پائی۔ حضرت شیخ آدم دانشمند بن محمد گوپاموی سے منسوب ہوئیں۔ ان سے مخدوم شیخ عیسیٰ اور دو دختر تھیں۔ ایک کا نام عابدہ تھا۔ شیخ عیسیٰ نے اپنی والدہ ماجدہ کے آغوش میں نشو نما پائی اور عظیم المرتبت عالم ہوئے یہ خاتون تہجد گزار تھیں۔

آپ کے شوہر افتاء کے عہدہ پر سرفراز تھے اور معقول زمینداری تھی۔ چند خادمہ بھی تھیں۔ مگر خود یہ بی بی چکی پیستی، شوہر اور اولاد کے لئے کھانا پکاتیں۔ ذکر و فکر میں مشغول رہتیں۔ مسجد خیرالبقا گوپامو کے صحن میں آپ کا مزار ہے۔

حضرت بی بی عابدہ

حضرت بی بی عابدہ بنت شیخ آدم سہروردی ماں اور باپ کے علاوہ اپنے نانا شیخ اللہ دیہ رضوی خیر آبادی سے فیوض وبرکات حاصل کئے آپ صاحب ریاضت تھیں جس کی شہرت دور دور تک تھی۔ حضرت بندگی نظام الدین عثمانی امیٹھوی ۹۳۷ھ گوپامؤ تشریف لائے تو حضرت شیخ آدم دانشمند سہروردی کی دختر بی بی حضرت عابدہ کو حبالۂ عقد نکاح میں لائے۔ ان بی بی کی اطاعت گزاری سے بندگی میاں ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ کی پہلی بیوی مخدومہ جہاں کو ناگوار گزرا اور اپنے والد حضرت مخدوم خاصہ خدا نما کے مزار پر جاکر آہ وبکا کی۔ اس کی تفصیل ملا شیخ احمد عرف ملا جیون امیٹھوی مناقب الاولیا میں یہ لکھتے ہیں کہ

نقل است کہ چو بعد وفات حضرت مخدوم خاصہ خدا نما قدس سرہٗ حضرت بندگی میاں در گوپامو نکاح دیگر کردند۔ ایں قبر آنحضرت بی بی مخدومہ جہاں رسیدہ حضرت بی بعد از شنیدہ ایں سخن بکمال تنگ برخاستند وبہ قبر پدر بزرگوار خود ہر دو دست خود زدہ ہمدراں از قبر آواز کشادہ کہ چہ میگوئی۔"

غرض کہ بی بی صاحبہ نے اس شادی کی شکایت کی۔ مخدوم خاصہ نے کہا۔ خاطر جمع رکھو تم ہی رہو گی۔ چنانچہ بی بی عابدہ وضع حمل کے سلسلہ میں وفات پاگئیں۔ اس کا صدمہ حضرت بندگی کو بہت ہوا اور گوپامو کو خیر باد کہہ کر امیٹھی تشریف لے آئے۔

(ملفوظات بندگی)

ملکہ حیات بخشی بیگم

بنت سلطان محمد قلی والی دکن اپنے اخلاق و عادات و فہم و تدبر میں مشہور خاتون تھیں۔ سلطان محمد قطب شاہ سے منسوب ہوئیں شاہجہان نے سلطنت قطب شاہی پر تصرف کرنا چاہا۔ یہی وہ خاتون ہے جس نے اپنے حسن تدبیر سے ملک کو بچا لیا۔ اس نے رفاہ عام کے کام بھی بہت سے انجام دیئے ان کی سوانح عمری مولوی نصیر الدین ہاشمی نے لکھی ہے جس کو کتاب گھر نے شائع کی ہے۔

نواب زینت محل

بنت نواب محمد علی قلی۔ نواب کے دادا احمد شاہ ابدالی کے رئیس الوری تھے۔ نواب نے زینت محل کو اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ اس وقت کی خواتین میں صورت اور سیرت میں امتیازی درجہ رکھتی تھیں۔ ابوظفر بہادر شاہ کے حبالہ نکاح میں آکر ملکہ عالم بنیں۔ ان کے بطن سے شہزادہ جواں بخت تھے۔ مرزا فخرو کے بعد ان کو بادشاہ ولیعہد کرنا چاہتے تھے مگر ایسٹ انڈیا کمپنی نے منظور نہیں کیا۔ اور مرزا قویش ابن بہادر شاہ کو اپنی طرف سے چند شرائط کے ساتھ ولی عہد مقرر کیا کہ قلعہ دلی کو ترک کر دوسری جگہ رہیں گے اور پندرہ ہزار روپیہ ماہوار

وظیفہ لیں گے۔ بادشاہ کو اس کا بے حد صدمہ ہوا مگر مجبور تھے کہ یکایک ۱۸۵۷ء کا انقلابی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بادشاہ بھی انقلابیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ زینت محل پیش پیش تھیں۔ ناکامی کے بعد بادشاہ پر مقدمہ چلا اور رنگون بھیج دیئے گئے۔ نواب زینت محل اور جواں بخت ہمراہ گئے۔ شوہر کی خدمت میں زندگی بتا دی۔ بہادر شاہ کے انتقال کے بعد بیوگی کے عالم میں صبر و شکر سے بقیہ عمر گزاری۔ انگریزوں کے وظیفہ کو ٹھکرا دیا۔ شوہر کے وصال کے چند سال بعد اپنے شوہر کے پہلو میں جا سوئیں۔ نجیب الحسن شہابی سلمہٗ نے سوانح عمری لکھی ہے جو زیر طبع ہے۔

حضرت محل

امراؤ جان ان کا نام تھا۔ واجد علی شاہ والی اودھ کی بیگم تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں اس خاتون نے انگریز کے مقابلہ میں بڑی دادِ شجاعت دی۔ آخر میں برجیس قدر جس کو انہوں نے تخت لکھنؤ پر بٹھایا تھا ان کو ہمراہ لے کر نیپال چلی گئیں۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے مفصل حالات سیدہ انیس فاطمہ بریلوی سلمہا نے "۱۸۵۷ء کے ہیرو" نامی کتاب میں تحریر کئے ہیں۔

عزیزن بی بی

عزیزن بعض نے عظیمن اس خاتون کا نام تحریر کیا ہے۔ کانپور وطن تھا۔ بچپن میں ایک بردہ فروش لے آیا۔ اور ایک طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مگر یہ کسی اچھے گھرانہ کی بچی تھی۔ گانا اور ناچنا سیکھا۔ مگر عصمت فروش نہ بنی۔ نانا راؤ پیشوا کے یہاں رقاصہ مقرر ہوئی وہ اس خاتون کی پاک بازی کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں اس خاتون نے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ کانپور میں جہاد کا جھنڈا اس خاتون نے بلند کیا۔

اسپ سواری میں طاق تھی۔ تیغ زنی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئی۔

نوٹ:۔ رضیہ سلطانہ کا حال ضمیمہ میں اس وجہ سے لکھا گیا ہے کہ ترتیب کے وقت ذکر رہ گیا۔ اس کے علاوہ چند خواتین کے اور تذکرہ بھی اس میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

انتظام اللہ